شیر مصر

قمر تکین

اسلامی تاریخی ناول

شیرِ مصرؓ

قمر تسکین

اسلامی تاریخی ناول

باطل شکن معرکہ آرائیوں کی خونابہ بار داستان

شیرِ مصر

قمر تسکین

مکتبہ القریش ○ چوک اردو بازار ○ لاہور۲

ISBN 969-38-0174-1

ناشر : محمد علی قریشی

مطبع : معراج دین پرنٹرز، لاہور

تعداد : ایک ہزار

قیمت : ۷۵/۰۰ روپے

بار اوّل : ۱۹۸۶ء

بار دوم : ۱۹۹۰ء

مکتبہ القریش، چوک اردو بازار، لاہور

انتساب

اپنے مرحوم دوست

ساحر لدھیانوی

کے نام

جو صحیح معنوں میں ایک عظیم شاعر

انسان دوست اور

اقبال مند شخصیت تھی

قمر تسکین

استفادہ

نسیب آفندی مشعلانی

قمر تسکین کے دوسرے ناول

اسلامی تاریخی ناول

بنتِ قریش
شیرِ مصر
شمشیرِ اسلام
ترک مردِ میدان
مجاہدین الجزائر

•

دوسری کتب

اسلام کی نامور خواتین
اسلام کے نامور مجاہدین
سو مسلمان مشاہیر

•

سچی کہانیاں

جرم و سزا کی سچی کہانیاں
ہیبتناک افسانے

یہ ناول

بڑے آدمیوں کے سوانح حیات ہر دور میں دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ خصوصاً ان بڑے آدمیوں کے حالات زندگی کو ہر شخص ذوق و شوق سے پڑھتا ہے جو غربت، ناداری اور گمنامی کی گہری وادیوں سے اٹھ کر عزت، دولت اور شہرت کے آسمان پر جگمگائے ہوں، ایسے لوگوں کے سوانح حیات جہاں انتہائی دلچسپ ہوتے ہیں، وہاں ان کے کارنامے بھی بڑے عجیب و غریب ہوتے ہیں، ان کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات پڑھ کر عام لوگوں کے دلوں میں بھی سربلندی و سرفرازی حاصل کرنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اقبال مند لوگوں کے حالات زندگی ترقی و اقبال کی خواہش کرنے والوں کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

زیر نظر ناول "شیر مصر" بھی اس قسم کے ایک جواں ہمت اور بلند حوصلہ انسان محمد علی پاشا کے لڑکپن اور شباب کے کارناموں پر مشتمل ہے۔ وہ قوالہ نام کی ایک غیر معروف بستی میں مچھلیاں پکڑتا تھا، پھر اس نے اس پیشے کو ترک کر دیا اور تلوار ہاتھ میں لی اور اٹھارویں صدی کے آخری پرآشوب دور میں اپنی جرأت و ہمت، مستقل مزاجی اور سوجھ بوجھ سے کام لیا اور مصر کو مملوکوں کے دیرینہ تسلط سے نجات دلانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس نے اپنی بہادری اور سیاست سے نہ صرف پاشا کا خطاب اور گورنری کا منصب ہی حاصل کئے بلکہ ایک مرحلہ پر مصر کا خود مختار بادشاہ بھی بن گیا۔

زیر نظر ناول میں جوہرہ کا کردار، محمد علی اور خسرو پاشا کی رقابت کا حال اور خضرا کا خواب اگرچہ مصنف کے تخیل کی پرواز کا نتیجہ ہیں تاہم حقیقت کے عین مطابق ہیں۔ خضرا ایک ماں ہے اور اس کا خواب اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ ایک سمجھدار ماں اپنے بیٹے کو

اقبال مند لوگوں کی صف میں کھڑا کرنے کے لئے بلند ہمت، بلند خیال، محنتی اور مستقل مزاج بنانے کی خواہشمند ہو تو اپنی اس خواہش کو بآسانی کامیابی سے ہمکنار کرسکتی ہے اور اپنے بیٹے کی راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کرسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس وسیع وعریض دنیا میں ہر شخص کو تھوڑی سی بلند خیالی، ہمت و جرأت اور عقل بخشی ہے لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی جو خارجہ اسباب سے متاثر ہوکر اپنے ارادے بلند، ہمت و جرأت جوان اور عقل کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہوں۔ زیر نظر ناول کا ہیرو محمد علی پاشا خارجہ اسباب سے متاثر ہوتا ہے اور اپنی جواں ہمتی اور سوجھ بوجھ کی بدولت اقبال مند لوگوں کی صف میں شمار ہونے لگتا ہے۔ اس لئے اس کے سوانح حیات اوّل تا آخر انتہائی دلچسپ بھی ہیں اور عبرت آموز بھی۔

قمر تسکین صاحب کا یہ ناول اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ انسان سچی لگن اور جرأت و ہمت سے اقبال مند لوگوں کی صف میں بآسانی شامل ہو سکتا ہے۔

اختر بیگم

تسکین منزل - ۱۲ - لاہور روڈ - لاہور

یکم جون ۱۹۸۶ء

ترتیب

۱

سمندر میں

سمندر کے نظارے ان گنت دلچسپیوں کے حامل ہوتے ہیں۔

سمندر کا وہ منظر انسان کی رُوح کو مسرت و انبساط بخشتا ہے جب اس کی پرسکون سطح پر چاندنی رقص کر رہی ہو، پانی کی سطح ساکن ہو اور وہ جاہ و جلال کا پیکر اس کے نیچے بل کھا کر میٹھی نیند کے مزے لے رہا ہو اور پانی کی نرم رو لہریں چپ چاپ ساحل کے قریب ریت کے تودوں سے آنکھ مچولی کھیل رہی ہوں۔

سمندر کی عظمت کا وہ نظارہ بھی کس قدر فریب سے بھرپور ہوتا ہے۔ جب اس کی چوڑی چکلی چھاتی پر ہلکے پھلکے اور قوی ہیکل جہاز رواں دواں ہوں اور اس کی سرکش موجیں انہیں یوں ہچکولے دے رہی ہوں جیسے یہ بھی بچوں کا کوئی کھیل ہے جس میں وہ کاغذ کی ناؤ کو تھوڑے سے پانی میں اِدھر سے اُدھر لڑھکاتے رہتے ہیں اور اس کاغذی ناؤ کے ناچ پر خوشی سے تالیاں پیٹنے لگتے ہیں۔

سمندر کا وہ منظر بھی انتہائی حسین ہوتا ہے جب نسیم سحر اٹھکیلیاں کرتی ہوئی سرخ بادبانوں والی کشتیوں کو نقل و حرکت میں مصروف رکھتی ہے اور شکاری اپنی مرضی سے اپنے آپ کو سمندر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ پانی کی مخلوق کو انسانوں کے کام و دہن کی تواضع کے لئے پیش کر سکیں۔

سمندر کا وہ منظر بھی کس قدر خوفناک دکھائی دیتا ہے۔ جب تا حدِّ نگاہ خاموشی اور تاریکی کا دور دورہ ہو اور ستاروں کی سرد روشنی پانی کی سطح کو چوم رہی ہو۔ آسمان سے چاند جھانک رہا ہو۔ چاندنی سطح سمندر پہ اُترنے کے لئے بے تاب ہو اور بڑی بڑی مناسب موقع سمجھ کر اس ہلکی ہلکی تاریکی میں اپنی کمین گاہوں سے نکل آئیں، چپ چاپ بلند و بالا

ساحلی چٹانوں کے سایہ میں چلتے رہیں تاکہ جیسے ہی راہ میں کوئی شکاری ملے اس سے شکار سمجھیالیں۔ اگر کسی تجارتی کشتی پر نظر پڑجائے تو ایک ایک قزاق چیتے کا روپ دھار لے اور وہ بالکل چیتوں کی مانند چپ چاپ کشتی پر حملہ آور ہوں اور ملاحوں کے سنہرے خوابوں کا سلسلہ حشر تک دراز کردیں۔ ملاحوں کو مذبوح بھیڑوں کی قطار میں ڈال کر جنگ وجدل کئے بغیر کشتی مال و دولت سمیت اپنے قبضہ میں کرلیں اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو۔

سمندر فراخ دل اور بلند حوصلہ ہے۔ ان گنت صدیوں سے اس کی چھاتی پر اس کی نظروں کے سامنے لاکھوں، کروڑوں رُوح فرسا واقعات رونما ہوئے لیکن اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ ضبط کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ گو اس کی لاکھوں راتیں انسان کے بہیمانہ اور وحشیانہ ظلم وستم کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے گزری ہیں اور وہ انسانی تصویر کے اس گھناؤنے رُخ کو دیکھ کر رات رات بھر انتہائی بے چینی میں مبتلا رہا ہے لیکن جیسے ہی اس قسم کی کوئی خون آلود رات گذری ہے اور آفتاب نے آسمان سے اپنی آمد کا اعلان کیا ہے۔ اپنی شعاعوں کو اس کی سطح پر نامہ و پیام کے لئے بھیجا ہے۔ اس کی بے چینی اور اس کے خوف نے دم توڑ دیا ہے۔ اس کے ماتھے کی شکنیں غائب ہوگئی ہیں اور اس کے چہرے پر اطمینان کے جذبات اُبھر آئے ہیں۔ جیسے اس کی نگاہوں کے سامنے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

سمندر کا دہ منظر بھی انسان کو حیرت زدہ کردیتا ہے۔ جب اُس نے خاموشی سادھ رکھی ہو اور اس کے چہرے سے رعب و داب ظاہر ہو رہا ہو اور اس کی سطح میں جھانکنے سے ایک دوسرا آسمان نگاہوں میں گھوم جائے لیکن نہیں ـــــ سمندر کے حسن میں اس وقت تو اور بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ جب وہ غصہ میں پیچ وتاب کھاتا ہوا، جھاگ کو دور دور تک اڑاتا ہوا، اپنی راہ کی ہر شئے کو خس وخاشاک کی طرح بہاتا ہوا اپنی تمام طاقت کو کام میں لاکر آگے ہی آگے بڑھتا آرہا ہو اور اس کے غل غپاڑے میں بادل کی گرج اور بجلی کی چمک بھی دو سچے محبت بھرے دلوں کی ہلکی سی سرگوشی سے زیادہ وقعت نہ رکھتی ہو۔ زلزلوں اور خوفناک آندھیوں کا جوش وخروش بھی کسی مرد بیمار کی سرد آہ سے زیادہ حیثیت نہ

رکھتا ہو۔ سمندر غصّہ کے عالم میں عریاں ہو کر ناچ رہا ہو اور اس کی سرکش موجیں ساحل کی بلند و بالا چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دینے کا عزم رکھتی ہوں۔ جھاگ اڑا اڑ کر فضا میں دُور دُور تک چکر لگا رہا ہو اور موجوں کا شور پکار پکار کر سمندر کے تند و غضب کا اعلان کر رہا ہو۔ سمندر جو طاقت کا دیوتا ہے جسے نہ تبدیل کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کے سامنے اس کا سر جھکایا جا سکتا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اس کے سر خدا کی زمین پر بے شمار علوم و فنون کی ایجاد کا سہرا ہے۔ اس نے زمین کا سینہ کھود کر اپنی ضروریات کی چیزیں نکالی ہیں۔ وہ ایسے آلات کا موجد ہے جو پہاڑوں کو وادیوں سے بدل دیتے ہیں اور وادیوں کو پہاڑ بنا دیتے ہیں۔ انسان نے معدنیات کے حصول کی خاطر پہاڑوں کو سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا ہے لیکن یہ اشرف المخلوقات ہر قسم کے کیل کانٹے سے لیس ہونے کے باوجود سمندر کو شکست نہ دے سکا۔ سمندر آج بھی آزاد ہے۔ سمندر ازل سے آزاد ہے اور ابد تک آزاد ہی رہے گا۔ انسان نے زمین کو کافی حد تک اپنا غلام بنا لیا۔ گو زمین حرکت میں رہتی ہے مگر انسان اس کے اسرار و رموز سے بڑی حد تک واقف ہو چکا ہے۔ یہی انسان جب سمندر پر آنکھیں نکالتا ہے تو اس کی مخالفت پر آمادہ ہوتا ہے تو منہ کی کھاتا ہے اور اس کے ہاتھ ناکامی کے سوا کچھ بھی نہیں آتا۔ سمندر اپنی سلطنت کا خود مختار حکمران ہے۔ وہ ہمیشہ سے اپنے حال میں مگن ہے۔ اس کی پسند اپنی پسند ہے۔ اس میں کسی کا دخل نہیں۔ کبھی کبھار وہ پسند کرتا ہے کہ بڑے بڑے جہازوں کو اپنی آغوش میں لے کر تہہ میں اُٹھا بٹھا دے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک دایہ بچّہ کو اپنی آغوش میں اُٹھا لٹا دیتی ہے۔ سمندر کو پسند ہو تو وہ اپنی موجوں کو حکم دیتا ہے کہ عظیم والشان آہنی زرہ پوش جہازوں کو ہوا میں بلند کریں اور دنیا کے دُور دراز گوشے میں پھینک دیں۔ موجیں اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہیں اور انسان کناروں پر کھڑا چیخنے چلانے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

اس روز بھی سمندر مارے غصّہ کے آپے سے باہر ہو رہا تھا اور اس کی بلند و بالا اڑتی ہوئی موجیں جو اپنے سروں پر سفید جھاگ کے تاج پہنے ہوئے تھیں۔

بلند ہو ہو کر آگے بڑھتی ہوئی بوسیفالوس پہاڑی تک آ پہنچیں اور اس کی قوت مدافعت کا امتحان لینے لگیں۔

بوسیفالوس پہاڑی کا سلسلہ خلیج کینستہ میں کافی دُور تک پھیلا ہُوا ہے اور اس سلسلہ ہائے کوہ پر شبہ ہوتا ہے کہ یہ گذرے ہوئے طاقتور بادشاہوں کے بے شمار منہ زور گھوڑوں میں سے ایک بہت ہی اچھا گھوڑا ہے۔ اس وقت بوسیفالوس پہاڑی پر چند مرد اور چند لڑکے کھڑے سمندر کا گہری نظروں سے مشاہدہ کر رہے تھے۔ یہ لوگ کسی سنگین معاملہ پر بات چیت میں مصروف تھے لیکن سرکش موجوں کے تھپیڑوں کی آواز اور پہاڑی کنارے کے پتھروں اور پانی کی کش مکش نے ان کی باہمی گفتگو کو ناکام بنا رکھا تھا۔ کسی ایک کو دوسرے کی آواز اور سنائی نہیں دیتی تھی۔ مردوں کے ماتھوں کی سلوٹیں ان کی ناراضی کا اظہار کر رہی تھیں اور لڑکوں کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ سبھی حیران و پریشان اور سہمے سہمے سے تھے۔ ڈر، خوف، پریشانی اور حیرت نے ان پر قبضہ جما رکھا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ لوگ کسی بڑے حادثہ کے رونما ہونے یا سمندر کے کسی خلافِ توقع المیّہ کے ظہور پذیر ہونے کے بڑی شدت سے منتظر ہیں مگر سمندر کو بالکل پتہ نہیں کہ ان لوگوں کے دلوں کا کیا حال ہے۔ اس کی کھلنڈری موجیں قطار اندر قطار پہاڑی کی چوٹیوں کو چومتی اور سب لوگوں کو جھاگ کے چھینٹوں سے تر کر رہی تھیں لیکن لوگ اس سے قطعی متاثر نہیں ہو رہے تھے۔ وہ پوری محویت کے عالم میں پانی پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت کے منتظر ہیں جب بے پرواہ ضدی اور طاقتور سمندر غصہ تھوک کر نرم دلی سے کام لے گا اور اس کے غیظ و غضب کی آگ سرد پڑ جائے گی۔ لوگ لاچاری اور بے بسی کی منہ بولتی تصویر بنے کھڑے تھے اور صبر کے ساتھ سمندر کی آہستہ روی کے منتظر تھے۔ اچانک سمندر نے گویا ان کے دلوں میں جھانک لیا اور کچھ وقت کے لئے اپنے غیظ و غضب کو اٹھا کر الگ رکھ دیا اب سمندر پُرسکون تھا۔ عجیب سی خاموشی نے ہر طرف اپنا قبضہ جما لیا اور اس خاموشی میں لوگوں کو ایک دوسرے سے گفتگو کا موقع مل گیا۔

ایک شخص نے دونوں ہاتھ بلند کر کے انتہائی حسرت بھرے لہجہ میں کہا۔

"ہائے افسوس اب اس کے واپس آنے کی کوئی امید نہیں رہی۔"

دوسرا بولا ۔" میرا بھی خیال ہے کہ ...."

تیسرے شخص نے دوسرے کی بات کاٹ کر اپنے آس پاس کھڑے لڑکوں کو مخاطب کیا۔ لڑکوں نے چادروں کو اپنے جسم سے کس کر لپیٹ رکھا تھا اور چہروں کو ٹوپیوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔ لڑکے متوجہ ہوئے تو تیسرا شخص بولا۔

"شیطان کے بچو! یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ اس کی مکمل ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے اور تم سب سزا کے مستحق ہو۔"

چوتھے شخص نے بلند آواز سے تہدید آمیز انداز میں کہا۔

"یقیناً تم نے اُسے مجبور کیا ہوگا ــــ کہ وہ اپنی جان کی بازی لگا دے" ــــ ماحول پر خاموشی طاری ہوگئی۔

پھر ایک لڑکا ندامت بھرے لہجہ میں سر جھکا کر بولا:

"صاحب، ہم سب بے قصور ہیں۔ وہ خود ہی اپنی جان خطرہ میں ڈالنے پر آمادہ ہوا تھا اور ہم اس کے ارادہ میں حائل نہیں ہو سکتے تھے۔"

اس لڑکے کے ان الفاظ سے دوسرے لڑکوں کی جان میں جان آئی اور ایک دوسرے لڑکے نے ہمت کرکے کہا۔

"جناب میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ محمد علی انتہائی مغرور، ضدی اور سرکش ہے۔ اس کا خیال ہے کہ وہ ہم سب میں سب سے طاقت ور اور ہوشیار ہے۔ ہم سب اس فیصلہ پر متفق تھے کہ ہم اس زبردست آندھی اور سردی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جانا چاہیے لیکن اس نے ہمارے فیصلہ سے اختلاف کیا اور ہمیں بزدلی اور کم ہمتی کے طعنے دیئے۔"

چوتھا شخص دوبارہ بولا:

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آپس میں شرط باندھی اور اسے اپنے مذاق کا اس قدر نشانہ بنایا کہ وہ مجبوراً سمندر میں اتر پڑا۔"

ایک لڑکا بولا ۔

"میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ محمد علی حد سے زیادہ مغرور، خود پسند اور سرکش ہے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ہماری کوئی بات سُنے اور پھر اسے مانے۔ وہ ہمیں نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ ہمیں حقیر سمجھتا ہے اور اپنے خیال میں خود کو ہمارا لیڈر سمجھے ہوتے ہے۔ اُسے اپنی یہ خود پسندی اور تکبّر کسی روز بڑا مہنگا پڑے گا۔ دیکھے نا اگر......"

ابھی لڑکے نے اپنا فقرہ مکمل نہ کیا تھا کہ اچانک سمندر دوبارہ جوش و خروش میں آگیا اور اس کی طوفانی لہروں نے سر اٹھا کر از سر نو چاند ماری شروع کر دی۔ اس مرتبہ طوفان پہلے سے بھی شدید تھا۔ جھاگ نے بلند ہو ہو کر پہاڑی کی سب سے اونچی چوٹی کو چھونا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بار سمندر مصمم ارادہ کر چکا ہے کہ قوالہ کے باشندوں کو اپنی عظیم قوت سے پوری طرح آگاہ کر دے۔ قوالہ بوسیفاوس پہاڑی کے دامن میں واقع ایک چھوٹی سی بستی تھی جو کچھ معمولی سے مکانوں اور چند چھوٹی سی تنگ گلیوں پر مشتمل تھی۔ اس بستی کی واحد حسین چیز ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد تھی جو پہاڑی کی ایک چٹان پر بنی ہوئی تھی۔

بوسیفاس پہاڑی کی چوٹی پر ایک عورت نظر آتی تھی جو اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے دعا مانگنے میں مصروف تھی۔ اس کا سپید نقاب اُٹھا ہُوا تھا اور اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر فکر و تردّد کے آثار رقصاں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پردہ کی فکر سے آزاد ہو چکی تھی۔ دراصل وہ پردہ کے بارے میں کچھ زیادہ محتاط بھی معلوم نہ ہوتی تھی کیونکہ اس کا سہاگ لٹ چکا تھا۔ اسے نہ تو اب کسی کا ڈر تھا نہ اسے اپنے خاوند کے جذبات و احساسات کا فکر رہا تھا۔ جو اپنی محبّت اور عزّت کی خاطر پردہ کی پابندی پر زور دیتا تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اسے کسی کے احکام کی پروا نہ تھی اور نہ وہ لوگوں کی چہ مے گوئیوں ہی سے خوفزدہ تھی۔ اسے اس وسیع و عریض دنیا میں اپنے اکلوتے فرزند محمد علی کے سوا کسی شئے سے دلچسپی نہ تھی۔ محمد علی اس کا واحد بیٹا تھا جس کی خاطر وہ اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار تھی۔

آج محمد علی اپنے ہمجولیوں کے ساتھ ساحل پر آیا اور وہ سب جزیرہ ایمبرو کی سیر و سیاحت کے ارادے سے ایک چھوٹی سی کشتی پر سوار ہو گئے۔ کشتی نے ابھی ساحل کو چھوڑا ہی تھا کہ محمد علی کے ہمجولی سمندر کے طوفان کی آمد سے باخبر ہو گئے۔ وہ خوف زدہ ہو کر محمد علی سے مخاطب ہوئے۔

"محمد علی! طوفان کی آمد آمد ہے ہمیں جزیرہ کی سیر کے ارادے کو ملتوی کر دینا چاہیئے۔"

محمد علی نے انہیں نفرت سے دیکھا اور کہا۔

"میں جزیرہ ایمبرو جانے کا ارادہ باندھ چکا ہوں اور میں جو ارادہ کرتا ہوں اسے ضرور عملی جامہ پہناتا ہوں۔ تم مجھے کئی بار مذاق کا نشانہ بنا چکے ہو کیونکہ تمہارا خیال ہے کہ میں تمہاری طرح خوش اسلوبی سے ایک اچھے ملاح کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔ آج تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ میں طوفان کی بالکل پروا نہ کروں گا اور اسی حالت میں خلیج کو عبور کر جاؤں گا۔ میں تمہارے آندھی اور سردی کے اندیشوں پر قہقہے بلند کرتا ہوا جزیرہ ایمبرو پہنچ کر دم لوں گا۔"

اس کے ہمجولیوں نے یہ سنا تو خاموش ہو گئے۔ محمد علی چھلانگ لگا کر کشتی میں جا بیٹھا اور چپو چلاتا ہوا جلد ہی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اسے موجوں کے تھپیڑے دھکیل کر دُور لے گئے۔ اس کے ہمجولیوں کو یقین ہو گیا کہ محمد علی طوفان میں گھِر کر موت کے گھاٹ اُتر چکا ہے۔ دوستوں نے اس کی موت کا اعلان کر دیا۔ سب سے پہلے وہ اس کی لاچار و بے بس اور نادار ماں کے پاس آئے اور رو دیئے۔

"ہم محمد علی کو روکتے رہے۔ سمجھاتے رہے اور قسمیں کھا کھا کر گھر لوٹنے پر اصرار کرتے رہے۔ لیکن اس نے ہمارا کہا نہ مانا وہ اپنی ضد پر قائم رہا۔"

محمد علی کی ماں خضرہ نے اپنے فرزند کا حال سنا تو فوراً پہاڑی کی چوٹی پر جا کر دم لیا۔ جیسے ہی اس کی نظر طوفانی لہروں پر پڑی۔ وہ خوفزدہ ہو کر سربسجود ہو گئی۔ پھر دو زانو ہو بیٹھی اور اپنا آنچل پھیلا کر دعائیں مانگنے لگی۔

اُس نے سمندر کو ان گنت قسمیں دیں اور رو رو کر خداوند کریم کے حضور کہا :

"پاک پروردگار مجھ غریب بیوہ پر اپنا رحم وکرم فرما۔ میری عمر بھر کی کمائی میرے بچے کو طوفان کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھ۔ میرے لاڈلے، میرے جگر کے ٹکڑے کو ہر خطرہ سے بچا کر میری گود میں لا بٹھا۔"

اولاد کو ماں سے زیادہ کوئی نہیں چاہ سکتا۔ ماں کی مامتا کے افسانوں سے ہر شخص بخوبی واقف ہے۔ ماں اپنی اولاد کی سلامتی کے لیے دست بدعا ہو تو اس کی خلوص دلی میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ ماں رو رو کر اپنے جگر کے ٹکڑے کو موت کے پھندے سے بچانے کے لئے دعا کرے تو قدرت اس دعا کو شرف قبول بخشتی ہے اور ہر مصیبت سر سے ٹل جاتی ہے۔ اگر کسی ایسی جگہ سے رحمت کے فرشتے گذر رہے ہوں تو وہ صرف آنسو بہلائے بغیر ہی نہیں رہتے بلکہ انہیں ایسے بدنصیب کی تمناؤں کو کامرانی سے ہمکنار کرنے کا وسیلہ بننے سے بھی عار نہیں ہوتا۔ شاید اس لمحہ خضرہ کے سر سے بھی کوئی رحمت کا فرشتہ گذرا جس کے آنسوؤں کا کوئی قطرہ سمندر کی سرکش موجوں سے شیر و شکر ہو گیا اور سمندر کے طوفان نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اب آندھی رک گئی۔ ہولے ہولے سمندر کی سطح پرسکون ہو گئی اور سرکش موجیں نرم نرم لہروں کا چوغہ پہن کر ساحل سے پیار بھرے راز و نیاز میں مصروف ہو گئیں۔ اس سے آسمان کی فضا بھی متاثر ہوئی۔ بادل چھٹ گئے اور ان بادلوں کے عقب سے آفتاب کی روپہلی کرنوں نے جھانک کر سمندر کو صلح کا پیغام دیا۔ پھر فوراً ہی اس کی سطح پر ناچ ناچ کر اس کے غصہ کی آگ کو سرد کرنا شروع کر دیا۔

اچانک پہاڑی کی چوٹی سے ایک آواز بلند ہوئی جو سمندر کے کنارے کھڑے لوگوں کے ہجوم نے سنی اور مسرت کے نعروں میں چلا کر جواب دیا۔ اب ہجوم کی نظریں جزیرہ پر جمی ہوئی تھیں اور لوگ ہاتھ اٹھا اٹھا کر جزیرہ کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ سرکش موجوں نے اب سے قبل اس جگہ کو نظروں سے اوجھل کر رکھا تھا لیکن اب طوفان ختم ہونے کی وجہ سے وہ جگہ نگاہوں کے سامنے آ گئی اور اس میں ایک سیاہ دھبہ دکھائی دینے لگا جو کبھی چھوٹا سا نظر آتا تھا اور کبھی بڑا ہو جاتا تھا۔ یہ دھبہ سورج کی شعاعوں میں کسی منچلے عاشق کی

طرح ناچتا ہوا ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے اس دھبّے کو دیکھا تو ایک بار پھر خوشی کے نعرے لگائے اور سب سمجھ گئے کہ سیاہ دھبّہ دراصل محمد علی کی کشتی کے سوا دوسری کوئی شے نہیں۔ اب وہ بے تابی سے کشتی کے منتظر تھے۔ غم زدہ ماں کی بے قراری کی تو کوئی حد ہی نہ تھی۔ وہ جلد سے جلد دھبّے کے راز سے واقف ہونا چاہتی تھی۔ اس نے لوگوں کے مسرّت بھرے نعرے سنے تو قدرے مطمئن ہوئی اور سوچا کہ یقیناً یہ میرے لال محمد علی ہی کی کشتی ہے۔ وہ فوراً ساحل کی طرف دوڑی اور بڑی کوششوں سے قدم قدم پر گر گر کر سنبھلتی ہوئی لوگوں کے قریب پہنچی اور بے ہوش ہو گئی — قوالہ کی بستی میں یہ خبر گھر گھر پہنچ چکی تھی اور بستی کی عورتیں محمد علی کے اس بہادرانہ کارنامے کو سُن چکی تھیں۔ اس لئے خضرہ کی ہمدردی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کے لئے جوق در جوق سمندر کے ساحل پر پہنچ چکی تھیں۔ انہوں نے خضرہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے اور جب وہ ہوش میں آ گئی تو اسے تسلّی و تشفی دے کر بولیں:

" خدا کا شکر کرو بہن! وہ رحیم و کریم ہے اس نے تمہارے فرزند پر مہربانی کی ہے اور اُسے موت کے منہ سے بچا لیا ہے۔ جنّات اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے اور نیکی کے فرشتہ نے اسے اپنی امان میں لے لیا۔"

عورتوں نے اس قسم کی باتیں کیں اور خضرہ کو مطمئن کر کے اس کی جھونپڑی میں لے آئیں۔

کشتی لہروں سے سر ٹکراتی اور انہیں شکست دے کر پیچھے چھوڑتی ہوئی ساحل کے قریب ہونے لگی۔ اس میں بیٹھا ہوا ایک لڑکا چپّو چلا رہا تھا۔ لڑکا تنہا تھا۔ اس کا کوئی مددگار نہ تھا۔ جو اسے کشتی کھینے میں مدد دیتا لیکن لڑکے کو اپنی کس مپرسی اور تنہائی کا کوئی خیال نہ تھا۔ وہ موجوں کی قوت سے بھی متاثر نہ تھا۔ اس وقت وہ اپنی بہترین کوششوں میں مصروف تھا کہ کسی طرح کنارے پر پہنچے۔ وہ ساحل سے کچھ فاصلہ پر پہنچا۔ تو لوگوں نے کشتی کی طرف رسّے پھینکے اور اظہار مسرّت کے لئے بلند آواز میں اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگے۔ لڑکے کے نصیب نے یاوری کی اور ایک صحت مند شخص کا

رسّہ اس تک جا پہنچا۔ لڑکے نے انتہائی چستی اور ہوشیاری کا ثبوت دیا۔ اُس نے فوراً ہاتھ بڑھا کر رسّے کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اسے مضبوطی سے کشتی کے ساتھ باندھ دیا۔ لوگوں نے رسّے کو اپنی طرف کھینچ لیا اور رسّی کے ساتھ ہی کشتی بھی کھنچتی چلی آئی۔ کشتی کنارے پر پہنچی تو لڑکا چھلانگ لگا کر کنارے پر آگیا اور بڑے اطمینان سے ہجوم پر نظریں جما کر کھڑا رہا۔ اس کی آنکھیں، اس کی بہادری اور شجاعت پر گواہی دے رہی تھیں اور اس کی پیشانی کا نور اس کی دانائی کا کھلا ثبوت مہیّا کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ اعلان کر رہا تھا کہ اسے خطرات کو خوش آمدید کہنے کی عادت ہے۔ اس نے مردوں کو مسکرا کر دیکھا پھر فوراً ہی لڑکوں کی طرف رُخ کر کے حاکمانہ لب و لہجہ میں ان سے مخاطب ہوا۔

"دوستو! مجھے فتح نصیب ہوئی۔ میں بازی جیت گیا۔ میں ایسا ثبوت لایا ہوں جسے دیکھ کر تم میری جیت کا اعتراف کرو گے۔ یہ دیکھو یہ رہا وہ خنجر جسے ابراہیم نے کل جزیرہ میں چھوڑا تھا"

یہ کہہ کر اس نے اپنی بھیگی ہوئی جیب میں ہاتھ ڈالا اور خنجر کو نکال کر سب کے روبرو رکھ دیا۔ پھر بولا۔

"تمام لوگ اس بات کے گواہ ہیں کہ میں جیت گیا ہوں۔ اب تمہارا فرض ہے کہ تم ان تمام شرائط کو پورا کرو جو ہمارے مابین طے ہوئی تھیں۔ تم سب لڑکے ہفتہ میں دو بار اپنے اپنے باغ کے صاف ستھرے لذیذ پھل میرے گھر پہنچا کرو اور جب کبھی شکار پر جاؤ مجھے اپنا سردار تسلیم کرو اور میرے ماتحت رہو"

محمد علی کے اندازِ گفتگو سے احساسِ برتری کی بُو آرہی تھی اور دس برس سے بھی کم عمر لڑکے میں اس احساس کی موجودگی سب کو حیران کر دینے کے لئے کافی تھی۔ ابھی محمد علی اپنی گفتگو کو مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ محمد علی کا چچا آغا طوسون نامی لوگوں کو ہٹاتا ہُوا رستہ بنا کر آگے آیا اور بولا:

"تم نے جان جوکھوں میں کیوں ڈالی اور موت کے منہ میں کیوں گئے؟ اس کی وجہ اب معلوم ہوئی ہے تم نے خواہ مخواہ اپنی ماں اور ہم سب کو پریشان کیا۔ سر پھرے لڑکے!

خدا تیرے مزاج میں تبدیلی پیدا کرے اور تجھے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی توفیق بخشے۔"
محمد علی نے کہا:

"پیارے چچا! میں ناعاقبت اندیش نہیں ہوں۔ مجھے اپنے اچھے بُرے کی خوب پہچان ہے دراصل یہ لڑکے مجھے کمتر خیال کرتے ہوئے کہتے تھے کہ میں ان کے مقابلہ میں کمزور ہوں۔ اس لئے نہ تو ان کی طرح کوئی کام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں اور نہ ان کے مقابلے میں کشتی چلانے ہی کے فن سے آگاہ ہوں۔ مجھے ان کی باتیں سُن کر غصہ آیا۔ میں نے انہیں للکار کر شرط باندھی اور اپنی جان خطرہ میں ڈال کر بازی جیت لی۔ اب میں شرط کے مطابق ان کا سردار ہوں جس کے ہر حکم کی تعمیل ان کا فرض ہے۔ آپ سب لوگ گواہ رہیں میرا دعوےٰ یہ ہے کہ قوالہ کے سب لڑکے میرے محکوم ہیں کسی لڑکے کو اس سے انکار ہو تو میرے سامنے آئے۔"

لوگوں کو محمد علی کی بارعب گفتگو سے حیرت ہو رہی تھی اور وہ اس کی بہادری پر مسرت کا اظہار کر رہے تھے کیونکہ وہ چھوٹا سا ایک لڑکا ہونے کے باوجود حاکمانہ لب و لہجہ اختیار کئے ہوئے تھا۔ وہ لوگوں سے یوں مخاطب تھا جیسے وہ اس کی رعایا ہی تو ہیں۔ اس کا اندازِ گفتگو مدلل تھا اور اس کے ایک ایک فقرے سے جوش و خروش کا اظہار ہو رہا تھا۔

لوگ اس کی باتوں سے بڑے متاثر ہوئے اور بولے کہ یہ لڑکا ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے بمصداق مستقبل میں بڑا نام پیدا کرے گا۔ دولت اور عزت اس کی لونڈیاں ہوں گی۔ خدا اس پر مہربان ہے۔ آج جس خدا نے اس کی حفاظت کی ہے آئندہ بھی وہی اس کی دستگیری کرے گا۔ اسے مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے محفوظ رکھے گا اور یہ لڑکا ایک روز واقعی بڑا آدمی بن جائے گا۔

پھر طوسون آغا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ محمد علی کا ہاتھ پکڑ کر لے چلے اور ماں کی خدمت میں پیش کرے۔ محمد علی نے فوراً اپنے ہاتھ کو پیچھے سرکا لیا اور بولا۔

"پیارے چچا! میں سہارے کا محتاج نہیں ہوں۔ مجھے اپنے آپ پر بھروسہ ہے۔ میں کسی کی مدد کے بغیر بھی اپنی منزل پر پہنچ سکتا ہوں۔ آپ میرے آگے آگے چلیں۔ میں آپ کے نقشِ قدم پر چلا آرہا ہوں۔"

طوسون آغا نے یہ سنا تو آگے آگے چلنے لگا۔ محمد علی نے جیسے ہی اپنا رُخ بدل کر قدم اٹھائے۔ لڑکے اس کے ہاتھوں سے بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر چلا اٹھے۔

"دیکھنا! دیکھنا! محمد علی کے ہاتھوں سے خون بہہ رہا ہے۔"

طوسون آغا نے یہ سنا تو فوراً پلٹ کر محمد علی کے قریب پہنچا اور اُس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ محمد علی کے ہاتھوں سے کھال جُدا ہو گئی ہے اور خون بہہ بہہ کر نیچے گر رہا ہے۔

محمد علی اپنی تکلیف سے بے پروا ہو کر بڑے اطمینان سے بولا۔

"چچا جان! یہ معمولی بات ہے دراصل مجھے چپو کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف تھا۔ اس لئے میں نے اپنی پوری قوت سے چپو اپنی مضبوط گرفت میں لے رکھا تھا۔ کافی دیر بعد جب چپو رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور میں نے اپنے ہاتھ کو چپو سے الگ کرنا چاہا تو مجھے معلوم ہو کہ چپو میرے ہاتھوں سے بُری طرح چمٹا ہوا ہے۔ چپو کو ہاتھ سے الگ کرنا بھی ضروری تھا اس لئے جب میں نے ہاتھ کو الگ کرنے کی کوشش کی تو کھال چپو سے چمٹ کر رہ گئی اور میرے چھڑانے سے بھی نہ چھٹی۔

محمد علی کی اس دلیرانہ گفتگو کو سب لوگوں نے بغور سنا اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

پھر ایک شخص بولا:

"گو محمد علی کی عمر بصد مشکل دس برس کی ہو گی لیکن یہ ابھی سے ایک مضبوط اور دلیر سپاہی ہے۔"

"میں اس کی تائید کرتا ہوں۔" ایک اور شخص نے کہا۔

پھر سب لوگوں نے اس کی تائید کی اور محمد علی کے لئے راستہ چھوڑ دیا گیا۔ اب محمد علی آگے آگے جا رہا تھا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

❁

(۲)

ماں کا خواب

●

خصرہ نے ہوش میں آکر جیسے ہی آنکھ کھولی اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر جانے کے لئے تیار ہوگئی۔ ابھی وہ دروازے کے قریب ہی پہنچی تھی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی پھر فوراً ہی دروازہ کھلا اور طوسون آغا محمد علی کے ہمراہ اندر آکر بولا:

"لو یہ رہا تمہارا بیٹا! میں اسے لے آیا ہوں۔ اسے نصیحت کی ضرورت ہے۔ اس کی خاطر جو صدمہ پہنچا ہے اس کی تفصیل اُسے ضرور سنانا۔"

خصرہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے اس کی زبان نہ کھُل سکی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور بیٹے کو سینہ سے چمٹا کر اس کے سر کو چومنے لگی۔ پھر کمرہ میں خصرہ کی سرد آہ اُبھری تو طوسون آغا کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ اس نے اپنے آنسو اپنی آستین سے خشک کئے اور پھر یہ کہتے ہوئے باہر کی طرف قدم اٹھائے کہ اس وقت دونوں کو تنہائی کی ضرورت ہے اور میں جانتا ہوں کہ ماں بیٹے کی گفتگو خدا کے علاوہ کسی دوسرے کو ہرگز نہیں سننی چاہیئے۔ یہ کہہ کر طوسون آغا کمرے سے باہر آگیا اور اپنے گھر پہنچ کر اطمینان سے جال بننے لگا۔

محمد علی نے ماں کو اس بُری حالت میں دیکھا تو اس کے بلند بانگ دعوے اور رعب و داب سب ہوا ہو گئے اور وہ ماں کے روبرو جھک کر اس کے ہاتھ چومنے لگا۔ پھر اُس نے آہستہ آہستہ کہا۔

"ماں! میری وجہ سے آپ کو جو رنج پہنچا ہے میں اُس کی معافی چاہتا ہوں۔ میں وہ کام کرنے پر مجبور تھا جس سے آپ کو پریشانی ہوئی ہے۔ دراصل میری برداشت سے باہر تھا کہ میرے ساتھی مجھے جھٹلائیں۔ مجھ پر قہقہے لگائیں اور میری طرف حقارت کی نگاہ سے دیکھیں۔"

خفرہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھنڈ گئی اور بولی۔

" وہ تجھے حقارت کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ہیں۔ تو ان سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔ ماہی گیری اور شکار میں ان سے زیادہ ہوشیار ہے گو ان کی عمر تجھ سے زیادہ ہے لیکن تو ان سے زیادہ طاقتور ہے۔"

محمد علی نے ماں کی باتیں سنیں تو گہری سوچ میں ڈوب کر سر ہلایا۔ اور کھڑے ہو کر بولا:

" ماں! ابھی تو میں تمہاری بتائی ہوئی صفات کا حامل نہیں ہوں لیکن مجھے اُمید ہے کہ جلد ہی یہ تمام صفات مجھ میں پیدا ہو جائیں گی۔ مجھے یقیناً ایک روز ایسے مرد کی صورت میں سامنے آنا ہے کہ یہ لڑکے مجھے یوں دیکھیں گے جیسے رعایا اپنے حکمران کو دیکھتی ہے۔ آج کا واقعہ اس لئے ظہور پذیر ہوا کہ ہمارے مابین شرط طے ہو گئی تھی اور میں اس شرط کو تمہاری خاطر جیتنا چاہتا تھا۔ مجھے خوشی ہے کہ خداوند کریم نے مجھے فتح نصیب کی۔"

خفرہ نے حیران ہو کر کہا:

" بیٹا! تم نے میرے لئے شرط کیوں باندھی؟ آخر تمہاری جیت نے مجھے کون سا فائدہ پہنچایا؟"

محمد علی بولا:

" ماں! اب ہفتے میں دوبارہ یہ لڑکے اپنے اپنے باغوں سے اچھے اچھے پھل اور عمدہ عمدہ انگور لائیں گے اور تمہیں پیش کیا کریں گے۔ ماں میرے اس فعل کا محرک تمہارے لئے سامان مسرت فراہم کرنے کی ایک کوشش تھی کیونکہ میں وہ دن اب تک نہیں بھول سکا جب ہم دونوں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے اور تم نے ایک سرد آہ بھر کر کہا تھا کہ افسوس آج ہم ذلیل و خوار ہیں۔ ہمارے پاس ایک معمولی سی جھونپڑی کے سوا کچھ بھی نہیں بچا۔ ہمارے تمام باغات اور ہماری ساری زمین، دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے۔ تم تو یہ کہہ کر خاموش ہو گئی تھیں لیکن تمہاری باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا اور میں اس فیصلہ پر پہنچ چکا تھا کہ تم جن چیزوں کو چاہتی ہو انہیں مہیا کروں گا۔ میں آج سے اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے

کی ابتدا کر چکا ہوں۔ خدا مجھے ہمت و استقلال دے تاکہ میں ان تمام چیزوں کو حاصل کر سکوں جو اب ہمارے قبضہ میں نہیں رہیں۔ اللہ پاک مجھے توفیق دے کہ میں اپنی ماں کے گھر کو قوالہ کے تمام گھروں سے بلند و برتر بنا سکوں اپنی ماں کی خدمت کے لئے غلاموں اور کنیزوں کی کثیر تعداد کو جمع کر سکوں اور قوالہ کی پوری آبادی میری ماں کے سامنے اپنا سر جھکانے پر مجبور ہو۔ میری ماں سب کی حاکم ہو اور خدا اور اس کے رسولؐ کے علاوہ کوئی اس سے بلند و برتر نہ ہو۔"

خفرہ نے اپنے بیٹے کی گفتگو سنی تو بڑی حیران ہوئی اور اسے سر سے پاؤں تک بڑے غور سے دیکھنے لگی۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ سب باتیں وہ اس بچہ کی زبانی سُن رہی ہے جو ابھی اپنی عمر کی بارہ منزلیں بھی طے نہیں کر سکا۔ وہ اپنے بیٹے کو دوبارہ غور سے دیکھنے لگی اور بے ساختہ ہولے ہولے الفاظ اس کی زبان سے نکل کر فضا میں تحلیل ہونے لگے۔ وہ کہہ رہی تھی۔ یقیناً میرا بیٹا ایک روز عزت و احترام کا وہی درجہ حاصل کرے گا جو ہاتف مجھے بتا چکا ہے اور کاہنہ نے اس کی تصدیق کی ہے۔

محمد علی نے ماں کی زبان سے نکلے ہوئے چند الفاظ سن لئے تھے اس لئے وہ ماں سے مخاطب ہو کر بولا:

"پیاری اماں! تم کس واقعہ کا ذکر کر رہی ہو۔ ہاتف کون ہے اور کاہنہ کا اس سے کیا تعلق ہے؟"

خفرہ نے جواب دیا۔

بیٹا! تمہیں یہ باتیں بتانے کا موقع نہیں آیا۔"

یہ کہہ کر خفرہ کچھ دیر اپنے خیالات میں کھوئی رہی پھر بولی۔

"میرا خیال ہے، میں تمہیں سارا قصہ سنا دوں تو اچھا ہی ہے۔ خدا کسی کو طاقتور بناتا ہے تو اس کے اس جوہر کو سنوارنے کے سامان بھی پیدا کر دیتا ہے۔ اچھا بیٹے! بیٹھ جاؤ اور پوری دلجمعی اور غور سے میری باتیں سنو۔"

محمد علی نے فوراً ماں کے حکم کی تعمیل کی اور بیٹھ کر اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ

ماں نانف اور کاہنہ کی کہانی اسے سنائے۔ اس کی نگاہیں ماں کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور خضرہ واقعات کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے آنکھیں بند کرکے ماضی میں گھوم رہی تھی۔ کچھ وقت اسی عالم میں گذر گیا۔ پھر خضرہ نے آنکھیں کھول کر محمد علی کو دیکھا اور بولی:

"بارہ برس قبل کا واقعہ ہے گو میں اس وقت جوان تھی لیکن میں اس حد تک نادار تھی کہ مجھے ایک نقاب تک میسر نہ تھا۔ میں بے پردہ گھر سے باہر نکلتی تھی۔ میرا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ میں بے نقاب گھوموں لیکن پیٹ کی آگ مجھے باہر نکلنے پر مجبور کرتی تھی۔ میں اپنی بے پردگی پر آنسو بہاتی رہتی تھی۔ شہر کے لوگوں کو بھی میری ناداری اور مفلسی پر رحم آتا تھا اور وہ میری جوانی کو دیکھ کر متعجب ہوتے تھے۔ ایک روز اتفاقاً پولیس کے ایک سارجنٹ ابراہیم آغا نے مجھے دیکھا اور میری خوبصورتی سے متاثر ہوکر میرے ساتھ شادی کرلی۔ اب مجھے آرام و آسائش کی تمام چیزیں میسر تھیں۔ بیٹے! تمہارے والد کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے مجھے نقاب اوڑھا دیا اور خود قسم کھائی کہ میری موجودگی میں دوسری شادی کا نام تک نہ لیں گے۔ وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ میں ان کے دل کی حکمران ہوں۔ اس لئے اب کوئی دوسرا ان کے دل میں جگہ نہیں پا سکتا۔ میں ان کی زبانی یہ سب کچھ سن کر اس قدر خوش ہوتی تھی کہ میری اس کیفیت کو الفاظ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ میں اپنے آپ کو تمہارے والد کے ہمراہ مسرت کی انتہائی بلندیوں پر پاتی تھی، مگر تمہارے والد کا شمار مالدار لوگوں میں نہ ہوتا تھا اور نہ اُسے اپنی تنخواہ کے علاوہ کہیں سے مالی مدد ہی ملتی تھی مگر ہمیں مالی دشواری کبھی پیش نہ آئی تھی۔ تنخواہ میں ہماری تمام ضروریات پوری ہو جاتی تھیں بلکہ کچھ اور روپیہ بچ بھی رہتا تھا۔ میاں بیوی میں اتحاد ہو تو فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے اور مفلسی کا کہیں دور دور بھی پتہ نہیں چلتا۔ ہمارا وقت بڑے مزے میں گذرتا رہا۔ حتٰے کہ ایک سال کا پُر مسرت زمانہ گذر گیا اور خداوند کریم نے ہماری مسرتوں کو دوبالا کرنے کے لئے تمہاری آمد سے مطلع کیا۔ میرا خیال تھا کہ قسمت کا ستارہ برج حمل ہے اور،

میں اقبال مندی کا نشان ہوں لیکن میرا یہ خیال غلط تھا۔ میں تمہارے والد کے سرکاری فرائض سے خوفزدہ رہتی تھی۔ خصوصاً جب سے میں نے سنا تھا کہ اس جزیرہ میں ڈاکوؤں کا ایک جتھہ آگیا ہے۔ میرے خوف و دہشت کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ ڈاکو اکثر اپنی کارروائیوں میں مصروف رہتے تھے اور میں ان سے ڈرتی رہتی تھی کیونکہ مجھے پتہ تھا کہ تمہارے والد اپنے سپاہیوں کی معیت میں ڈاکوؤں کا تعاقب کرتے رہتے ہیں۔ ویران جنگلوں اور ان کے خطرناک مسکنوں تک ہو آتے ہیں اور دن رات اسی کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ ان کا قلع قمع کر کے دم لیں۔ میں ہر وقت تمہارے والد کی سلامتی کے لیئے دعا کرتی رہتی تھی اور دل ڈاکوؤں کے خوف سے کانپتا رہتا تھا۔ ایک روز میں اپنے آوارہ خیالات کے سمندر میں غوطہ زن تھی اور کھانا پکانے میں مصروف تھی کہ مجھے اپنے گھر کے قریب بہت سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر مختلف آوازیں فضا میں اُبھرنے لگیں۔ میں گھبرا گئی۔ میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ قریب تھا کہ میں بے ہوش کر اوندھے منہ زمین پر آ رہوں لیکن میں نے اپنے آپ پر قابو پالیا اور میں سنبھل کر حالات کا مقابلہ کرنے کے لیئے تیار ہو گئی۔ لوگ قریب آگئے اور میں نے دیکھا کہ ان کے ہاتھوں پر تمہارے باپ کی خون میں نہائی ہوئی لاش ہے۔ مرحوم کا حلیہ اس حد تک بگڑ چکا تھا کہ مجھے بھی پہچاننے میں دقت ہوئی۔ مجھے بتایا گیا کہ مرحوم نے کسی گھنے جنگل میں اتفاقاً ڈاکوؤں کو دیکھا اور ان کے تعاقب میں چل پڑے۔ مرحوم تو ڈاکوؤں کے پیچھے جنگل میں داخل ہو گئے لیکن ان کے سپاہیوں نے ہمت ہار دی اور موت کے ڈر سے جنگل میں جانا پسند نہ کیا۔ مرحوم کو اپنے سپاہیوں کی بزدلی پر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے ڈاکوؤں کا تعاقب جاری رکھا۔ حتیٰ کہ وہ اُس موڑ کے قریب پہنچ گئے۔ جس کی دوسری طرف ڈاکو چھپ کر بیٹھے تھے۔ ڈاکو ان کی گھات میں تھے جیسے ہی مرحوم موڑ پر پہنچے ڈاکوؤں نے فوراً آڑ سے نکل کر انہیں چاروں طرف سے اپنے نرغہ میں لے لیا اور انتہائی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ڈاکوؤں نے ان کی لاش وہیں چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر لی۔ کافی دیر بعد [illegible]

پر پہنچے تو تمہارے والد کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی اور ان کا سر قلم ہوا رکھا تھا۔ سپاہیوں نے لاش کو اٹھایا اور گھر پہنچا دیا۔"

محمد علی نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ کھڑا ہو کر ماں سے مخاطب ہوا۔

"ان کمینوں کا کیا حشر ہوا۔ کیا وہ گرفتار کر کے قتل کر دیئے گئے؟"

خضرہ نے ایک سرد آہ بھری اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

پھر وہ آہستہ سے بولی:

"بیٹے! تمہارے والد کے قاتل گرفتار نہیں ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نے تمہارے والد کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کرنے میں تاخیر کی اور قاتلوں کو سمندر کے اس پار بھاگنے کا موقع مل گیا۔"

محمد علی کو ضبط کا یارا نہ رہا بے ساختہ اس کے منہ سے ایک چیخ بلند ہو کر دور دور تک فضا میں پھیل گئی۔ اس کی آنکھوں میں شعلے سے ناچنے لگے اور وہ بولا۔

"ماں! میں اپنے باپ کی قسم کھا کر عہد کرتا ہوں کہ قاتلوں سے خوفناک انتقام لوں گا۔ ایسا کہ دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی۔"

خضرہ نے کہا:

"بیٹے! تجھے انتقام لینے کی قدرت حاصل نہیں ہے بھلا تو کس سے انتقام لے گا۔ تجھے تو قاتلوں کا نام پتہ تک معلوم نہیں ہے۔"

محمد علی بولا:

"ماں! میں قاتلوں کے نام و نشان تک سے واقف نہیں تو نہ سہی۔ میں اپنے والد کے قتل کا انتقام پوری دنیا سے لوں گا۔ میں اسی بے رحم دنیا کے چھکے چھڑا دوں گا میرے انتقام کا نشانہ سب سے پہلے میرے دشمن بنیں گے لیکن تمہیں خدا کی قسم ہے تم اپنی بات کو نامکمل نہ چھوڑو۔ مجھے بتاؤ کہ جب تم نے میرے والد کی لاش دیکھی تو کیا کیا؟ کیا تم نے ان کی لاش کے روبرو خدا کو گواہ کر کے قسم کھائی کہ تم ان کے خون کا بدلہ لو گی؟"

خضرہ بڑی کوشش سے اپنی آنکھوں سے جھلکتے ہوئے آنسوؤں کو پی کر بولی:
"میں اُن کا انتقام لینے کی قسم تو نہیں کھا سکی — ہاں میں ان کی لاش کے رو برو دو زانو ہو گئی۔ انہیں موت نے خاموشی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں ان کی لاش کو مسلسل چومتی رہی اور اپنے آنسو بہا بہا کر ان کے خون کو دھوتی رہی۔ پھر میں نے قسم کھائی کہ میں مرحوم کی امانت کسی دوسرے کو نہ سونپوں گی اور آخر دم تک اس کی حفاظت کرتی رہوں گی۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں اپنے شوہر سے جا ملوں گی۔ ان کے بعد میرا محبوب میرا وہ بیٹا ہو گا جو اس وقت میرے پیٹ میں موجود ہے لیکن جلد ہی اس دنیا میں آ کر آنکھ کھولے گا۔"
گفتگو کے اس مرحلہ پر پہنچ کر خضرہ کو غش آ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد اسے ہوش آیا تو محمد علی کے اصرار پر اس نے دوبارہ زبان کھولی۔ آپ بیتی کے تسلسل کو قائم کرکے وہ بولی:
"جب سے میں تمہارے والد کے نکاح میں آئی تھی۔ وہ مسلسل میری تعریفوں کے پل باندھتے رہتے تھے۔ مرحوم اپنے دوستوں سے میرے گھریلو حسن انتظام اور رکھ رکھاؤ کی تعریف کرتے اور ہمیشہ فخریہ میری خوبیاں گنوایا کرتے۔ وہ انتقال کر گئے تو ان کے کئی دوستوں نے مجھے شادی کا پیغام دیا لیکن میں نے صاف صاف انکار کر دیا اور آہستہ آہستہ اپنے گھر کی چیزیں فروخت کرنا شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ گھر کا پورا ساز و سامان بک گیا اور آخر ایک روز مجھے معلوم ہوا کہ اب میں کوڑی کوڑی کی محتاج ہوں اور میرے پاس سر چھپانے کے لئے صرف اس معمولی سی جھونپڑی کے سوا کچھ بھی نہیں رہا ...."
"میرے بیٹے! یہ دنیا عجیب و غریب ہے یہاں بیوہ عورتیں تو زندگی کے ایام بیوگی کے عالم میں گزارنا چاہتی ہیں لیکن یہ چالاک مرد انہیں شرافت سے زندگی بسر کرنے نہیں دیتے۔ لوگوں کو میری مفلسی، ناداری اور کس مپرسی کا حال معلوم ہوا تو ایک بار پھر مجھے کئی شادی کے پیغام ملے لیکن میں نے اس بار پھر انہیں ڈانٹ دیا۔ لوگوں نے میری مستقل مزاجی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور خاموشی اختیار کر لی۔ میں نے صبر و استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ہر قسم کی مصیبتوں کے مقابلہ میں ایک چٹان کی طرح جم کر کھڑی ہو گئی۔ جوں جوں تمہاری پیدائش کا وقت قریب آ رہا تھا۔ میری تکلیفوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کئی بار میرا جی چاہا کہ اپنی مصیبتوں پر

آنسو بہاؤں، چیخوں چلاؤں لیکن میں نے ہر بار اپنے دل کو یہ کہہ کر سنبھالا دیا کہ میرے آنسو بہانے سے میرے شکم میں میرے بیٹے کو نقصان پہنچے گا۔ میں بہت زیادہ گھبرا جاتی تو نماز کے بعد گھنٹوں سجدے میں گری خداوند کریم کی بارگاہ میں دعا مانگتی رہتی کہ اے مالک دو جہاں میرے دل کو صبر و قرار عطا فرما۔ مجھے طاقت بخش دے تاکہ میں اپنے ہونے والے بچہ کے لئے زندہ رہوں۔ میں اپنے لئے زندگی کی طالب نہ تھی بلکہ مجھے اپنے بچے کا انتظار تھا جو میرا واحد سہارا بن کر میری دنیا میں آ رہا تھا۔ میری خواہش تھی کہ میرا بچہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلے اور اسی کی طرح شجاعت و دلیری میں اپنا نام پیدا کرے۔

ایک رات میری تکلیف میں بہت اضافہ ہو گیا لیکن میں نے ضبط سے کام لیا اور تکلیف کو برداشت کرتی رہی۔ حتیٰ کہ رات نصف سے بھی زیادہ گزر گئی اور مجھے نیند آ گئی۔ میں گہری نیند میں غلطاں و پیچاں تھی کہ اچانک ہاتف نے مجھے خواب میں ہی بیدار کیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک انتہائی بیش قیمت تخت رکھا ہے اور اس پر ایک آدمی بڑے رعب و داب سے براجمان ہے۔ اس آدمی نے اپنے جسم کو ہتھیاروں سے سجا رکھا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک برہنہ شمشیر ہے۔ اس کی آنکھوں میں نور کی چمک ہے اور چہرے پر مسرت ناچ رہی ہے۔ نور کے ہالے نے تخت کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا اس لئے تخت کی طرف دیکھنے سے آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوتی تھی۔ میں نے اس شخص کو غور سے دیکھا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں اس کی صورت میں کسی دوسرے کی مشابہت پاتی ہوں۔ گو میں نے اس سے قبل اس شخص کو کہیں نہ دیکھا تھا لیکن ذہن پر زور دینے سے مجھے یاد آیا کہ اس شخص کی شکل و شباہت میرے مرحوم شوہر ابراہیم آغا سے ملتی جلتی ہے اور یہ اسی کا بیٹا ہے۔ میں اسے بغور دیکھ رہی تھی کہ اس نے اپنے چہرے کو گھما کر لوگوں کو قہر آلودہ نظروں سے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں وقار تھا اور وہ ہزاروں لوگوں کے اس ہجوم کو بڑی بے پروائی سے دیکھ رہا تھا جو اس کے روبرو جھکا آہ و زاری میں مصروف تھا۔ پھر میری نظروں نے اس تخت کے عقب میں ایک میدان دیکھا۔ میدان کی حدیں ایک ریتیلے بیابان سے ملی ہوئی تھیں اور اس بیابان کے کناروں پر فلک بوس محلات کھڑے تھے۔ محلات جگمگا رہے تھے اور یہ جگمگاہٹ

آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اچانک محلات کی اس قطار میں سے سب سے بڑے محل کے دروازے وا ہوئے اور وہی تخت کا والی اس عظیم الشان محل میں اپنی اسی آن بان سے دکھائی دیا۔ اس وقت اس کی شان و شوکت میں نور کا مزید ہالہ اضافہ کر رہا تھا یہ نور چاند کی صورت اختیار کئے ہوئے تھا اور اسے ستاروں کے جھرمٹ نے گھیر رکھا تھا میں پوری محویت میں اس پر نظریں جمائے ہوئی تھی کہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس شخص نے ایک لڑکے کی صورت اختیار کر لی اور ایک حسین فرشتہ کی طرح اپنے سنہرے پروں کی مدد سے پرواز کر کے میرے پاس آگیا۔ میں نے فوراً ہاتھ پھیلائے اور اسے اپنی گود میں سمیٹ لیا۔ پھر میں نے اسے تین بار بیٹا! بیٹا! بیٹا کہہ کر پکارا اور میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے رات یہ خواب دیکھا تھا اور اسی رات کی صبح تمہاری ولادت ہوئی۔ میں نے تمہارا حسین و جمیل چہرہ دیکھا تو خالق جہان کا شکریہ ادا کیا۔ تمہارے چہرہ کو دوسری بار دیکھا تو مجھے صاف پتہ چل گیا کہ تمہاری صورت، ناک نقشہ سبھی کچھ میرے خواب والے لڑکے سے مشابہ ہے۔ اس حقیقت سے واقف ہونے کے بعد پہلے تو میں سہم گئی۔ پھر بے خود ہو کر تمہیں پیار کرنے لگی۔ اس واقعہ کو تقریباً دس برس گذر چکے ہیں لیکن میں جب بھی غور سے تمہاری صورت دیکھتی ہوں اور ماضی میں جھانک کر تمہاری پیدائش کے دن والے خواب کے واقعات پر غور کرتی ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ مجھے بیدار کرنے والا ہاتف یقیناً کوئی آسمانی فرشتہ تھا جو اس رات مجھے خواب میں بشارت دینے کی غرض سے آیا تھا۔"

یہ کہہ کر خضرہ نے قدرے توقف کیا۔ پھر کچھ دیر بعد دوبارہ اپنی گفتگو کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے بولی:

"بیٹا! تمہاری پیدائش کے چند روز بعد بندرگاہ پر ایک جہاز نے لنگر ڈالا۔ بیسیوں مسافر اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لیے خشکی پر چلے آئے۔ ان مسافروں میں کچھ نجومی، کچھ عامل، کچھ رمال اور کچھ ایسے لوگ تھے جنہیں خوابوں کی صحیح تعبیر اور مستقبل کا حال بتانے کا دعوے تھا۔ لوگوں میں یہ افواہ گرم تھی کہ ان مسافروں میں ایک بڑھیا کاہنہ اپنے علم میں بڑی کامل ہے۔ وہ انسان کو دیکھتے ہی اس کے دل کا حال جان جاتی

ہے اور مستقبل کے بارے میں بڑی سچی باتیں بتاتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ کاہنہ ہاتھ کی لکیریں پڑھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی ــ میں نے بڑھیا کی اس قدر تعریف سنی تو متاثر ہوئے بغیر نہ رہی اور دوسرے دن صبح اس کے پاس پہنچی۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھیا کے سامنے پھیلا دیا اور کہا۔

"ماں! مجھے میرے مستقبل کا حال بتاؤ؟"

وہ چند منٹ تک میرے ہاتھ کی لکیروں کو بغور دیکھتی رہی پھر مجھے گہری نظروں سے دیکھ کر بولی:

"تمہاری خواہش ہے کہ میں تمہیں تمہارے اس خواب کی تعبیر بتاؤں جو تم اپنے لڑکے کی پیدائش سے چند گھنٹے پیشتر دیکھ چکی ہو۔"

جیسے ہی اُس نے خواب کے بارے میں کہا۔ میں ڈر گئی اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں نے اپنا خواب کسی سے بیان نہیں کیا تھا اور وہ چونکہ کل ہی قوالہ آئی تھی اس لئے میری گذشتہ زندگی کے حالات سے واقف نہ ہو سکتی تھی۔ میں اس قدر مفلس تھی کہ مجھ جیسی نادار کا حال پوچھنے کی کسی کو ضرورت بھی نہ تھی۔ اس لئے اس کا بھی کوئی امکان نہ تھا کہ وہ پہلے ہی سے میرے حالات سے واقفیت حاصل کر چکی ہو۔ میں نے تصویر کے ہر پہلو پر غور کیا تو مجھے پورا یقین ہو گیا کہ یہ بڑھیا اپنے علم میں یکتا ہے۔

میں نے کہا:

"تمہارا خیال درست ہے۔ میں پہلے تو تم سے اپنا خواب سننا چاہتی ہوں پھر تم میرے خواب کی تعبیر بتانا۔"

کاہنہ نے فوراً میرے خواب کے واقعات بیان کئے۔ پھر خواب کی تعبیر کے بارے میں کہا کہ ....

محمد علی بڑے غور سے ماں کی گفتگو سننے میں محو تھا۔ ماں اپنی گفتگو کے اس مرحلہ پر پہنچی تو وہ بے ساختہ بولا:

"ماں! بڑھیا نے خواب کی کیا تعبیر کی؟"

حفصہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولی :

"بڑھیا کا کہنا تھا کہ تیرا بیٹا ایک طاقتور حکمران بنے گا۔ اس کے ہم قوم اس کی اطاعت کریں گے۔ وہ تلوار اٹھائے گا تو سب ہتھیار ڈال دیں گے۔ مال و دولت میں اس کی کوئی برابری نہ کر سکے گا اور عزیز و اقارب اس کے مال پر فخر کریں گے۔ دنیا اس کی بہادری کے گیت گائے گی اور اس کا نام ابد تک زندہ رہے گا ——— بڑھیا نے مزید کہا کہ خداوند کریم نے اس خواب کے ذریعہ سے تجھے بتایا ہے کہ وہ تخت پر بیٹھنے والا خوش قسمت تیرا ہی فرزند ہے۔"

محمد علی وفور مسرت سے بے اختیار ہو کر پُر اشتیاق لہجہ میں بولا۔

"ماں! پیاری ماں! کیا یہ واقعی درست ہے کہ مجھے اقتدار حاصل ہوگا اور لوگ میری عزت، دولت اور شہرت پر رشک کریں گے۔ ماں تمہیں خدا کی قسم ہے اس بڑھیا نے جو کچھ بتایا تھا ایک بار پھر مجھے بتاؤ۔"

حفصہ نے جواب دیا :

"بیٹے اس نے واقعی یہی بتایا تھا کہ وہ اپنے ملک کا حکمران ہوگا۔ قوم اسے اپنا حاکم تسلیم کرے گی اور باہر کی دنیا میں اسے عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔"

محمد علی نے یہ سنا تو تن کر کھڑا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس رگوں میں نیا خون دوڑ رہا ہے۔ اس کے چہرے پر تروتازگی آ گئی تھی۔ وہ بولا :

"پیاری ماں! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے میری جدوجہد کی ابتدا ہو جائے گی۔ میں کاہنہ کے کہے کو درست ثابت کرنے کی زبردست کوشش کروں گا۔ اس نے میرے بارے میں جو کچھ کہا ہے میں اسے پورا کر دکھاؤں گا۔ اس وقت میں بہت خوش ہوں کیونکہ تم نے مجھے میرے مستقبل سے واقف کر دیا ہے۔ میں خدا کے حضور دعا کرتا رہوں گا کہ وہ تمہیں میرے عروج کا زمانہ دیکھنے کے لیے زندہ رکھے۔ اب میرے ساتھیوں نے میرا تمسخر اڑایا اور کہا کہ غریب محمد علی بے بس ہے۔ زمین کی پیٹھ پر بوجھ ہے تو میں فوراً انہیں جواب دوں گا کہ مجھے ایک روز نہایت امیر و کبیر اور طاقتور بننا ہے۔ ماں مجھے ان بزدلوں کی ابھی سے خبر لینی چاہیے اور

انہیں اپنی ماتحتی میں رکھنا چاہیے۔ وہ شرط ہار گئے ہیں۔ اگر انہوں نے شرط کی باتوں کو پورا کرنے میں حیل و حجت سے کام لیا تو میں انہیں سخت سزا دوں گا۔ ماں! لوگ تمہاری اور میری خوش قسمتی پر رشک کریں گے۔ ہم جلد ہی سربلند ہوں گے۔ تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

خضرہ نے محمد علی کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ پھر مسکرائی اور کہا:

"بیٹا! مجھے تمہاری آرزوئیں اور خواہشیں پوری ہوتی نظر نہیں آتیں۔ میں یہ سوچ کر غم میں ڈوب جاتی ہوں کہ ہم مفلس ہیں۔ بے وست و پا ہیں اور خوش نصیبی مالدار لوگوں پر ہی مہربان ہوتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ تاریکی میں انسان کا سایہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔"

محمد علی بولا:

"ماں! بیشک اس وقت ہم انتہائی مفلس ہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہمیں مالدار بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ ہم دولت حاصل کرنے کی کوشش سے کبھی غافل نہیں ہوں گے۔ ہمیں ایک نیک فطرت انسان کی مدد حاصل ہے جو یقیناً ہمارے لئے سودمند ثابت ہو گی۔"

خضرہ نے کہا:

"کیا نیک انسان سے تمہاری مراد مسٹر لیون ہے؟"

" محمد علی نے جواب دیا۔

"ہاں ماں! میرا اشارہ مسٹر لیون ہی کی طرف تھا۔ میں ابھی ان کی خدمت میں پہنچ کر کوئی ایسا راستہ معلوم کرتا ہوں جس پر چلنے سے ہم مالدار بن جائیں۔"

خضرہ ابھی زبان بھی نہ کھولنے پائی تھی کہ محمد علی نے عجلت سے ترکی ٹوپی سر پر رکھی اور گھر سے باہر چلا گیا۔ وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا غریب لوگوں کے تنگ و تاریک مکانوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا امیر لوگوں کی آبادی میں داخل ہوا۔ تمام راہ اس کا ذہن ماں کی گفتگو میں الجھا رہا۔ راہ میں چند لڑکوں نے اسے دیکھا تو بھاگ کر ایک دیوار کی آڑ میں ہو گئے اور آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ اس ظالم کا سامنا نہیں کرنا چاہیے۔ آج ہی تو اس نے ہم سے

بانسی جیتی ہے۔ آج اس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے لیکن اس کی حالت اُس وقت دیکھنے کے قابل ہوگی۔ جب اس کا چچا وفات پا جائے گا اور ماں بیماری کی حالت میں ایڑیاں رگڑ رہی ہوگی پھر دیکھنا اس کی ساری اکڑفوں نکل جائے گی۔ مفلسی اسے چین سے نہ بیٹھنے دے گی اور یہ ذلیل ہوکر ہماری خوشامد کرے گا۔ ہم سے معافی طلب کرے گا اور ہم سب اس کی طرف آنکھ اٹھاکر بھی نہ دیکھیں گے۔ لڑکے اس قسم کی باتوں میں محو تھے۔ محمد علی نے جیسے ہی انہیں دیکھا ان کے چہروں پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالنے سے ان کی دلی کیفیت سمجھ گیا لیکن اس نے انہیں کوئی وقعت نہ دی بلکہ وہ اپنے دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ مجھے ایک روز ان سے بھی انتقام لینا ہے۔ یہ بھی میرے انتقام کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ محمد علی اپنے دل سے باتیں کرتا رہا۔ اس کے دلی جذبات و احساسات کو اس کے چہرے سے پڑھا جاسکتا تھا۔ اب لیون کی کوٹھی قریب آگئی تھی۔ محمد علی ایک تنگ راستہ میں داخل ہوا۔ وہ کپڑے کی بڑی بڑی گانٹھوں، سامان سے بھرپور صندوقوں اور تیل کے ڈرموں کو پیچھے چھوڑتا ہوا ایک لکڑی کی دیوار کے قریب پہنچا۔ اس تنگ راستہ میں اندھیرا تھا جس سے محمد علی کو قدم اٹھانے میں دقت پیش آرہی تھی۔ اب اسے لکڑی کی دیوار کے اندر روشنی کی کرنیں دکھائی دیں تو وہ جلد جلد قدم اٹھانے لگا۔ روشنی لیون کے ڈرائنگ روم سے پھوٹ رہی تھی۔ محمد علی جیسے ہی وہاں پہنچا اس نے ایک بلند آواز سنی۔

"ایمرو کے بہادر خوش آمدید، سمندر کے حکمران خوش آمدید، عزیزم محمد علی آجاؤ۔"

محمد علی نے سنا تو مسکرانے لگا۔ فوراً ہی اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ آج میرے صادق دوست لیون نے میری جھوٹی تعریف کی ہے لیکن کل مجھے یہ القاب اس قوم کی زبانی سننے ہیں جو میری محکوم ہوگی۔ پھر محمد علی نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تو لیون نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور گلے مل کر پیار بھرے لہجے میں بولا:

"میرے عزیز! میں تمہیں مبارکباد کہتا ہوں اور تمہاری مسرتوں میں برابر کا

شریک ہوں۔ میں تمہارے کارنامے سے واقف ہو چکا ہوں۔ تمہارے زخمی ہاتھ تمہاری دلیری کی داستان بیان کر رہے ہیں۔ مجھے تمہاری شجاعت اور قوالہ کے لڑکوں کی شکست کا حال سن کر انتہائی خوشی حاصل ہوئی۔ تم واقعی بہادر ہو۔ تم پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے۔"

محمد علی نے جواباً کہا۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ میری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں لیکن میں تعریف کا مستحق نہیں ہوں کیونکہ میرے خیال میں لڑکوں پر فتح حاصل کرنا کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ ہاں مردوں اور ملکوں کی تسخیر ضرور میرے لئے فخر کا باعث بن سکتی ہے۔"

لیون کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ بولا:

"عزیز! تمہارا مطلب کیا ہے اور تمہارے ارادے کیا ہیں؟"

محمد علی نے جواب دیا۔

"اس وقت میرے پیش نظر کئی امور ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے لئے مدد کی درخواست لے کر آیا ہوں تاکہ اپنے مستقبل کی تعمیر کروں اور اسے روشن بنا کر چھوڑوں۔"

لیون نے کہا۔

"مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ تمہیں اپنے مستقبل کا خیال ہے۔ میں تمہارے مستقبل کے بارے میں کئی بار تمہاری ماں سے ذکر کر چکا ہوں کیونکہ مجھے تمہارے مزاج سے پتہ چل گیا تھا کہ تم محنت کے عادی بننا پسند کرتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری ماں اور تمہارا چچا تمہاری راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں کیونکہ وہ تمہیں کوئی سخت کام نہیں کرنے دیتے۔ ان کی تو یہی خواہش ہے کہ تم کوئی کام نہ کرو۔ بس گھر ہی بیٹھے رہو۔ وہ تمہیں محنت کا عادی نہیں بنا رہے ہیں۔ تمہیں تمہاری صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھانے دیتے۔ بلکہ تمہیں آرام کرنے کا موقعہ دے کر کاہل اور سست الوجود بنا رہے ہیں۔"

محمد علی بولا:

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ واقعی ان کے ارادے یہی ہیں لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا۔ مجھے دنیا کے سرد و گرم کا مقابلہ کرنا ہے۔ زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سیکھنا ہے۔ میں یقیناً سخت محنت

کا عادی بننا پسند کرتا ہوں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ براہ کرم مجھے زندگی کو بہتر اور شاندار بنانے کے طریقے بتایئے۔"

لیون نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

"تمہیں اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لئے ایک شے کی ضرورت ہے جو تمہیں بالکل میسّر نہیں۔"

محمد علی نے دریافت کیا۔

"آخر وہ کیا شے ہے۔ براہِ کرم مجھے ضرور بتایئے۔"

لیون نے جواب دیا۔

"میرے عزیز بیٹے! وہ شے دولت ہے کیونکہ کوئی بھی آدمی دولت کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ ابتدائی سرمایہ کی اہمیت مسلمہ ہے خالی ہاتھ تو دنیا کا کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا۔ ہر کام میں کامیابی کے لئے پہلے اس کا سیکھنا ضروری ہے۔ پھر کوشش اور محنت کر کے آدمی مالدار بن سکتا ہے۔"

محمد بولا:

"تو مجھے بھی اپنے مستقبل روشن بنانے کے لئے سب سے پہلے دولت جمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اچھا تو آپ ہی اس معاملے میں میری رہبری کریں۔ مجھے بتائیں کہ حصول دولت کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

لیون نے جواب دیا۔

"میرے عزیز! تم ابھی بچے ہو۔ اس لئے بچوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مال و دولت حاصل کرنا انتہائی کٹھن کام ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ کئی لوگ رہزنی، چوری، مکاری اور دھوکہ بازی سے مالدار بن گئے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ تم ایسی کوئی کمینہ حرکت پسند نہیں کرتے۔ تم ایسی مفلسی کو اس امیری کے مقابلہ میں ضرور پسند کرو گے جو نیکی کے رستہ سے برگشتہ کر کے بدی کے رستہ پر چلاتی ہو۔"

محمد علی نے کہا:

"آپ نے درست کہا۔ میں واقعی ایسی دولت پر لعنت بھیجتا ہوں جو ناجائز طریقوں سے

حاصل نہ ہو سکے۔ میں تو اپنی قوت بازو سے مال و دولت اور ثروت و حشمت کے حصول کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔"

لیون نے جواب دیا۔

"محمد علی! مال و دولت اور ثروت و حشمت کا حصول آسان نہیں۔ اس لئے میں اس کا وعدہ تو نہیں کرتا البتہ میں تجارت کے اسرار و رموز بتانے کے لئے تمہیں اپنے کاروبار میں شریک کر سکتا ہوں۔ اس طرح تم جلد ہی ایک تاجر بن جاؤ گے۔"

محمد علی نے کہا:

"لیکن میں تاجر کیسے بن سکتا ہوں جبکہ میرے پاس تاجرانہ سامان بھی نہیں ہے۔"

لیون نے کہا۔

"تم اپنی ذات کے مالک ہو۔ اپنے نفس کو تجارت کے داؤ پر لگا دو۔ میرے عزیز دیکھنا میری اس گفتگو کا برا نہ منانا میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم خود کو غلاموں کی طرح منڈی میں فروخت کر دو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم خدا کی بخشی ہوئی عقل و دانائی کو تجارت کی راہ پر لگاؤ۔ تم میرے کاروبار میں مدد دو۔ میرے مال کی حفاظت کرو اور میرے خریداروں سے خوش خلقی سے پیش آؤ۔ تمہاری تنخواہ تمہاری ماں کو پہنچا دی جائے گی اور ضروریاتِ زندگی مثلاً کھانے پینے اور کپڑا پہننے کا ذمہ دار میں ہوں گا۔"

محمد علی نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے آپ کی گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ میں دن کا بیشتر حصہ آپ کی کوٹھی پر گزاروں جیسے ہی کوئی خریدار آتا دکھائی دے آپ کی طرح آگے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کروں اور باتوں ہی باتوں میں خوش اسلوبی سے اس کی خوشامد کرتا رہوں۔"

لیون فوراً بولا:

"میں واقعی یہی چاہتا ہوں۔"

محمد علی نے کہا:

"اور آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ میں ہر خریدار کی بے معنی گفتگو سنوں اور اس کی ہاں میں

ہاں ملاتا رہوں۔ اسی دوران میں خریدار کے سامنے غالیچوں اور شالوں کا ڈھیر لگا دوں۔ پھر جس غالیچے یا قالین پر کوئی داغ یا کسی قسم کا عیب ہو اسے اپنے انگوٹھے کی مدد سے چھپاؤں اور زیادہ سے زیادہ بھاؤ پر بیچنے کی کوشش کروں۔ گاہک کے سامنے اپنے مال کی اس قدر تعریف کروں کہ وہ اسے خریدنے پر آمادہ ہو جائے۔ آپ کے بھی تو یہی گُر ہیں نا؟"

لیون نے جواب دیا۔

"تم بالکل ٹھیک سمجھے۔ مجھے یہ جان کر انتہائی مسرّت ہوئی کہ تمہیں کسی قسم کی ٹریننگ دینے کی بھی ضرورت نہیں گو تم نے یہ کام کبھی نہیں کیا لیکن تم اس کی ہر باریکی سے بخوبی واقف ہو۔"

محمد علی نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا۔

"کوٹھی میں جو خاتون گاہک آئے گی۔ اس کا استقبال بھی میں ہی کروں گا۔ اسے قہوہ پیش کروں گا اور اس کی خدمت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا۔ عورتوں کے خاوندوں کی شکایتیں، ان کے نوکروں کی بددیانتی کے قصے اور ان کی بیٹیوں کی داستانیں سننا بھی میرے فرائض میں داخل ہوگا۔ وہ لاکھ بے معنی فضول اور واہیات باتیں کریں لیکن مجھے ان کی خرافات کو صبر و تحمل سے سننا پڑے گا۔ اگرچہ وہ انتہائی بدصورت اور کوڑھی ہوں گی لیکن مجھے ان کے جمالِ جہاں سوز کی شان میں قصیدے پڑھنا ہوں گے کیونکہ آپ بھی یہی کچھ کرتے ہیں۔"

لیون نے بے اختیار ہو کر کہا:

"بھئی خوب .... بہت خوب .... تم صحیح معنوں میں تاجر ہو۔ تمہیں تو کاروبار کا پورا پورا تجربہ حاصل ہے۔"

محمد علی نے حقارت آمیز قہقہہ لگایا پھر سر کو بصورت انکار ہلا ہلا کر کہا۔

"میرے بزرگ! میں آپ سے پیار کرتا ہوں۔ آپ کی عزّت کرتا ہوں اور جب بھی آپ کے پاس آتا ہوں۔ آپ کے کاروباری اسرار و رموز کو سمجھنے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔

مجھے آپ کی کاروباری سوجھ بوجھ حیران کر دیتی ہے لیکن مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ایک کامیاب تاجر بننا میرے امکان سے باہر ہے کیونکہ میں اپنی دلی کیفیات کو چھپانے پر قادر نہیں ہوں۔ اپنی دلی آواز کو دبانا میرے امکان سے باہر ہے۔ میرے ظاہر و باطن یکساں ہیں اس لیئے میں کاروباری آدمی بننے سے معذور ہوں۔ براہ کرم مجھے کوئی ایسا طریقہ بتایئے جو میرے مزاج کے خلاف نہ ہو۔"

لیون نے یہ سنا تو قدرے توقف کے بعد کہا۔

"اگر تمہیں یہ کام پسند نہیں تو نہ سہی۔ تم لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ دو۔ میں تمہیں اپنے دفتر میں لکھنے پڑھنے کی جگہ دیتا ہوں۔ میرا منشی بڑھاپے کے دروازے پر دستک دے کر اس میں داخل ہو چکا ہے۔ اس لئے اب یہ کام اس کے بس کا روگ نہیں رہا۔ تم دفتر میں بیٹھ کر اپنے تحریری کام میں مصروف رہو گے تو نہ تو کسی گاہک کی فضول گفتگو سنو گے نہ ہی تمہیں کسی چاپلوسی پر مجبور ہونا پڑے گا۔ منشی کا کام تمہارے لئے بہت سودمند ثابت ہوگا۔ تمہیں حیرت انگیز کامیابی ہوگی۔ تمہاری آمدنی میں روز بروز معقول اضافہ ہوتا رہے گا کیونکہ پڑھے لکھے لوگوں کی شدید کمی ہے اور تم ...."

محمد علی نے لیون کو بات مکمل نہ کرنے دی اور فوراً کہا۔

"میں لکھنے پڑھنے سے نفرت کرتا ہوں۔ مجھے قلمکاروں کی زندگی پسند نہیں بلکہ میری دلی خواہش ہے کہ میں لکھائی کا کام صرف اس وقت کروں جب مجھے اپنے دشمن کے چہرے پر اپنی تلوار سے اپنا نام لکھنا ہو۔"

لیون کو اپنی ہنسی پر قابو نہ رہا اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"گو دشمنوں کے چہروں پر تحریری کام کرنا بہت ہی اچھا ہے لیکن تمہارے لئے میری یہی نصیحت ہے کہ تم بیکار اس انتظار میں نہ بیٹھے رہنا۔ تم نے شیخ محمد شاعر داستان گو کا نام سنا ہی ہے۔ وہ شاید تمہارا شناسا بھی ہوگا۔ اس کا پیشہ یہی ہے کہ ہر روز شام کے وقت حیرت انگیز دلچسپ کہانیاں اور قدیم تاریخی داستانیں بیان کرے۔ وہ لوگوں میں بڑا مقبول ہے۔ ہر شام ان گنت لوگ اس کی داستانیں ذوق و شوق سے سنتے ہیں

اور جی کھول کر اسے روپے پیسے دیتے ہیں۔ اسی داستان گوئی کے طفیل وہ ایک امیر کبیر شخص بن چکا ہے اور بڑے مزے سے اپنی زندگی گذار رہا ہے۔ گو اس وقت اسے ہر طرح کا آرام حاصل ہے لیکن اب اسے بڑھاپے نے ستا رکھا ہے۔ اس کے دانت جواب دے گئے ہیں۔ منہ پوپلا ہو گیا ہے۔ اس لئے اب وہ داستان اس حسن و خوبی سے بیان نہیں کر سکتا جیسے پہلے کیا کرتا تھا۔ میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ اسے ملو، اس کے قریب بیٹھو اور اس کی بیان کی ہوئی کہانیوں کو ازبر کر کے اس کی جگہ سنبھال لو۔ تم اس کے جانشین بن گئے تو بہت جلد مالدار کہلانے لگو گے۔"

محمد علی بولا:

"میں شیخ محمد شاعر داستان گو کا نام پہلے بھی سن چکا ہوں، اس کی داستان گوئی کا اندازہ کیا ہے۔ اس کا طرزِ کلام کیا ہے؟ مجھے اپنے ان سوالوں کے جواب صرف اسی صورت میں مل سکتے ہیں کہ آپ شیخ محمد شاعر داستان گو کے قیام مصر کے بارے میں بیان کردہ حالات اپنی زبانی سنائیں۔"

③

قدیم مصر

یہ سن کر مسٹر لیون مسکرائے اور ذہن پر زور ڈال کر شیخ محمد شاعر داستان گو کے قیام مصر کے بارے میں بیان کردہ حالات کو یاد کرنے لگے۔ وہ کچھ دیر تک اپنے خیالات میں کھوئے رہے۔ پھر سنی ہوئی داستان کے یاد آجانے سے یوں گویا ہوئے۔

"نیل کی وادی میں زراعت کار لوگوں کی بستی پانچ ہزار سال قبل از مسیح سے بہت پہلے سے آباد تھی اور یہاں مٹی کے برتن پکانے کی صنعت بہت ترقی کر گئی تھی۔ یہاں کی کھدائی سے پتھر کی چکیاں برآمد ہوئی ہیں، جنہیں اس دور کے لوگ گیہوں پیسنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔ وادی النیل کے بالائی حصے میں ابائیڈوس سے ایلوان یعنی آبشار اوّل تک پتھروں کو تراش کر پیالے اور دوسرے برتن بنانے والی ایک قوم آباد ہو رہی تھی۔ یہ عربستان کے خانہ بدوش بدوی تھے جو باب المندب یا بحیرہ قلزم کو کشتیوں پر عبور کرنے کے بعد سرزمین مصر میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ قبائل عرب ان سمیریوں کے بھائی بند تھے جو اس دور میں جنوبی عرب سے نکل کر وادی دجلہ و فرات میں آباد ہو رہے تھے۔

عرب قبائل نے جو آبشار اوّل کے نشیبی حصے میں آباد ہو گئے تھے جلد ہی دوسری ریاستوں کو ختم کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دینی شروع کر دی۔ ان کے بادشاہ یا سردار نے باز کو اپنا امتیازی نشان قرار دے رکھا تھا جو ہمیں تصویروں میں سر کے پیچھے کندھوں پر بیٹھا دکھائی دیتا ہے۔ ان کا بادشاہ سینیبز نامی خنزیر پرستوں کے علاقہ پر حملہ آور ہوا اور زبردست فتح پائی۔ پھر وہ وسطی مصر کے شامی النسل حکمرانوں کو اپنی ماتحتی میں لے لیتا ہے اور چند ہی سال بعد مثلثی خطے کے تہنیوں، شامیوں اور فلسطینی گنڈیلوں کو مطیع کر کے وادی النیل میں ایک متحدہ سلطنت کی بنیاد رکھتا ہے اور باز کے امتیازی نشان کو قائم رکھتے ہوئے تہنیوں اور شامیوں کے

سرخ اور سفید تاجوں کو ملا کر ایک نیا تاج پہنتا ہے جو دونوں رنگوں سے بھرپور ہے۔

مینیز مصر کے پہلے شاہی خاندان کا پہلا فرعون تھا۔ ان کے عہد حکومت کا اندازہ تقریباً ساڑھے تین ہزار ق م لگایا جاتا ہے۔ بعض مؤرخوں نے اس سے ایک ہزار سال پہلے کے اندازے لگائے ہیں۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مصر کے شاہی خاندانوں کے جو تذکرے پیپرس (ابدی بھوج پتر) پر تحریر دستیاب ہوئے ہیں۔ ان سے بدامنی کے دور کی مدت کا درست حال معلوم نہیں ہوتا۔ بدامنی کے اس دور میں چار پانچ خاندانوں کی حکمرانی بتائی جاتی ہے۔ ان خاندانوں کی حکمرانی کی مدت کے بارے میں مؤرخوں میں اختلاف ہے۔ خیر کچھ بھی ہو یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ متحدہ مصر نے پانچ ہزار سال ق م سے قبل جنم نہیں لیا۔

مینیز کی حکمرانی سے قبل ڈیلٹا کی سرزمین میں دس بادشاہوں کی حکمرانی کی نشاندہی ایک فہرست کی علاقائی تحریر سے ہوتی ہے جس میں مینیز سے قبل دس دوسرے نشان لگائے گئے ہیں جو دو تاجوں یعنی دو بادشاہوں کے حال پر مشتمل ہیں، مینیز کی حکمرانی کی ابتدا قرین قیاس تاریخ ۳۴۰۰ ق م نکلتی ہے۔

مصر کے دوسرے شاہی خاندان کی بنیاد یا تو عرب قبائل ہی کے کسی دوسرے قبیلہ نے رکھی یا شامی نسل کے زراعت کاروں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ اس خاندان کے ایک فرعون "خاسے خموئی" کے مقبرے سے سرے کی ملاوٹ والے سونے کی ڈلی دستیاب ہوئی ہے۔ اس قسم کا سونا دنیا میں ہنگری کے سوا ٹرانسلوینیا کے علاوہ کسی اور علاقہ کی کانوں سے دستیاب نہیں ہوتا۔ یہ ڈلی اس کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اس دور میں دُور دُور کے ملکوں کی باہمی تجارت تھی اور فراعنۂ مصر کے دربار میں تاجر دُور دُور ملکوں کے نوادر پیش کیا کرتے تھے۔ اس فرعون کا زمانہ لگ بھگ تین ہزار ق م لگایا گیا ہے۔

فرعون خاسے خموئی کے بیٹے نزوسر نے اپنے وزیر اعظم ام ہوتف کی زیر ہدایت و نگرانی پہلا سیڑھیوں والا اہرام بنایا تھا۔ اس اہرام کے ارد گرد پانچ ہزار گز لمبی اور تین ہزار گز چوڑی

دیوار بنائی گئی۔ دیوار کے اندر برآمدہ تھا جس میں ۴۸ ستون تھے۔ ہر ستون کی گولائی تین فٹ اور اونچائی سوا فٹ تھی۔ ان ستونوں پر پچی کاری کے کام سے نقش و نگار بنائے ہوئے تھے۔

اس اہرام سے پتہ چلتا ہے کہ پتھر سے عمارتیں بنانے کا کام بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس سے پہلے کی کسی عمارت کے آثار اب تک دستیاب نہیں ہوئے۔

ایک بھوج پتر کی تحریر جو بعد کے زمانہ کی لکھی ہوئی ہے سے پتہ چلتا ہے کہ خاصے خموئی نے بھی ایک مندر تعمیر کرایا تھا۔ دوسرے اور تیسرے خاندان کے فراعنۂ مصر نے مزید اہرام بھی تعمیر کرائے۔ جن سے فن تعمیر کی تدریجی ترقی کا اظہار ہوتا ہے۔ چوتھے خاندان کے بادشاہ خوفو نے غیزہ میں جو اہرام بنوایا تھا اس کا شمار عجائبات عالم میں ہوتا ہے۔ اس اہرام کا ہر پہلو ۷۰۰ فٹ طول رکھتا ہے اور تینوں پہلو اس حد تک مساوی ہیں کہ ان میں ایک انچ کا فرق بھی نہیں پایا جاتا۔ پتھر کی سلوں سے بنائے گئے ان اہراموں کی اونچائی دو سو فٹ سے ۴۸۰ فٹ تک ہے۔ غنیزہ کا اہرام سب سے بلند ہے۔ پہلا سیڑھیوں والا اہرام بنانے والا امھوتف طبیب و حکیم بھی تھا اور فن تعمیر کا ماہر بھی۔ قدیم مصری تمدن میں بیشتر ترقیات اسی شخص کے فکر و علم کے باعث ہوئیں۔ اسے مصری بڑی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے اور اس کی موت کے بعد اسے دیوتا سمجھ کر اس کی پرستش کرنے لگے تھے۔

فراعنۂ مصر کے پانچویں خاندان کا بانی اسرکاف دے دیوتا (سورج دیوتا) کے مندر واقع سیلیوس پولس کا پجاری تھا۔ روایت کے تحت رے اسر دسورج دیوتا کے پجاری کی بیوی سے دیوتا کے تعلقات قائم ہونے کے باعث اسرکاف پیدا ہوا تھا۔ پجاریوں کے اس خاندان کے عہد حکومت میں سورج کی پرستش کے دین کو بہت ترقی ہوئی اور مصر کے فرعون بادشاہ بڑے مقدس سمجھے گئے۔ اسرکاف کا خاندان ۲۷۵۰ ق م سے ۲۶۲۵ ق م تک برسر اقتدار رہا۔

چھٹے خاندان کے تیسرے بادشاہ پیپی اول کے عہد میں ایک شورش ہوئی جو اس کے ایک سردار ردنی نے بری طرح دبا دی اور ہر باغی کو قتل کرکے شورش کا قلع قمع کر دیا۔ پیپی اول کا ایک مجسمہ جو تانبے کا بنا ہوا ہے اور پورے سائز کا ہے۔ کھدائی میں برآمد ہوا تھا اور ان دنوں قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے۔

۲۴۷۵ ق م میں چھٹے خاندان کے خاتمہ پر ساتویں خاندان کے برسر اقتدار آنے پر ہر طرف بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔ ملک میں طوائف الملوکی کے اس دور میں جنوب کی سمت سے حبشی قبائل حملہ آور ہوئے ساتھ ہی شمال مشرقی سرحد پر کوہستان یہودیہ کے جنگو قبائل نے یلغاریں شروع کر دیں نتیجہ میں مصر میں کئی سو سال بدامنی اور کس مپرسی کا دور دورہ رہا۔ اس دور میں بھوکے تباہ حال عوام نے فراعنہ کے مقبروں سے بیش قیمت اشیاء لوٹ لیں۔ صرف دو مقبرے ان کی دستبرد سے بچ رہے۔ کیونکہ یہ مقبرے تعمیرات کے نقطہ نظر سے بڑے مضبوط تھے۔

مصر قدیم کے اس اولین دور تمدن کے آثار بتاتے ہیں کہ اس زمانے میں فن تعمیر ترقی کی معراج پر پہنچ گیا تھا اور سونے، ہاتھی دانت اور تانبے کے کاریگر اپنے فن میں ماہر تھے۔ اس زمانے میں مصری اپنے مُردوں کے لئے پختہ قبریں بنایا کرتے تھے اور ان مقبروں میں ضروریات زندگی کا سارا سامان بھی دفن کر دیتے تھے۔ غرباء تو صرف مٹی کے برتن رکھا کرتے تھے۔ البتہ بادشاہ اور امراء اپنے مقبروں میں بڑی قیمتی چیزیں اپنے ساتھ دفن کرتے تھے۔ اس زمانے کے مصریوں کا عقیدہ تھا کہ جب تک کسی انسان کا جسم باقی رہے۔ روح اس جسم میں آمد و رفت جاری رکھتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے اس عقیدہ کے تحت وہ ابتداء میں سوڈا ڈالنے کے بعد نعش کو اچار بنا دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ممی بنانے کی ابتدا کی، یعنی انسانی جسم پر ایسے مسالے استعمال کئے جو جسم کو پائیدار اور محفوظ بنا ڈالتے تھے۔ شروع میں وہ متوفی کی مورتی بنا کر نعش کے ساتھ دفن کرتے تھے تاکہ روح کو ثابت جسم نہ مل سکے تو وہ اس مورتی میں داخل ہونے سے نہ ہچکچائے لیکن جب انہیں ممی بنانے کا فن آ گیا تو انہوں نے مورتیاں رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

اس زمانے کے مصریوں میں موت کے بعد کی زندگی کو ایسی حقیقت سمجھا جاتا تھا جس سے ہر متوفی کا سابقہ پڑتا تھا۔ وہ لوگ مُردوں کے لئے تو دُور دراز کے فاصلوں سے پتھر لا کر پختہ مقبرے بنایا کرتے تھے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ خود بادشاہ اور امراء وغیرہ مٹی سے تیار کردہ خام گھروں میں زندگی کے دن گزارا کرتے تھے۔ اس زمانے کے عام مصری معمولی قسم کے تمام جھونپڑوں کا گاؤں بناتے اور اس میں سکونت رکھتے تھے۔ بعض پتھروں کی تصاویر سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کے عوام ستر ڈھانکنے کے لئے زانو تک کا تہہ بند اور سر پہ باندھنے کا رومال استعمال

کرتے تھے۔ اس زمانہ کے محنت کش عوام اپنی پیدا کردہ دولت میں سے بہت کم حصہ پاتے تھے۔ اس زمانہ میں پتھر سے برتن بنانے کے کام نے بڑی ترقی کی تھی۔ شروع میں ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر بستی کے دیوتا الگ الگ ہوتے تھے۔ پھر نظم سلطنت کی مانند دیوتاؤں کے درمیان تعلق استوار کر لیا گیا اور سارے دیوتاؤں کو ایک ہی کنبہ کے افراد سمجھا گیا اور ہر ایک کے کام اور وظیفہ کو الگ الگ کر دیا گیا۔ مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لئے پجاریوں کا طبقہ ترتیب دیا گیا جیسے ہولے ہولے بڑی اہمیت حاصل ہو گئی اور انہیں قدیم مصری سوسائٹی کا ایک اہم جزو خیال کیا جانے لگا۔

چھٹے خاندان کے اختتام ۲۴۷۰ قبل از مسیح کے بعد نام کے بادشاہ بنتے رہے اور اقتدار کی باگ ڈور پہلے تو امراء کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی۔ اس کے بعد بدامنی اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا۔ شمالی حصے میں مشرقی سمت سے فلسطینی قبائل داخل ہوئے اور ڈیلٹا کی سرزمین پر قبضہ کر لیا۔ جنوبی سمت سے حبشیوں نے حملے شروع کر دیئے۔ ان کے ساتھ نوبہ کے تیر کمان سے آراستہ لوگوں نے بھرپور تعاون کیا۔ حالانکہ مصریوں نے ان کی آبادکاری اپنے محافظ کی حیثیت سے کی تھی لیکن یہ لوگ حبشیوں سے مل کر لوٹ مار کرنے لگے۔ اس زمانہ میں مصر مختلف آفات کا گڑھ بن گیا۔ اس دور کے آثار میں ان بھوج پتروں سے حالات کا علم ہوتا ہے۔ جن پر اس زمانہ کے شعراء و ادباء نے نوحے لکھے ہیں، یہ دور مصر کی تاریخ میں بکا و بین کے دور سے موسوم ہے:

ایک مصری دانشمند ایپوویر اپنے نوحے میں لکھتا ہے:

اس دور میں مصر میں ہمہ اقسام آفات دندناتی پھر رہی تھیں، سارے ملک میں قحط پڑ چکا تھا اور شہر تباہی و بربادی کی منہ بولتی تصویریں بن کر رہ گئے تھے۔ صنعت و حرفت تباہ ہو چکی ہے۔ چند باغیوں اور اوباشوں نے بغاوت کی آگ بھڑکا کر ملک میں بادشاہت ختم کر دی ہے۔ دولت مند فقیر اور فقیر دولت مند بن چکے ہیں۔

اس زمانے کے مصر کے دانشوروں کے نوحوں سے پتہ چلتا ہے کہ مصر کی سوسائٹی اپنے خوشحالی کے ہزار سالہ دور میں اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں طبقوں میں تقسیم ہو چکی تھی فرعونوں، مذہبی

پیشواؤں، امیروں اور سرداروں کو معزز اور عوام کو محض ان کے خادم بنا دیا گیا تھا۔ طبقاتی تقسیم کی اس صورتِ احوال میں مصر کی سرزمین میں عوامی انقلاب آیا تو یہ حالات کا منطقی نتیجہ تھا۔ اس پر تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

۲۱۶۰ ق م میں تھبس کے بادشاہ انطف نامی نے ملک میں امن وامان بحال کیا اور نئے سرے سے منظم حکومت قائم کی اور گیارھویں شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ بدامنی کے دور میں جو چار خاندان یکے بعد دیگرے برسرِ اقتدار آئے۔ ان کا اقتدار محض نام کا تھا، وگرنہ صحیح صورتِ احوال یہ ہے کہ ان خاندانوں کو ذرا سی بھی اہمیت حاصل نہ تھی۔"

یہ کہہ کر مسٹر لیون نے امید ظاہر کی محمد علی داستان گو بن کر خوب روپیہ کمائے گا۔

محمد علی نے کہا:

"بزرگ محترم! میری طبیعت داستان گوئی سے بھی لگا نہیں کھاتی۔ مجھے دوسروں کے کارنامے بیان کر کے خوشی نہ ہوگی بلکہ میری تو اپنی خواہش ہے کہ میں ایسے بہادرانہ کارنامے سرانجام دوں جو اپنے بڑھاپے میں اپنے خاندان کے افراد کو سناؤں تو وہ عبرت حاصل کریں۔ اب میری تو سمجھ میں یہی آیا ہے کہ مجھے ایک سپاہی بننا چاہیے۔ کیونکہ میں سپاہی بن کر ہی ترقی کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے جلد ہی ایک سپاہی کے روپ میں دیکھیں گے۔"

لیون نے کہا:

"تم نے حقیقتاً درست سوچا ہے۔ تم جیسے دل و دماغ کے مالک کے لئے عسکری خدمات سے بہتر کوئی پیشہ نہیں۔ اگر تم صحت مند نوجوان ہوتے تو میں تمہیں بخوشی سپاہی بننے کا مشورہ دے دیتا لیکن تمہاری عمر تو ابھی بمشکل تیرہ برس کی بھی نہیں ہوئی۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تم فوجی خدمات کے قابل نہیں ہوئے۔ تمہیں پندرہ برس کا ہوشیار لڑکا ہونے تک صبر کرنا چاہیے۔ جب تمہاری عمر پندرہ برس کی ہو جائے تو فوج میں بھرتی ہو جانا۔ تم عسکری خدمات کے دوران زندہ رہے تو مجھے پورا یقین ہے کہ اقبال مندی تمہارے قدم چومے گی اور دولت تمہارے گھر کی لونڈی ہوگی ــــ خیر اب چونکہ کافی رات ہو چکی ہے اس لئے تم اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ ہاں یہ یاد رکھنا کہ میں تمہارا سچا ہمدرد ہوں اور میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ جب بھی

تمہیں یا تمہاری والدہ کو میری مدد کی ضرورت ہو گی۔ میں اس سے دریغ نہ کروں گا۔ تمہیں کسی معاملہ میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب بھی کسی قسم کی ضرورت ہو فوراً مجھے ملو۔ میں ہر طرح تمہاری مدد کے لئے تیار رہوں گا۔"

محمد علی کے چہرے پر رونق آ گئی۔ اس نے لیون سے ہاتھ ملایا اور تشکر آمیز کلمات کہہ کر بولا:
"میں آپ کے مشورہ پر عمل کروں گا اور جب میری عمر پندرہ برس کی ہو جائے گی۔ فوج میں بھرتی ہو جاؤں گا۔ اگر آج میری قسمت میں کسی لشکر کا سردار بننا نہیں لکھا تو نہ سہی۔ میں اس کمی کو قوالہ کے لڑکوں پر حکومت کر کے پوری کر لوں گا۔ میں لڑکوں کو حکم دوں گا کہ وہ میرا احترام کریں اور مجھے میرا نذرانہ پیش کرتے رہیں۔"

④

غبار

•

محمد علی اپنے خاندان کے ساتھ بیتنے ہوئے واقعات سے بہت متاثر ہوا۔ اُسے ہر طرح کے کھیل تماشوں میں اپنا وقت گنوانے سے نفرت ہوگئی۔ اب وہ اپنے ہم عمر لڑکوں سے میل جول بھی پسند نہ کرتا اور تنہا اپنے باپ کی نشانی ایک بندوق کو بغل میں داب کر شکار کے لیے گھومتا رہتا۔ کچھ ہی عرصہ بعد وہ ماہر نشانچی ہوگیا۔ اس کے بے خطا نشانے کی دُور دُور دھوم مچ گئی۔ اس نے اپنے چچا سے جو کبھی مشہور تیغ زن تھا، شمشیر زنی سیکھی۔ اب تو اسے سمندر سے قطعی خوف نہ آتا۔ اسے جیسے ہی معلوم ہوتا کہ سمندر غصہ میں پیچ و تاب کھا رہا ہے اور اس کی لہریں قوت کا مظاہرہ کر رہی ہیں وہ فوراً سمندر کنارے پہنچتا اور موجوں کے چیلنج کو قبول کر کے گھنٹوں ثابت قدمی سے مقابلہ پر ڈٹا رہتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب محمد علی نے ایک بہادر اور شجاع مرد بننے کی ٹھان لی ہے۔ وہ گھر آتا تو ماں اس کے چہرے پر اس کے دلی جذبات و احساسات کو صاف پڑھ لیتی۔ وہ اپنے بیٹے کی دلی آرزوؤں، خواہشوں اور امنگوں سے واقف ہوتی۔ تو دل ہی دل میں اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتی کہ میں اپنے بیٹے کو پسند کرتی ہوں، اس کے جذبات و احساسات کی قدر کرتی ہیں۔ خداوند کریم نے مجھے بھی مرد بنایا ہوتا تو یقیناً میں بھی اپنے بیٹے کی پیروی کرتی۔ ہر کام میں اپنے بیٹے کا ساتھ دیتی اور اپنی حال کی غربت و محتاجی کو کبھی پسند نہ کرتی۔ اپنی بلندی و برتری کی خاطر دور دراز ملکوں میں جاتی، بلاخوف و خطر ہنگاموں میں حصہ لیتی اور اپنی جدوجہد کو مسلسل جاری رکھتی۔ حتیٰ کہ کامیابی اور کامرانی میرے قدم چومتیں لیکن افسوس میں ایک کمزور و بے بس بیوہ بڑھیا ہوں موت میری راہ دیکھ رہی ہے اور اس وقت میری تسلی اور میرے اطمینان قلب کے لئے یہی کافی ہے کہ اپنے بیٹے کو شاہین بچہ کے نقشِ قدم پر گامزن دیکھوں جو اپنے تنگ و تاریک اور

برباد ہوتے ہوئے گھونسلے سے پرواز کرنے کے لئے پر تول رہا ہو اور چاہتا ہو کہ افق کی نیلگوں چھت تک پہنچنے کی جدوجہد کرے۔ شکار کی تلاش میں دُور دُور کی خبر لائے اور کامیاب ہو کر از سرِ نو اپنے گھونسلے کی تعمیر میں حصہ لے۔ اللہ تعالیٰ محمد علی کو لمبی زندگی بخشے اور رسولؐ پاک اسے اپنی امان میں رکھیں (آمین)

اب محمد علی کو سیر سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ سیر کو جاتا تو اکیلا ہی ساحل پر ٹہلتا رہتا یا ساحل کے آس پاس پھیلی ہوئی دشوار گذار چٹانوں پر چڑھ کر غور و فکر میں کھویا رہتا۔

ایک روز وہ ایک پہاڑی پر چڑھا اور دور تک چڑھتا ہی چلا گیا۔ حتےٰ کہ چوٹی آ گئی۔ یہاں اس نے ایک تنگ غار دیکھا۔ غار کی بناوٹ اس قدر عجیب و غریب تھی کہ وہ بے اختیار ہو کر اس کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ غار کا منہ چھوٹا تھا اس لئے وہ کئی بار کی کوشش کے بعد بھی اپنے جسم کو اندر نہ لے جا سکا لیکن کئی بار کی ناکامی بھی اسے پست ہمت بنانے میں ناکام رہی۔ اس نے اپنی کوشش جاری رکھی اور آخر کار اپنا سر غار میں داخل کر لیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کھسک کر غار میں مکمل داخل ہو گیا اور اب اسے پتہ چلا کہ غار میں جوں جوں آگے بڑھا جائے اس کی چوڑائی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ابتدا میں اس نے اپنے کھڑے ہونے اور ٹہلنے کی گنجائش پیدا کی۔ پھر وہ آگے بڑھا اور ہولے ہولے چلتا ہوا آخری کنارے پر پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر وہ انتہائی خوش ہوا کہ غار کافی چوڑا ہے اور اس کے اوپر ایک سوراخ بھی ہے جس میں سے چھن چھن کر روشنی آ رہی ہے اور یہ تاریک غار ایک روشن کمرے کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ محمد علی نے دیکھا تو اسے غار کی دوسری طرف بھی ایک سوراخ دکھائی دیا۔ وہ سوراخ کے قریب پہنچا اور باہر کی طرف دیکھا تو یہ دیکھ کر اس کی مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا کہ یہاں سے سمندر کا صاف نظارہ کیا جا سکتا ہے اور اس کی موجوں کو باہم آنکھ مچولی کے کھیل میں مصروف دیکھا جا سکتا ہے۔

محمد علی نے فیصلہ کیا کہ وہ اس غار کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتائے گا۔ اس کی ملکیت کے حقوق ہمیشہ اپنے پاس رکھے گا اور اسے اپنی خلوت گاہ کے طور پر استعمال کرتا رہے گا۔ وہ گہرے غور و فکر میں کھویا ہوا سوچ رہا تھا کہ شاید کبھی مجھے اپنے دشمنوں کی مخالفت اور

دوستوں کے حسد سے نجات پانے کے لئے اس غار کی ضرورت محسوس ہو۔ اس لئے میں اُسے اپنالوں تو اپنے بچاؤ کی صورت پیدا کرلوں گا

یہ سوچ کر اس نے غار کی صفائی شروع کی۔ چھوٹے چھوٹے پتھروں کو اٹھا کر باہر پھینکا اور غار کے منہ کو ایک بڑے پتھر سے پیٹ پیٹ کر اس قدر کشادہ کر لیا کہ وہ بہ آسانی اندر داخل ہو کر باہر نکل سکے۔ اُس نے غار کو اپنی پوری توجہ کا مرکز بنا لیا۔ اب اسے اپنی ماں، چچا یا بہن سے کچھ رقم ملتی تو وہ اسے ایسی چیزوں کی خرید پر خرچ کرتا جو غار کے لئے کارآمد ثابت ہوں۔ وہ دن میں تکیہ، دری، چٹائی اور اسی قسم کی دوسری چیزیں خریدتا اور کسی شناسا کے گھر رکھ آتا۔ پھر رات کو سب کی نظریں چھپا کر ان چیزوں کو گھر لانے کے بہانے اٹھاتا اور رات کی تاریکی میں غار کی راہ لیتا۔ غار میں وہ چٹائی پر دری بچھا کر اور اپنے سرہانے تکیہ رکھ کر بیٹھتا تو مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا۔ اس وقت اس کے خیالات کی پرواز عرش معلّے کی خبر لاتی۔ وہ خود کو ایک عظیم سلطنت کا فرمانروا سمجھتا۔ جو اپنے شاندار محل میں بیٹھا ہو۔ روشن شمعوں نے محل کو جگمگا رکھا ہو۔ چٹائی اور معمولی سی دری ریشمیں بستر بن چکی ہو۔ حسین وجمیل غلام اور کنیزیں ہاتھ باندھے اس کے حکم کی تعمیل کے لئے کھڑے ہوں اور سمندر کی موجوں کا شور ایسا میٹھا راگ گائے جو اس کے کانوں میں شیرینی گھول دے۔

محمد علی گھنٹوں اپنے خیالات کی پرواز کے ساتھ ساتھ اونچی فضاؤں میں گھومتا رہتا۔ حتیٰ کہ بھوک ستاتی اور وہ بادلِ نخواستہ غار سے باہر نکلنے پر مجبور ہوتا اس وقت اسے بھوک پر غصہ آجاتا۔ اس کا خیال تھا کہ بھوک دنیا کی بدترین شے ہے۔ انسان کی ایسی دشمن ہے جو غلبہ پاتے ہی اسے دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ اس نے سوچا کہ اسے اپنی بھوک کو اپنے قبضہ واختیار میں رکھنا چاہئے تاکہ بھوک بے دست و پا ہو کر رہ جائے اور کسی صورت بھی ستا نہ سکے۔ آہستہ آہستہ محمد علی نے بھوک پر قابو پانے کے خیال کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ اب وہ دو دو تین تین روز تک اپنے خالی پیٹ کے ساتھ غار میں پڑا رہتا۔ وہ مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ بھوک کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا اور خود کو اس مرحلے پر لے آئے گا کہ جب چاہے پیٹ بھر کر کھائے اور جب چاہے کچھ بھی نہ کھائے۔

ایک بار محمد علی نے مسلسل دو روز تک فاقہ کیا۔ وہ غار میں پڑا رہا اور گھر بھی نہ گیا۔ جب دو روز گذر گئے اور تیسری صبح سورج طلوع ہوا تو اس کی ماں بے چین ہو کر اٹھی۔ اسے ان گنت اندیشوں نے گھیر لیا۔ وہ سوچنے لگی کہ میرا بیٹا کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اس لئے گھر نہیں آسکا۔ وہ تمام دن اپنی جھونپڑی کے سامنے بیٹھی روتی، چلاتی اور چیختی رہی۔ حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ رات کی آمد کے ساتھ ہی سامنے سے محمد علی آتا دکھائی دیا۔ اس وقت محمد علی کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور جسم کمزوری کے چنگل میں گرفتار تھا۔ محمد علی کی ماں پر نظر پڑی تو اپنی بری حالت کو چھپانے کے لئے اپنے چہرے پر مسرت کے جذبات لانے کی کوشش کرنے لگا۔ ماں نے جیسے ہی محمد علی کو دیکھا بھاگ کر اس کے قریب پہنچی اور اسے اپنی آغوش میں لے کر بولی:

"میرے چاند! تم کہاں جا چھپے تھے۔ میں تمہاری گمشدگی سے سخت بے قرار تھی۔"

محمد علی نے جھک کر ماں کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔

"ماں! میں اپنے روشن مستقبل کی تعمیر میں مصروف تھا۔ اس وقت کو قریب لانے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ جب دنیا مجھے ایک فرمانروا کی حیثیت سے جانے گی اور میں اپنے دشمنوں کے سر پر ایک ننگی تلوار کی طرح لہرا رہا ہوں گا۔ ماں! تمہارا خواب حقیقت بن جائے گا اور تمہیں خواب میں جو عظیم فرمانروا نظر آیا تھا وہ تمہارے بیٹے کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ تمہارا بیٹا جو کل کا حکمران ہے آج تمہارے روبرو جھکا ہوا تمہیں السلام علیکم کہہ رہا ہے اور تمہاری دعاؤں کا طالب ہے۔"

ماں مسکرائی پھر بولی:

"تمہارا چہرہ زرد ہو رہا ہے اور تمہارا جسم کمزور ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے؟"

محمد علی نے گھبرا کر جواب دیا۔

"مجھے خود علم نہیں .... کہ میری اس کمزوری کی کیا وجہ ہے۔ گو میں سیر کو پسند کرتا ہوں لیکن پتہ نہیں میں اپنی اس خواہش کو عملی جامہ کیوں نہیں پہنا سکتا۔ ماں! تم اپنے دل کو میلا نہ کرو۔ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آؤ گھر چلیں۔"

یہ کہہ کر محمد علی نے چاہا کہ پہلے کی طرح آج بھی ماں کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر اپنی خوشی کا اظہار کرے لیکن وہ اسے اٹھانے میں ناکام رہا۔ اب ماں اس کی کمزوری کو بخوبی بھانپ گئی۔ اسے خیال پیدا ہوا کہ میرا بیٹا بھوکا ہے اس نے یقیناً کھانا نہیں کھایا لیکن وہ اس کا اظہار نہ کر سکی اور بولی :

" میں تمہارا انتظار کر رہی تھی اس لئے مجھے کھانے پینے کا ہوش نہ تھا۔ میں دو روز سے بھوکی ہوں اب دونوں اکٹھے کھانا کھاتے ہیں۔"

ماں نے فوراً دسترخوان لگا دیا۔ محمد علی کی نگاہیں دسترخوان کی طرف اٹھیں تو اسے دیکھ کر مسرت ہوئی کہ روٹیوں کے ساتھ ساتھ پھل بھی دسترخوان پر چنے گئے ہیں۔ محمد علی کے استفسار پر ماں نے بتایا کہ یہ پھل ان لڑکوں نے پیش کئے ہیں جو محمد علی سے شرط ہار چکے تھے۔ محمد علی نے یہ سنا تو اس کے چہرے پر سرخی آگئی اور اس نے خوش ہو کر روٹیوں کی طرف ہاتھ بڑھا لیکن ابھی اس نے نوالہ توڑا ہی تھا کہ جیسے یک لخت اسے کوئی خیال آگیا ہو۔ اس نے فوراً ہاتھ روک کر ماں سے کہا :

" ماں ! مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے تم سے پہلے کھانا نہیں چاہئے۔ کھانے میں سبقت والدین کا حق ہے۔ تم کھاؤ میں تمہاری خدمت کرتا ہوں، تمہارے بعد میں بھی پیٹ بھر لوں گا۔"

خضرہ نے اپنے بچے کے ان بلند و پاکیزہ خیالات کو جھٹلانے کی کوشش نہ کی اور بڑے بڑے نوالے منہ میں ڈالنے شروع کر دیئے۔ پھر چند ہی منٹ بعد کچھ پھل محمد علی کو دے کر کھانے کا حکم دیا۔ محمد علی بھوکا تو تھا ہی اس نے ماں کا شکریہ ادا کیا اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔ جب اس نے کھانے سے فراغت پالی تو ماں نے پھر استفسار کیا۔

" میرے لال ! یہ تو بتاؤ تم کہاں چلے گئے تھے ؟ "

محمد علی نے جواب دیا۔

" ماں ! میں کچھ وقت تو پہاڑ پر گھومتا رہا ہوں اور کچھ وقت سمندر کے کنارے چہل قدمی کرتا رہا ہوں۔"

خضرہ نے کہا:

"لیکن ان جگہوں پر تو گدھ ہیں یا کوّے۔ آخر تم نے اپنی خوراک کا کیا انتظام کیا ہوگا"۔

محمد علی اپنے چہرے پر سنجیدگی لا کر بولا:

"ماں! میں جان بوجھ کر بھوکا رہا۔ دراصل میں اپنی بھوک پر قابو پانا چاہتا ہوں۔ میں سچ عرض کر رہا ہوں کہ مجھے اس تجربے نے بہت فائدہ پہنچایا ہے کیونکہ بھوک سے مقابلہ کرنے اور اس کی سختیاں جھیلنے کے بعد مجھے آج کھانا کھانے میں جس قدر مزہ آیا ہے۔ اس سے پیشتر کبھی نہیں آیا تھا"۔

خضرہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور بولی:

"بیٹا! خداوند کریم تمہاری عمر دراز کرے اور تمہاری آرزوؤں کی تکمیل میں مدد دے۔ تم ہمیشہ خوش و خرم زندگی بسر کرو"۔

یہ کہہ کر خضرہ نے ایک گلاس اٹھا کر محمد علی کی طرف بڑھایا اور پھر کہا:

"لو یہ شربت پی لو۔ تمہارے ہمدرد دیلیون کا عطیہ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پھلوں کا شربت مفرح ہے اور طاقت بخشتا ہے"۔

محمد علی فوراً بولا:

"میری پیاری ماں! میں یہ شربت ہرگز نہ پیئوں گا۔ میری بہ نسبت تمہیں اس شربت کی زیادہ ضرورت ہے۔ مجھے پہاڑی چشموں کا پانی پسند ہے اور میرے لئے وہی آب حیات ہے"۔

یہ کہہ کر محمد علی نے فوراً مشکیزہ اٹھایا اور قریبی چشمہ سے پانی بھر کر لوٹ آیا جیسے ہی محمد علی نے انڈیل کر پانی کے دو گلاس پیئے۔ اس کے بدن میں چستی پیدا ہوگئی اور چہرے پر سرخی ابھر آئی۔ اب وہ ایک چاک و چوبند لڑکا تھا۔ ماں نے بیٹے کی اس بدلی ہوئی حالت کو دیکھا تو کہا۔

"تمہیں تندرست و توانا دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی ہے لیکن میں تمہیں خدا کی قسم دیتی ہوں کہ آئندہ ایسے تجربوں سے ہاتھ اٹھا لو جو صحت کے لئے نقصان دہ ہوں۔ میں مانتی ہوں کہ دکھوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنا اقبالمندی کی دلیل ہے لیکن خواہ مخواہ بھوکے پیاسے رہ کر اپنے جسم کو کمزوری کا شکار بنا لینا بھی تو دانائی کی بات نہیں"۔

محمد علی نے جواب دیا۔

"ماں! میں پاگل نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ اس قسم کے تجربے کرتا رہوں۔ میں سن چکا ہوں کہ انسان کسی چیز سے اُسی وقت پوری طرح لطف اندوز ہو سکتا ہے جب وہ کافی عرصہ تک اس کے حصُول میں ناکام رہا ہو۔ میں بزرگوں کے اس قول کو آزما چکا ہوں اور اب مری بھی یہی خواہش ہے کہ صبر و قرار کی دولت سے مالا مال ہو جاؤں۔ میں اپنے نفس کو مارنا چاہتا ہوں۔ آج کی بھوک پیاس کل میری راہنمائی کرے گی۔ پیاری ماں! مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور اس بارے میں مجھے کچھ نہ کہو۔ میں تمہارے خواب کی تعبیر کو حقیقت کا رنگ دینے کے لئے ریاضت کر رہا ہوں۔ خداوند کریم تمہارے خواب کو سچا کریں گے۔ اس وقت اللہ پاک ہی میرے حامی و مددگار ہیں اور وہی میری بگڑی کو بنانے والے ہیں۔"

"بیٹا! میں تمہاری جدوجہد کی داد دیتی ہوں لیکن میں تمہاری گمشدگی کو برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے ہر لمحہ تمہارا ہی خیال رہتا ہے۔ خیر اگر تمہیں تنہائی کی شدید ضرورت ہے تو تم کسی وقت تنہا بھی رہ لیا کرو لیکن مجھے یہ اطلاع ضرور ہونی چاہیئے کہ تم فلاں جگہ زندہ و سلامت موجود ہو۔"

"میں اپنی جھونپڑی سے قریب ہی موجود ہوتا ہوں۔ یقیناً آپ اس دن کو نہ بھولی ہوں گی۔ جب آپ اور میں پہاڑی کی چوٹی پر جا پہنچے تھے اور وہاں میں آپ سے چیتے کی بولی بولنے کی التجا کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ چیتے کی آواز سیکھ جائیں تاکہ جب بھی میری غیر حاضری میں آپ کو میری ضرورت محسوس ہو آپ جھونپڑی کے باہر آ کر ایک دو بار چیتے کی آواز نکالیں اور میں سنتے ہی بھاگ کر آپ کے قدموں میں آ جاؤں۔"

"بیٹا! مجھے چیتے کی آواز نکالنے سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ راہگیر مجھے چیتے کی طرح بولتے ہوئے دیکھ کر کیا خیال کریں گے۔ یقیناً اُن کا خیال ہو گا کہ میں کوئی پاگل عورت ہوں۔"

"ہمیں لوگوں کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔ یہی لوگ جو آج ہمیں اپنے مذاق کا نشانہ بنائیں گے، کل آپ کی خوشنودی حاصل کرنا باعث فخر سمجھیں گے اور آپ کی سفارش لے کر آپ کے بیٹے ہی کے دربار میں ناک رگڑتے ہوئے آئیں گے اور اللہ پاک آپ کو یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے زندہ رکھے گا۔"

اچانک محمد علی کی نگاہیں اپنی ماں کے چہرے پر گئیں تو اسے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ ماں مایوس اور رنجیدہ ہے۔ وہ بولا:

"پیاری ماں! تمہارے چہرے پر فکر و تردد کے نشانات کیسے ہیں ؟ تم غمگین کیوں ہو؟"

"میں یہ سوچ کر اداس ہو جاتی ہوں کہ شاید اس وقت تک زندگی میرے ساتھ وفا نہ کرے۔"

"تمہیں یہ خیال کیوں ستا رہا ہے۔ براہ کرم مجھے اپنی صحت و تندرستی کے بارے میں صحیح صحیح بتاؤ۔"

ماں نے درد کی ٹھیس محسوس کی لیکن اس کا اظہار نہ ہونے دیا اور اپنے چہرے پر بشاشت لا کر بولی:

"بیٹا! میں بالکل تندرست ہوں۔ تم میرے قریب ہوتے ہو تو بیماری دور بھاگ جاتی ہے۔ میری تندرستی اور میری مسرت کا باعث تمہارا قرب ہے اور میں . . . "

محمد علی نے ماں کو فقرہ مکمل نہ کرنے دیا اور بے تاب ہو کر کہا:

"میں تمہارے چہرے پر زردی ناچتی ہوئی دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے ہونٹوں پر کپکپاہٹ ہے اور تم کمزوری کے باعث گفتگو بھی سلیقہ سے نہیں کر رہیں۔ میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اپنی حالت سے مطلع کرنے میں دریغ نہ کرو۔"

"یہ حقیقت ہے کہ میں بالکل تندرست ہوں۔ میرے فکر مند ہونے کی وجہ محض یہی ہے کہ میں تمہیں جلد ہی صاحب اقبال دیکھنا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم خدا اور اس کے رسولؐ کی نظروں میں اچھے بنو۔"

"میں خدا اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی نظروں میں اسی وقت سرخرو ہو سکتا ہوں جب تم مجھے پسند کرو اور میرے لئے خدا اور رسولؐ کے حضور دعا کرو۔ خدا تمہیں میری خواہشوں کی تکمیل تک زندہ و سلامت رکھے تاکہ جب تمہاری ملاقات والد مرحوم سے ہو تو تم انہیں اپنے خواب اور کاہنہ کی تعبیر کے حقیقت بننے کا حال سنا سکو۔ میں تم سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ تم میرے عروج پر آنے تک زندہ رہو گی۔"

"میرے بیٹے! میں غیب کا حال نہیں جانتی اس لئے وعدہ نہیں کر سکتی۔ صرف خدا ہی

مستقبل کی باتوں سے واقف ہے۔ حیات و موت بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ بیٹے! انسان کو درخت کے پتوں سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔ خزاں کا موسم ہو۔ ہوا سرگوشیاں کرے تو پتے درخت کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور زمین پر گر کر آوارہ پھرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح زندگی میں بہار کے بعد خزاں کا دور دورہ ہوتا ہے۔ تخلیق کے بعد فنا کی باری آتی ہے ـــ موت کا فرشتہ خالق دو جہاں کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور اس کے بندے کی روح کو اس کے رب سے ملا دیتا ہے۔"

محمد علی نے فوراً ماں کو اس طرح اپنی گرفت میں لے لیا جیسے وہ اسے کسی طاقتور سے بچا رہا ہو۔ پھر وہ بولا۔

"مجھے اس کا یقین نہیں ہے کہ خداوند کریم میرے سر سے تمہارا سایہ اٹھا لے گا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ مجھے اللہ میاں اس کا موقعہ نہیں دے گا کہ میں تمہاری مہربانیوں اور کرم فرمائیوں کا بدلہ ادا کر سکوں۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی تم کو مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ تم لمبی عمر پاؤ گی اور خدا کے فضل و کرم سے میری خوشیاں دیکھو گی۔"

محمد علی کی گرفت نے خضرہ کی کمزوری میں مزید اضافہ کر دیا اور اس کے چہرے پر بھی اس کے نشان واضح ہو گئے لیکن وہ انہیں چھپانے کے لئے بیٹے کا ماتھا چوم کر بولی:

"میں آج تک اسی لئے بقید حیات ہوں کہ مجھے تمہاری پرورش مطلوب ہے۔ خدانخواستہ تمہارا وجود نہ ہوتا تو مجھے بھی زندگی کی پروا نہ ہوتی اور میں کافی عرصہ پہلے تمہارے والد مرحوم کے پاس پہنچ چکی ہوتی۔"

محمد علی نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ خضرہ نے کہا:

"بیٹے! تم مرد ہو اور مرد کبھی نہیں روتے۔ تمہیں سپاہی بننے کی خواہش ہے اور سپاہی تکلیف دل کو ہنس ہنس کر برداشت کرتے ہیں۔ کوئی مصیبت، کوئی پریشانی، کوئی دکھ، کوئی درد کسی بھی سپاہی کو پست ہمت نہیں بنا سکتا۔"

"میں صاف سمجھ رہا ہوں کہ تم اپنی اس گفتگو سے مجھے پتھر دل بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔ تم چاہتی ہو کہ میں حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہوں تاکہ تمہاری جدائی کے صدمہ کو برداشت

کر سکوں۔ گو میں زمانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کی قوت رکھتا ہوں لیکن تمہاری جدائی میری قوتّ برداشت سے باہر ہے۔ یقین کرو کہ جب بھی تم نے اس دنیا سے منہ موڑا میں بھی زندہ نہ رہوں گا۔ خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں سمندر میں کود کر خودکشی کرلوں گا یا پھر میں ۔ ۔ ۔ ۔"

محمد علی کا دل بھر آیا۔ وہ اپنے فقرے کو نامکمل چھوڑ کر ماں سے لپٹ گیا۔ خضرہ نے اسے روتے دیکھا تھا تو اس کی آنکھ بچا کر اپنے آنسوؤں کو آستین سے صاف کر لیا تاکہ محمد علی کو اس کے رونے کا پتہ نہ چل سکے۔ پھر وہ بولی:

"بیٹے! دل کی کمزوری کا باعث جسم کی کمزوری ہوتی ہے۔ تم تو خواہ مخواہ کے اندیشوں سے پریشان ہونے والے نہیں تھے۔ تمہیں تو دنیا کی آفات سے ڈرنے کی عادت نہیں تھی لیکن آج تم اپنے جسم کی طاقت کو بھوکے پیاسے رہ کر زائل کر چکے ہو۔ اس سے تمہارا دل بُری طرح متاثر ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تم بچوں کی طرح رو رہے ہو۔"

خضرہ کی گفتگو نے محمد علی کو متاثر کیا اور اُس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ پھر وہ بولا:

"پیاری ماں! میں تمہاری دلیری پر گواہ ہوں۔ تم مجھے بھی شجاعت کا درس دے رہی ہو۔ خدا نے چاہا تو میں بھی تمہارے نقشِ قدم پر چلتا ہوا دنیا سے مقابلہ کروں گا۔"

خضرہ نے محمد علی کی طرف دیکھا اور کچھ دیر ان دونوں کی نظریں ایک دوسرے پر جمی رہیں۔ جیسے اُن کے دل باہم گفتگو میں مصروف ہوں۔ محمد علی کو ماں کی گفتگو نے اس حد تک متاثر کیا تھا کہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی آج کے سبق کو فراموش نہ کر سکا۔

خضرہ نے کچھ دیر بعد اپنے ہاتھ کو محمد علی کے بازو پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میری خوشی کے لئے تمہیں اس کا وعدہ کرنا چاہیے کہ کل کی طرح آئندہ کبھی بھی اپنے جسم کو کمزور کرنے کے لئے بھوکے پیاسے نہیں رہو گے۔"

"میں صدقِ دل سے آپ کے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بھی بھوکا پیاسا نہیں رہوں گا۔ مجھے ایک تندرست و توانا جسم کی ضرورت ہے تاکہ اپنی زندگی کو سنوارنے

کے لیے صالح جدوجہد کر سکوں۔ اس کے ساتھ ہی چونکہ میں اپنے جسم کو اپنے دل کا تابع رکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے اگر میں ایک دو روز ادھر اُدھر غائب ہو جاؤں تو خدا کے لیے تم رو رو کر اپنے آپ کو ہلکان نہ کرنا۔ مجھے تنہائی پسند ہے کیونکہ تنہائی ہی میرا مدرسہ ہے جو مجھے اپنے خیالات سنوارنے میں مدد دیتا ہے۔ میں تنہائی میں بہادروں کی روحوں سے درس حیات لیتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنی آئندہ زندگی میں اس کی شدید ضرورت ہے۔ ہاں میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ آئندہ تم میری غیر حاضری سے کوئی اثر نہ لو۔ اگر میری شدید ضرورت محسوس ہو تو چیتے کی آوازیں نکالنا۔ میں فوراً حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔"

خفزہ نے اپنی بے چینی کو چھپا کر کہا:

"اگر میں چیتے کی آواز نہ نکال سکوں یا پھر میری آواز کمزوری کے سبب تم تک نہ پہنچ سکے تو؟"

یہ سن کر محمد علی نے اپنی ماں کا بغور جائزہ لیا۔ پھر بولا:

"کیا تم سچ مچ بیمار ہو۔ کیا تم اپنی زندگی سے مایوس ہو چکی ہو۔ آخر بات کیا ہے؟"

"میں فی الحال تو بالکل خوش و خرم ہوں لیکن حالات کو پلٹا کھاتے دیر نہیں لگتی۔ کیا پتہ کل کیا ہوگا؟"

محمد علی نے یہ سنتے ہی اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا اور ایک سرد آہ بھر کر بولا۔

"واقعی تم نے درست کہا۔ میں ابھی اپنے چچا طوسون آغا کو اپنے ہمراہ لا کر چیتے کی آواز نکالنے کی مشق شروع کروا دیتا ہوں۔ جلد ہی چچا جان اس میں مشاق ہو جائیں گے۔ پھر جب بھی تم کو میری ضرورت محسوس ہوگی۔ چچا سے کہہ کر مجھے بلوا لیا کرنا۔ اب تم اس کا وعدہ کرو، تاکہ میرے دل کو تسلی ہو جائے۔ تم نے وعدہ نہ کیا تو مجھے از حد افسوس ہوگا۔ اور میں تنہائی کے آرام اور دوسری ہر شئے کو اپنی نظروں سے گرا دوں گا۔"

"میں تمہاری خاطر وعدہ کر لیتی ہوں۔ تم میرے لیے اپنے مستقبل کو درخشاں بنانے میں کسی قسم کی کمی نہ کرنا۔ اے میرے ننھے شاہیں! پر پرواز تول اور اونچی چٹانوں میں بسیرا کر۔ خداوند کریم تیرے سر پر اپنا سایہ رکھے اور تجھے راہ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔"

خضرہ نے محمد علی کے ماتھے پر بوسہ دیا اور محمد علی اپنی ماں کے ہاتھ کو چوم کر اپنے چچا سے ملاقات کے لئے روانہ ہوگیا۔ اُس کا چچا اپنی جھونپڑی کے قریب ہی کام میں مصروف تھا۔ محمد علی نے چچا کو اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کیا اور چیتے کی آواز سیکھنے کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ تو اس کے چچا طوسون آغا کے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ وہ بولا:

"میرے بیٹے! تم مجھ سے مذاق کیوں کر رہے ہو؟ آخر تم یہ کیوں چاہتے ہو کہ میں اس عمر میں بچپن کے زمانے کی طرف لوٹ جاؤں اور بچّوں کی طرح جانوروں کی آوازوں سے اس لئے واقفیت پیدا کروں کہ تمہاری ماں جب بھی تمہیں اپنے پاس بلانا چاہے، میں بھیڑیئے کی آوازیں نکال کر تمہیں اطلاع دوں"؟

محمد علی نے چچا کو بھیڑیئے کی آواز سیکھنے پر آمادہ کرنے کی بے حد کوشش کی۔ کبھی تو منت سماجت سے سمجھانا چاہا اور کبھی پر زور الفاظ میں اصرار کیا لیکن چچا ٹس سے مس نہ ہوا۔ اب محمد علی کو ضبط کا یارا نہ رہا اس نے چچا کو ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا اور کھینچتا ہوا پہاڑی کے عین نیچے لے آیا۔ یہاں محمد علی نے چچا کو کئی جذباتی واسطے دیئے۔ پھر ماں کی خواہش کو موثر الفاظ میں بیان کرکے درخواست کی۔ اس نے اس قدر اصرار کیا کہ چچا نے ہتھیار ڈال دیئے محمد علی نے طوسون آغا کو بھیڑیئے کی آوازیں نکال کر سنائیں۔ طوسون آغا نے مشق کی اور آہستہ آہستہ بھیڑیئے کی آواز کی کامیاب نقل کر لی۔ اب محمد علی بہت خوش ہوا اور بولا:

"اب مجھے کوئی فکر نہیں رہا۔ ماں آپ کو میرے بلانے کے لئے کہے تو آپ اسی جگہ کھڑے ہو کر بھیڑیئے کی آوازیں نکالیں۔ میں سنتے ہی فوراً آجاؤں گا اور ہاں چچا جان آپ کو خدا کی قسم ہے یہ تو بتائیں میری ماں بیمار ہے یا تندرست؟"

طوسون آغا نے یہ سنا تو اس کے چہرے پر فکر و تردّد کے آثار نمایاں ہونے لگے اور اُس نے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا جواب دے؟ محمد علی نے اسے پریشان دیکھا تو کہا۔

"پیارے چچا! میں آپ کو قسم دے چکا ہوں اس لئے آپ براہِ کرم مجھے میری ماں کی صحت کے بارے میں صحیح حالات سے آگاہ کریں"

"میرے بیٹے! ضد نہ کرو کیونکہ خدا کے کاموں میں دخل دینا مناسب نہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے سر جھکا دینا چاہیئے"۔

"خداوند کریم نے اپنی مقدس کتاب قرآن حکیم میں حکم دیا ہے کہ اولاد اپنے ماں باپ کی خدمت کرے اور میں اپنے اس فرض کو بجا لانے کے لئے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میری ماں اس حال کو کیسے پہنچی ہے؟"

طوسون آغا نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہاری ماں اس قدر کمزور ہے کہ اس کے لئے چلنا پھرنا بھی دوبھر ہو رہا ہے۔ اسے ہمیشہ بخار رہتا ہے اور اسی بخار نے اسے انتہائی کمزور ولاغر کر دیا ہے لیون صاحب کے یہاں سے تمہاری والدہ کے لئے ایک بوتل مقوی شربت آیا تھا تاکہ اس کے جسم میں طاقت آئے"۔

"چچا! میری والدہ ضرور صحت مند ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے مجھ سے دور رکھ کر مجھے یکا و تنہا اور بے سہارا کرنا نہیں چاہتا"۔

طوسون آغا نے محمد علی کو ملامت آمیز نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔

"تمہیں اپنے آپ کو اکیلا اور بے سہارا نہیں سمجھنا چاہیئے۔ تم صریحاً غلطی پر ہو۔ جب طوسوفان آغا کے جسم و روح کا رشتہ ابھی قائم ہے تو ابراہیم آغا کا فرزند کس طرح بے سہارا اور تنہا ہو سکتا ہے؟"

محمد علی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ پشیمان ہو کر چچا کے ہاتھ کو کئی بار چوم کر بولا:

"میرے محترم چچا! میں اپنی غلطی پر نادم ہوں اور آپ سے معافی کا طلبگار ہوں۔ دراصل والدہ کی جدائی کے خیال نے میری سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب کر دی تھیں۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں آپ کی سرپرستی اور آپ کے مہر و محبت کے سلوک کو بھول جاؤں۔ میں آپ کی مہربانیوں کا خلوص دل سے شکر گزار ہوں۔ اب آپ بھیڑیئے کی آواز نکالنے پر قادر ہو چکے ہیں۔ جب بھی مجھے طلب کرنے کا ارادہ ہو بھیڑیئے کی آواز کو فراموش نہ کیجیے گا"۔

اس کے بعد محمد علی چچا سے رخصت ہو کر چٹانوں پر ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا

نظروں سے غائب ہونے لگا۔

طوسون آغا نے اس کی چستی دیکھی تو اس پر اپنی نگاہیں جما کر سوچنے لگا کہ محمد علی بڑا ذہین بچہ ہے خدا اس کے سر پہ ماں کا سایہ رکھے اور مجھے موقع دے کہ اس کی دیکھ بھال کر سکوں۔

طوسون آغا کو ماں بیٹے کی ضروریات اور اپنی بے بسی کا خیال آیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے لیکن اس اندیشہ کے پیش نظر کہ آستین سے آنسو جذب کرنے میں محمد علی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اُس نے اپنے آنسو پونچھنے کی پروا نہ کی اور جب محمد علی چٹانوں کی اوٹ میں نگاہوں سے غائب ہو گیا تو اس نے اپنے آنسوؤں کو دامن سے پونچھا اور سر جھکا کر اپنی جھونپڑی کی راہ لی۔

۵

جدّ و جہد

●

محمد علی کو اپنی ماں کی بیماری نے پریشان کر رکھا تھا۔ اُس کے فکر و تردّد کی کوئی حد نہ رہی۔ اُس نے اپنے کھیل کود کے پروگرام کو بھی ملتوی کر دیا۔ اس کا چہرہ مُرجھا گیا۔ اس کے ہمجولیوں نے بھی اس سے ملنا جُلنا ترک کر دیا۔ تاہم وہ اپنی شرط کے مطابق اپنے باغوں کے پھل پھول اس کے گھر پہنچانا نہ بھولتے تھے۔ کبھی کبھار محمد علی اپنے دوستوں کو کشتی لڑنے اور تیز بھاگنے کو کہتا تو چند صحت مند لڑکوں کے علاوہ کوئی بھی آمادہ نہ ہوتا۔ لڑکے اچھی طرح جان چکے تھے کہ محمد علی پر فوقیت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اب تو لڑکے اسے دیکھ کر اس کی آنکھ بچا کر نظروں سے غائب ہونے کی کوشش کرتے۔ محمد علی ان کے رویہ کو دیکھتا تو دل ہی دل میں کہتا کہ آج یہ بزدل مجھ سے بھاگتے ہیں لیکن میں ان ننھے منّے پرندوں کو قفس میں اسیر کر لوں گا اور پھر یہ اچھی طرح جان جائیں گے کہ یہ میرے غلام ہیں اور میں ان کا آقا ہوں۔

محمد علی اپنی ماں کو راحت پہنچانے کے لئے روپیہ کمانے کے نئے نئے طریقے سوچتا رہتا اور اکثر گھر سے غیر حاضر رہتا۔ سمندر میں طوفان آجاتے اور مچھیرے ایمبر تک پہنچنے سے قاصر ہوں۔ تو وہ اس شرط کے تحت کہ اسے دُگنی اجرت دی جائے گی۔ ان کے جالوں کو سمیٹنے اور شکار کو حفاظت سے لانے کا ذمہ لے لیتا۔ ماہی گیر اپنے جالوں اور شکار کو طوفانی لہروں کی دستبرد سے بچانے کے لئے دوگنا معاوضہ ادا کرتے اور محمد علی ان کے جال اور شکار کو بچا لاتا۔

ایک روز سمندر میں طوفان برپا تھا۔ ایک ماہی گیر نے چاہا کہ اپنے جال اور شکار کو بچانے کے لئے خلیج پار کرے لیکن اسے ہمت نہ پڑی کیونکہ طوفان شباب پر تھا اور ہر طرف

گہری دھند چھائی ہوئی تھی۔ ماہی گیر سمجھ گیا کہ جال اور شکار سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ وہ کنارے پر کھڑا بے بسی سے ہاتھ ملتا ہوا اپنے مقدر کو کوسنے لگا۔ اسی وقت قریب ہی سے کسی نے ہولے ہولے کہا۔

"قسمت کو بُرا بھلا کہنے سے یہ کہیں زیادہ مناسب ہے کہ تم خلیج کے پار جاؤ اور اپنا جال اور مچھلی اٹھا لاؤ۔"

ماہی گیر نے گھوم کر دیکھا تو محمد علی کو اپنے عقب میں مسکراتے ہوئے کھڑا پایا۔ ماہی گیر نے کہا۔

"اس قدر طوفان اور گہری دھند میں کس کی ہمت ہے کہ خطرے میں کودے۔ پھر آج جمعرات ہے آج کے روز سمندری دیوا اپنے غاروں سے باہر آ کر انسانوں کا شکار کرتے ہیں۔ افسوس میں اپنے جال اور شکار سے محروم ہو گیا۔ میں مجبوراً تمہارے چچا طوسون آغا سے دوسرا جال خریدوں گا اور وہ حسب عادت میری تمام پونجی ہتھیا لے گا۔"

"چچا جان بیمار ہیں تمہیں جال نہیں مل سکتا۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے جال اور شکار کو بچانے کے لئے جدوجہد کرو۔ تم پھر ایسا جال نہ پا سکو گے۔"

ماہی گیر کو غصہ آ گیا۔ وہ بولا:

"تم بیکار کی باتیں کر رہے ہو۔ میں مجبور ہوں۔ مجھ ہی پر کیا منحصر ہے آج کے روز کوئی مشاق شکاری بھی خود کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔"

"اگر تم ہمت ہار بیٹھے ہو تو بتاؤ مجھے کیا دو گے۔ میں تمہارے جال کو مع مچھلیاں لے آتا ہوں۔"

"بھئی محمد علی! یہ مذاق کا موقع نہیں۔ میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ تم اس خوفناک طوفان میں اپنی جان کے ساتھ دشمنی کرنے پر آمادہ ہو۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ ہم ساحل پر ہیں لیکن سمندر پھر بھی ہمیں اپنے خون آلودہ آغوش میں سمیٹنے کے لئے بار بار حملہ آور ہو رہا ہے۔ اب غور کرو تو تمہیں بخوبی علم ہو جائے گا کہ موجوں کے قابو میں آنے کے بعد ہماری کیا حالت ہو گی۔"

"میں تمہاری ہلکی پھلکی کشتی سے خلیج کو عبور کر سکتا ہوں اور چونکہ بحری دیو مجھ سے پیار

کرتے ہیں۔ اس لئے وہ مجھے ایمبرو پہنچانے میں میری مدد کریں گے۔ میں تمہاری چیزیں بچا سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرا منہ مانگا معاوضہ ادا کرنے کا وعدہ کرو۔"

ماہی گیر عمرو کو اپنے جال اور شکار کے ملنے کی امید ہوئی۔ وہ بولا:

"مجھے کیا معاوضہ دینا پڑے گا؟"

"میں جال کو مع مچھلیاں بچا لاؤں تو مجھے اپنے جال کی نصف مچھلیاں دے دینا تمہارے چار دوست مچھلیوں کی قیمت لگائیں گے اور نصف قیمت کا میں حقدار ہوں گا جو تمہیں فوراً ادا کرنا پڑے گی۔"

عمرو نے غصہ میں آکر کہا۔

"میں بے وقوف نہیں ہوں کہ اس قدر معاوضہ دینا منظور کرلوں۔"

"حالانکہ تمہارے بے وقوف ہونے کی یہی دلیل ہوگی کہ تم میری بات نہ مانو گے اور نقصان اٹھاؤ گے۔ سن لو کہ اب میرے چچا جال نہیں بنتے اور تم اپنے مضبوط جال کو کھو رہے ہو۔"

"اس قدر لالچ نہ کرو۔ چلو میں چوتھائی قیمت دے دوں گا۔"

"مجھے سودا بازی پسند نہیں۔ نصف قیمت منظور ہو تو بولو۔ ورنہ میں جا رہا ہوں۔"

"افسوس ہے تم ضد کر رہے ہو۔ خیر میں نصف قیمت ہی منظور کر لیتا ہوں میری کشتی سنبھالو اور خدا کے لئے فوراً روانہ ہو جاؤ۔ کہیں طوفانی لہریں جال کو بہا نہ لے جائیں۔"

"مناسب ہے لیکن تمہاری بات کا کوئی گواہ ہونا چاہیئے۔" محمد علی نے کہا۔

عمرو نے مایوس ہو کر اپنی آنکھیں بند کرنے کے بعد کہا۔

"میرے وعدہ کے گواہ اللہ میاں ہیں۔"

"میں مانتا ہوں لیکن مجھے خطرہ ہے کہ سمندر کے شور و غل نے تمہارے وعدہ کو اللہ میاں کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیا۔ میں ابھی لیون کو لا رہا ہوں۔ تم اسے گواہ بنا لینا۔"

محمد علی یہ کہہ کر اس قدر سرعت سے بھاگا کہ عمرو کو موقع ہی نہ ملا کہ اسے روک

سکے۔ محمد علی نے لیون کی دوکان پر پہنچ کر اسے اپنے ہمراہ آنے کے لئے کہا تاکہ وہ شکاری اور اس کی شرط کا گواہ بن جائے۔ لیون کو محمد علی عزیز تھا اس لئے وہ کوئی حیل وحجت کئے بغیر اس کے ہمراہ چل پڑا لیکن جب عمرو نے شرط کی بنیادی وجہ بیان کی تو لیون قہر بھری نگاہوں سے عمرو کو دیکھتے ہوئے بولا:

"تم خدا کے سامنے کس منہ سے جاؤ گے اس بچہ کو ورغلا کر طوفان کی نذر کر رہے ہو تاکہ یہ اس موت کا تر نوالہ بن جائے جو منہ کھولے اس کی منتظر ہے۔ عمرو تم گناہ گار بننا چاہتے ہو؟"

محمد علی نے سنا تو غصّہ میں آکر اپنی آستینیں چڑھالیں اور کہا۔

"لیون صاحب مجھے دیکھئے۔ کیا میں ہزاروں مردوں سے مضبوط نہیں ہوں؟"

"میرے پیش نظر تمہاری عُمر ہے۔ اگر تم بچپن کی حدود سے بھی گذر گئے ہوتے تو بھی میں ایسے خوفناک طوفان میں کودنے کی مخالفت کرتا۔"

"معاوضہ معقول ہو تو میں طوفان سے نہیں گھبراتا۔"

پھر لیون کے کچھ کہنے سے پیشتر ہی محمد علی نے سرعت سے کشتی کھولی اور اگلے لمحہ اس میں بیٹھ کر طوفانی لہروں کو للکارنے لگا۔ کبھی کشتی بلند ہو کر آسمان کی خبر لانے لگتی اور کبھی یوں معلوم ہوتا کہ موجیں اسے زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں لے جا رہی ہیں۔ کچھ ہی دیر بعد محمد علی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور پوری قوت سے چپو چلاتے ہوئے جوش میں آکر گانے لگا۔

"میں اپنی زندگی کے آخری سانسوں تک خطروں سے لڑتا رہوں گا۔ اسی طرح زندگی کے دکھوں، دردوں اور غموں پر قابو پاتا رہوں گا۔ طوفانی لہریں میرے جواں ارادوں کا احترام کریں گی اور ایمبرو کو پہنچانے میں میری مدد کریں گی۔"

تیز و تند ہوا نے واقعی محمد علی کے عزم کی پیٹھ ٹھونکی اور اسے جزیرہ ایمبرو پہنچا کر دم لیا۔ اُس نے جال سمیٹتے وقت مچھلیوں کی بڑی تعداد دیکھی تو گھبرایا اور واپسی کے لئے طوفان کے رکنے کا منتظر رہا۔ ماں کا کہنا درست تھا کہ بحری دیو، محمد علی پر مہربان ہیں اور اُسے تکلیف دینا پسند نہیں کرتے کیونکہ ابھی چند ہی منٹ گذرے تھے کہ طوفان کا زور و شور ختم ہو گیا۔ ہوا کی تیزی و تندی دم توڑ گئی۔ سمندر کی سطح پُرسکون ہو گئی۔

جزیرے کو گھیرے ہوئے بادل ادھر ادھر سرک گئے اور آفتاب نے جزیرے پر اپنی نظریں گاڑ دیں۔ اب محمد علی کو اپنے انتظار میں کھڑے ہوئے شکاریوں کے پاس پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ عمرو بھی انہیں شکاریوں میں شامل تھا۔

اب عمرو اپنی عجلت، بزدلی اور شرط پر پشیمان ہوا۔ وہ یہ دیکھ کر کہ جال میں سے خلاف معمول بہت زیادہ مچھلیاں برآمد ہوئی ہیں وعدہ خلافی کا مرتکب ہونا چاہتا تھا لیکن لیون اور دوسرے ماہی گیروں نے اسے سخت سُست کہا اور محمد علی کو پورے روپے دلوا دیئے۔ محمد علی کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ لیون نے اسے اپنے گھر چلنے کی دعوت دی تاکہ اکٹھے ہی کھانا کھائیں۔ محمد علی آگ کی مدد سے اپنے کپڑے بھی سُکھالے اور اپنی تھکن بھی دور کرلے۔ محمد علی نے مسکرا کر دعوت قبول کرتے ہوئے کہا:

"میرے بدن کی گرمی میرے گیلے کپڑوں کو سکھا دے گی۔ ہاں میں سخت محنت سے تھک ضرور گیا ہوں۔ چند بار تو مجھے یہ محسوس ہوا تھا کہ بحری دیو مجھے اپنا لقمہ بنانا چاہتے ہیں لیکن ان کی گھن گرج میرے کانوں کو نغمہ کی سحر بھری آواز معلوم ہوتی تھی۔"

لیون نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

یہاں تو میں لوگوں سے ڈرتا ہوں لیکن کیا تم میری روانگی کے وقت میرے ہمراہ میرے وطن چلنا اور میرا مذہب قبول کر کے میرے مال و دولت اور میری املاک کا وارث بننا پسند کرو گے؟"

"آپ مذاق کر رہے ہیں حالانکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابراہیم آغا کا بیٹا کسی اور کا فرزند بننا کبھی بھی قبول نہیں کر سکتا۔ پھر جو مسلمان عیسائی ہو جاتا ہے اسے مرتد کہتے ہیں۔ میں معافی کا خواستگار ہوں۔ کیونکہ میں آپ کا احترام کرتا ہوں۔ ورنہ میں ...."

لیون نے محمد علی کو فقرہ مکمل نہ کرنے دیا۔ فوراً بولا:

"تمہارے خیال میں نصرانی مرتد ہیں؟ خیر کوئی بات نہیں۔ اس موضوع کو یہیں ختم کر دیتے ہیں۔ میری غلطی ہے میں نے جیسا کہا تھا ویسا ہی سن لیا۔ آؤ ہم پھر اپنے قدیم تعلقات کو پیش نظر رکھتے ہیں اور مل جل کر کھانا کھاتے ہیں۔"

پھر دونوں نے ہنسی خوشی کھانا کھایا اور محمد علی نے لیون سے ایک عمدہ ریشمی دوپٹہ اور ایک سنہری نقاب خریدنے کی خواہش کی۔ پہلے تو لیون کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ لڑکا اس قسم کی چیزیں کس کے لئے خرید رہا ہے لیکن محمد علی نے اسے بتایا کہ یہ چیزیں وہ اپنی والدہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ انہیں پہن کر نماز کے لئے جامع مسجد جائے تو دوسری عورتیں دیکھ کر رشک کریں۔ لیون نے یہ سنا تو محمد علی کی فرمانبرداری پر خوش ہوا اور اس کی سعادت مندی کو سراہنے کے لئے آئندہ اسے بیٹا کہنے کی خواہش کی جو محمد علی نے منظور کر لی۔ پھر لیون نے اسے قیمت کا خیال نہ کر کے دوپٹہ اور نقاب پسند کرنے کے لئے کہا۔ محمد علی نے کافی بیش قیمت چیزیں پسند کیں اور لیون کو عمرو سے لیا ہوا تمام روپیہ دے کر دونوں چیزیں بغل میں داب کر گھر کی راہ لی۔ گھر پہنچا تو ماں کے سامنے آ کر بولا:

"پیاری ماں! میں نے تمہارے لئے وہ چیزیں مہیا کی ہیں جن کی تمہیں خواہش تھی۔"

"بیٹا! مجھے تمہارے علاوہ کسی شے کی خواہش نہیں۔"

"میں اپنی محنت و مشقت کی کمائی سے تمہارے لئے ایک ریشمی دوپٹہ اور سنہری نقاب خرید کر لایا ہوں۔ امیر عورتیں اس قسم کی چیزیں پہنا کرتی ہیں۔" یہ کہہ کر محمد علی نے دونوں چیزیں ماں کے سامنے رکھ دیں۔

خضرہ ان چیزوں کو دیکھ کر ناخوش ہوئی اور بولی:

"میرے بیٹے! مجھے بناوٹ اور غرور سے نفرت ہے۔"

"میں نے نقد قیمت ادا کر کے یہ چیزیں خریدی ہیں۔ تمہارا پھٹا پرانا لباس دیکھ کر لوگ ہماری مفلسی کی ہنسی اڑاتے تھے اور مجھے رنج ہوتا تھا۔ آج میں خوش ہوں کہ خدا نے مجھے بھی اس قابل کیا ہے کہ اپنی ماں کو اچھے اچھے کپڑے پہنا سکوں۔"

"ابراہیم آغا کی غریب بیوہ کو اچھے لباس میں دیکھ کر لوگ تمسخر اڑائیں گے۔ اس لئے میں انہیں ہرگز نہ پہنوں گی۔ اگر یہ چیزیں واپس نہیں ہو سکتیں تو میں انہیں تمہاری بیوی کے لئے سنبھال رکھتی ہوں۔"

محمد علی نے لاکھ اصرار کیا لیکن خضرہ نہ مانی اور محمد علی غصہ میں آ کر بولا:

"میں یہ ہدیہ سمندر کی پریوں کو پیش کرنے جا رہا ہوں۔ وہ میری ممنون ہوں گی۔ کیونکہ وہ بخوبی واقف ہیں کہ اسے حاصل کرنے کے لئے مجھے اپنی زندگی کی بازی لگانی پڑی تھی۔"

یہ کہہ کر محمد علی انتہائی تیز رفتاری سے دروازے کی سمت بھاگا۔ خفرہ نے فوراً آواز دی۔

"بیٹے! کہاں چلے؟"

"کپڑوں کو سمندر کی نذر کرنے۔"

"خیر لوٹ آؤ۔ مجھے قبول ہیں کیونکہ ضائع کرنے سے سنبھال کر رکھنے بہتر ہے۔"

"تمہیں یہ کپڑے پہننے بھی ہوں گے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اپنی ماں کو دنیا بھر کی عورتوں میں بلند و تر دیکھوں۔" محمد علی نے یہ کہا تو اس کے چہرے پر خوشی ناچنے لگی۔

خفرہ کپڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ پھر ریشمیں دوپٹہ کو دیکھتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس وقت وہ رنج و غم کی ایک منہ بولتی تصویر دکھائی دیتی تھی۔ محمد علی کی نظر اس کے چہرے پر گئی تو وہ بھی غمزدہ ہو گیا اور بولا:

"پیاری ماں! تمہاری بے چینی گواہی دے رہی ہے کہ تم بیمار ہو۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟"

"میں بالکل تندرست ہوں۔ تم مجھے اپنے لائے ہوئے کپڑوں میں ملبوس دیکھو گے تو تمہیں انتہائی مسرت ہوگی۔ خدا تمہارے کاموں میں برکت دے اور تم دن دگنی رات چوگنی ترقی کرو۔ میں تمہارے اس تحفے کو زندگی بھر سنبھال کر رکھوں گی۔"

محمد علی نے ماں کے ہاتھ کو چوما اور کہا:

"اماں جان! میں ممنون ہوں کہ تم نے میرے تحفہ کو قبول کر لیا۔ امید ہے تم میرے اس فعل کو ناپسند نہیں کرو گی۔"

خفرہ کو ضبط کا یارا نہ رہا۔ وہ بولی:

"میں تم سے ناراض نہیں ہوں اور ہاں آج کیا وجہ ہے کہ تم خلافِ معمول کافی دیر تک گھر پر رہے ہو۔ آج تم چہل قدمی کے لئے ساحل پر بھی نہیں گئے۔ تم گھوم پھر آؤ۔ مجھے بھی تمہارے بیمار چچا کی عیادت کے لئے جانا ہے۔ خیر تم میری خاطر جلد لوٹنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں تمہارے

چچا کے گھر سے لوٹ کر تمہارا انتظار نہ کروں گی بلکہ سو جاؤں گی۔ تم میری طرف سے مطمئن رہنا۔ خیر اب تم جاؤ۔ خدا تمہاری حفاظت کرے۔"

محمد علی کے چہرے پر رونق آ گئی۔ اس نے مسکرا کر ماں کا ہاتھ چوما اور باہر کی طرف ہو لیا۔

(۶)

خیالِ خاطرِ احباب

●

محمد علی نے ماں سے رخصت ہو کر گلیوں سے ہوتے ہوتے پہاڑی کی راہ لی ـــ وہ سوچ رہا تھا ـــ آج مجھے ایک سبق ملا ہے اور ماں بھی اپنی صحت کے بارے میں مطمئن ہے اس لئے اب میں اپنے خفیہ گھر پر کچھ دیر سستالوں تو اچھا ہے۔ چوٹی پر جلد سے جلد پہنچنا چاہتا تھا۔ اس لئے ہولے ہولے بھاگنے لگا۔ آخر کار غار کا منہ آگیا اُس نے غور سے آس پاس دیکھا اور فوراً غار میں داخل ہو گیا۔ یہاں پہنچتے ہی اس کے دل میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اُس کا دل مسرّت کے جذبات سے بھر گیا، اور وہ بلند آواز میں اپنے آپ سے مخاطب ہوا "مجھے اپنی سلطنت میں پہنچنے کی خواہش تھی اور میں اپنی سلطنت میں آگیا ہوں۔ اس وقت میری ہمسری کوئی نہیں کر سکتا" وہ یہیں تک کہہ پایا تھا کہ اچانک کسی خیال کے آتے ہی خاموش ہو گیا اور قدرے توقف کے بعد دوبارہ اپنے آپ سے مخاطب ہوا۔ ماں نے بتایا تھا کہ عزت اسے حاصل ہوتی ہے جو اپنے نفس پر قابو پالیتا ہے اور میں اپنے پروردگار سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی آرام کی خواہش نہ کروں گا۔ میں اپنے آپ کو اس قدر محنت کا خوگر بنا لوں گا کہ میرے لئے آرام و راحت کی کوئی وقعت نہ ہوگی۔ گو اس وقت میں اس غار میں بڑے آرام سے اپنے تخت پر براجمان ہوں اور آسمان اور سمندر کی دو کھلی کتابوں سے کام کی باتیں پڑھنا چاہتا ہوں لیکن یہ میری ناسمجھی ہے۔ مجھے اس طرح کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ مجھے خیالی گھوڑے دوڑانے کے بجائے حقیقت کے کندھوں پر سوار ہو کر زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ دوسروں کی گفتگو اور اُن کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ یہ سوچتے ہی محمد علی اٹھا اور غار سے باہر نکل آیا۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اب مشہور داستان گوؤں کے قصّے سننے گا اور ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کرے گا۔

محمد علی پہاڑی سے اتر کر کچھ زیادہ دور نہ پہنچا تھا کہ راہ میں اس کی نظر حسان شورسچی پر پڑی جسے اس کے نوکروں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ حسان نے محمد علی کو دیکھتے ہی مسکرا کر السلام علیکم کہا ۔ محمد علی نے پورے وقار اور رکھ رکھاؤ سے وعلیکم السلام کہہ کر جواب دیا۔ پھر حسان نے محمد علی کو بتایا کہ وہ اپنے کئی آدمیوں کو اس کی تلاش میں بھیج چکا ہوں کیونکہ اس کے بیمار بیٹے عثمان نے ایک اڑتے ہوئے کبوتر کو دیکھ کر اس کا بھنا ہوا گوشت کھانے کی خواہش کی ہے گو کبوتر کا شکار دقت طلب ہے لیکن انسانی فطرت ہے کہ جو چیز مشکل سے میسر آتی ہے اسی کی تمنا کی جاتی ہے۔ حسان نے مزید کہا کہ اب چونکہ اس کی خوش قسمتی سے محمد علی سے اتفاقاً ملاقات ہو گئی ہے اور وہ اس سے بخوبی واقف ہے کہ محمد علی سے اچھا نشانچی کوئی دوسرا نہیں اس لئے مہربانی کر کے محمد علی چند کبوتروں کا شکار کر لائے تو اس پر احسان ہو گا۔

محمد علی نے کہا کہ وہ اپنے شریف آقا عثمان کی خدمت کر کے بڑی مسرت محسوس کرے گا۔ عثمان کو تسلی دی جائے وہ ابھی شکار لے کر پہنچتا ہے۔

محمد علی اپنی جھونپڑی میں پہنچا۔ بندوق میں چھرے بھرے اور کبوتروں کی تلاش شروع کر دی۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے قلیل عرصہ میں اس نے چار کبوتر شکار کر لئے اور انہیں حسان شورسچی کے محل کی طرف لے چلا۔ راہ میں محمد علی نے سوچا کہ میں نے آج ہی اپنے نفس کو مارنے کا قصد کیا ہے اور آج ہی بہت کچھ پالیا ہے۔ بھلا میری دلی مسرت کے لئے یہ کچھ کم ہے کہ میں عثمان کی خواہش پوری کر کے اس کی خوشی کا باعث بنا ہوں۔ اسی سوچ میں محو وہ جیسے ہی حسان کے محل پر آیا تو دیکھا کہ ایک آرمینی غلام نے دروازے پر اسے سلام کیا ہے۔ محمد علی نے وعلیکم السلام کہا تو غلام نے بتایا کہ وہ اسی کا منتظر ہے اور اپنے آقا عثمان اور ان کے والد کے حکم کے مطابق اسے اُن کے پاس باغ میں لے جانا چاہتا ہے جہاں وہ دونوں اُس کا انتظار کر رہے ہیں۔ غلام اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ محمد علی کو یہ باغ دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ پھولوں کی سجی سجائی معطر روشوں پر چلتے ہوئے بے اختیار اس کا جی چاہا کہ مسرت کے بھرپور قہقہے بلند کرے،

لیکن اس نے اپنی مسرت کے اظہار کو اپنے قابو میں رکھا اور بڑے تحمل اور بڑی بے پروائی سے قدم اٹھاتا ہوا ایک حریری پردے کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ پردے کے عقب میں بیمار عثمان ایک تخت پر لیٹا تھا اور اس کا باپ اس کے قریب ہی ایک بیش قیمت خوبصورت کرسی پر ڈٹ کر بیٹھا تھا جیسے ہی عثمان نے محمد علی کو دیکھا فوراً اپنے والد سے کہا کہ گو محمد علی میرا ہم عمر ہے لیکن ہماری تندرستی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس کی آنکھیں خوبصورت ہیں اور جسم بھرا بھرا سا ہے مردوں کی صحت ایسی ہی ہونی چاہیئے۔ بصورت دیگر ان کی زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

حسان لبوں پر آئی ہوئی سرد آہ کو روک اور ہونٹوں پر جھوٹی مسکراہٹ لا کر بولا کہ بیٹا! خدا تمہیں جلد ہی مکمل صحت بخشے گا اور پھر تم بھی محمد علی کی طرح طاقتور مرد بن جاؤ گے۔ یہ کہہ کر حسان نے محمد علی کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کر کے پوچھا کہ وہ کبوتر شکار کر کے لایا ہے یا نہیں؟

محمد علی نے کبوتر بڑھاتے ہوئے بتایا کہ وہ اپنے آقا عثمان کے لئے کبوتر لے کر آیا ہے۔ عثمان تکیہ کا سہارا لے کر بیٹھ گیا اور اپنے کمزور ہاتھ کو محمد علی کی طرف بڑھا کر مصافحہ کرنے کے بعد بولا:

"میرے دوست محمد علی تم میری ملاقات کے لئے کیوں نہیں آیا کرتے حالانکہ میں تمہیں مل کر بے حد خوش ہوتا ہوں"۔

"آپ سے ملاقات کی خواہش تو میرے دل میں بھی پیدا ہوتی رہتی ہے لیکن میں فقیر ہوں اور آپ امیر، ملاقات ہو تو کیونکر؟"

"کہتے ہیں صحت مند جسم میں اچھے خیالات پرورش پاتے ہیں اور اس لحاظ سے تم میری بہ نسبت کہیں زیادہ امیر کبیر ہو۔ پھر سمندری مخلوق اور ہوائی پرندے تمہارے حکم کے تابع ہیں کیونکہ تم طاقتور انسان بھی ہو"۔

حسان شوربچی کو بیٹے کی باتیں اچھی معلوم نہ ہوئیں اس لئے وہ بولا کہ عثمان! عزت و احترام اور دولت و ثروت سے مالا مال ہے۔ صرف صحت کی بات ہے جو خدا کے

فضل و کرم سے اسے بہت جلد میسر ہونے والی ہے۔ پھر حسان نے کبوتر دل کو ہاتھ میں اٹھا کر اُن کے حسین و جمیل پروں کو دیکھا اور کہا کہ ابھی ان میں زندگی کی رمق موجود ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک ان میں بھی جان تھی اور یہ فضاؤں میں پرواز کر رہے تھے لیکن اب انسانی تدبیر نے ان کے پر پرواز کتر لئے ہیں اور یہ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔ حسان نے مزید کہا کہ وہ محمد علی کا ممنون ہے جس نے اس کی خواہش کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔ پھر حسان نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ اشرفیاں برآمد کیں اور یہ کہتے ہوئے محمد علی کی طرف بڑھائیں کہ یہ اس کی محنت کا معاوضہ ہے۔

محمد علی فوراً چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے پر غصے کے جذبات ناچنے لگے۔ عثمان نے محمد علی کی یہ کیفیت دیکھی تو اسے آگے آنے کا اشارہ کر کے بولا:

" والد صاحب تمہیں اشرفیاں پیش کرنے کا مقصد واضح نہیں کر سکے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے یہ کبوتر مجھے اس لئے پیش کئے ہیں کہ تمہیں اپنے ایک دوست کی خواہش پوری کرنی تھی۔ تمہیں قیمت کا لالچ نہیں تھا۔ میں تمہاری کل کی مہربانی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ کل کا واقعہ تمہارے خلوص اور تمہاری دوستی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔"

حسان نے یہ سنا تو بڑے تعجب سے استفسار کیا کہ وہ کل کا واقعہ کیا ہے اور اسے اس سے کیوں لاعلم رکھا گیا ہے؟

عثمان نے جواب دیا۔

"میں نادم ہوں کہ آپ کی ناراضی کے پیشِ نظر کل کا واقعہ بیان نہ کر سکا۔ میں کافی عرصہ سے طبیب کی حسبِ خواہش اپنے دو خادموں کی مدد سے پہاڑ کی چوٹی پر جایا کرتا ہوں اور وہاں ایک درخت کے نیچے بیٹھا کرتا ہوں۔ یہ درخت مجھے اس لئے بے حد پسند ہے کہ میں وہاں سے سمندر کی سرگوشیاں بخوبی سنا کرتا ہوں اور افق کی اس لکیر کو دیکھا کرتا ہوں جو زمین و آسمان کو باہم ملاتی ہے۔ میں کل بھی اپنی جگہ بیٹھا ماحول سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک آسمان پر بادل گرجنے لگا۔ میں موسم کی اس اچانک تبدیلی سے مقابلہ کے لئے تیار نہ تھا۔ فوراً ہی خادموں کو گھر کی طرف دوڑایا

کہ عثمان کی آمد سے قبل گاڑی لے آئیں تاکہ میں بھیگنے سے محفوظ رہوں۔ خادم بمشکل تیس چالیس قدم گئے ہوں گے کہ بڑے زور کی بارش آ گئی اور درخت کے پتوں سے چھن چھن کر مجھے نہلانے لگی۔ مجھے شدید سردی محسوس ہوئی اور صاف پتہ چل گیا کہ اب میری خیر نہیں۔ میں ابھی پشیمانی کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا کہ میرے کانوں نے قدموں کی آہٹ سنی۔ میں نے دیکھا تو یہ محمد علی تھے۔ جنہوں نے میری زندگی کو خطرہ میں گھرا ہوا پاکر اپنے جسم کو برسات کی زد میں دے دیا اور خود بالکل بھیگ کر مجھے برسات اور سردی کے مہلک اثرات سے بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ خادموں کی واپسی تک ان کے کپڑے بالکل بھیگ چکے تھے۔ میں نے لاکھ اصرار کیا کہ یہ میرے ہمراہ چلیں لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ میں نے انعام پیش کرنا چاہا لیکن یہ نہ مانے بلکہ کہا کہ مجھے برسات میں بھیگ کر تکلیف نہیں خوشی ہوئی ہے کیونکہ اس طرح میں نے ایک صحت مند غسل کر لیا ہے۔ ہاں تم بھیگتے تو تمہیں یقیناً تکلیف ہوتی۔ پھر میں ابھی ان سے گفتگو ہی کر رہا تھا کہ انہوں نے مجھے وہیں چھوڑا اور خود فرار ہو گئے، مجھے شکریہ ادا کرنے کا بھی موقع نہ ملا۔"

حسان شوربجی نے یہ سنا تو کہا۔

"محمد علی! عثمان کو برسات کی زد سے بچا کر تم نے واقعی ہم پر احسان کیا ہے۔ تم بڑے انعام کے حقدار ہو گئے ہو۔ میں تمہیں پرانے اور بوسیدہ کپڑوں سے نجات دلانے کے لئے نئے کپڑے عطا کروں گا تاکہ تم انہیں پہن کر شریف آدمی بن جاؤ۔"

"صاحب! میں نئے لباس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، لباس سے شرافت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر مجھے ان پرانے اور بوسیدہ کپڑوں سے محبت بھی ہے کیونکہ یہ میرے والد مرحوم کی نشانی ہیں جنہیں میری والدہ نے محض خاطر سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ یہ کپڑے مجھے اپنے باپ کی یاد دلاتے ہیں۔" محمد علی نے کہا۔

"خیر، یہ اشرفیاں لینے سے تو انکار نہ کرو۔" حسان نے کہا۔

محمد علی بولا:

"یہ اشرفیاں مجھ پر حرام ہیں کیونکہ کوئی بھی اپنے فرض کی ادائیگی پر معاوضہ وصول نہیں

کیا کرتا۔ میں خوش ہوں کہ میں نے اپنا انسانی فرض ادا کیا ہے۔"

محمد علی نے کہا۔

محمد علی کے انکار سے حسان شوربجی کے ماتھے پر شکنیں اُبھر آئیں لیکن ابھی وہ کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ عثمان نے پہل کر کے کہا۔

"میرے دوست محمد علی یہ اشرفیاں میری اس غرض کے لئے ہیں جو میں ابھی بیان کر رہا ہوں۔ میں قبل ازیں تمہیں بتا چکا ہوں کہ والد صاحب ان اشرفیوں کو تمہارے سپرد کرنے کی وجہ بتانا بھول گئے ہیں لو سنو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ شہر میں ایک نئے قصہ گو کے چرچے ہیں۔ لوگ اسے احمد شاعر پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ تم تو واقف ہی ہو گے کہ احمد کی کل پونجی قدیم کہانیاں اور ترکیہ کی داستانیں تھیں جنہیں وہ بازار میں لوگوں سے بیان کیا کرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نیا داستان گو قسطنطنیہ سے ہو کر آ رہا ہے۔ اس کی داستانیں سنسنی سے بھرپور، مزے دار اور دلچسپ ہیں۔ وہ فن داستان گوئی سے واقف ہے اور ایک کرایہ کے مکان میں بیٹھ کر داستانیں سناتا ہے۔ اس کے مکان میں داخلے کا ٹکٹ بھی ہے۔ میری خواہش تھی کہ وہ خود وہاں جا کر اس کی زبانی داستانیں سنتا لیکن میری صحت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر والد صاحب کا خیال ہے کہ کہانیوں کی سماعت سے میرے مزاج میں سنسنی پیدا ہو گی اور اس کے مکان میں آدمیوں کی کثرت نے ماحول کو کثیف بنا رکھا ہو گا جو میرے لئے نقصان دہ ثابت ہو گا۔ سو میرے عزیز دوست میری التجا ہے کہ تم ان اشرفیوں کو قبول کر لو انہیں داخلہ کے ٹکٹ پر خرچ کرنا۔ ہر روز میرے لئے داستانیں سننا اور آ کر مجھے سنا جایا کرنا۔ میں تمہاری طرح صحت نہیں ہوں کہ دوسری دلچسپیوں میں حصہ لے سکوں۔ تم نے میری خاطر یہ تکلیف گوارا کر لی تو ہمیشہ تمہارا ممنون رہوں گا۔ میری خواہش ہے کہ تم مصر کے مسلمان فاتح اوّل حضرت عمرو بن العاص کے حملۂ مصر کا حال سن کر کل مجھے بھی سناؤ۔"

محمد علی، عثمان کی باتوں سے متاثر ہوا اور اس نے اشرفیاں لے لیں اور عثمان سے دوسرے روز آنے کا وعدہ کر کے داستان گو کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔

محمد علی کو داستان گو کے مکان پر پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ کیونکہ داستان گو کے گھر سے ہر کوئی واقف تھا اس لئے پہلے ہی آدمی نے جس سے محمد علی نے مکان کا پتہ پوچھا تھا اسے داستان گو کے گھر پر پہنچا دیا۔ اتفاق سے داستان گوئی کا وقت ہو چکا تھا اور لاتعداد لوگ داستان گو کو گھیرے بیٹھے تھے۔ چند لمحوں کے بعد داستان گو نے اپنی داستان کی ابتدا کی اور بولا:

"آج میں فرمائش کے مطابق مصر کے مسلمان فاتح اوّل حضرت عمروؓ بن العاص کے حملۂ مصر کا حال سناتا ہوں، لو سنو۔"

❁

۷

مصر کے فاتح اوّل حضرت عمروؓ بن العاص

"وہی قدیم مصر، فرعونوں کا مصر، اہرام کا مصر، بطلیموسوں کا مصر، کلیوپیٹرا کا مصر، مصر میں مصر کے محنت کش کاشتکار غلاموں کی زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے حکمرانوں نے خود کو ان کا خدا بنا لیا تھا۔ ان جھوٹے خداؤں نے صدیوں سے اپنے بندوں کے حقوق غصب کر رکھے تھے۔ دین اسلام کی بدولت عراق، ایران اور شام کے لوگوں میں بیداری کی جو لہر دوڑ گئی تھی، اس کے اثرات نیل کی وادی پر بھی مرتب ہوئے۔

اس زمانے میں مصر قسطنطنیہ کے رومی شہنشاہ کی سلطنت کا ایک صوبہ تھا۔ شہنشاہ مصر کو اسلام کی پیدا کردہ اس بیداری کی لہر سے دور رکھنے کا متمنی تھا، جس کے مقابلہ میں اُسے متعدد بار شکست قبول کرنی پڑی تھی ــــ لیکن اللہ تعالٰی کو جو منظور تھا، رومی شہنشاہ اس سے ناواقف تھا۔

مصر پر مسلمانوں کی بالادستی کا واقعہ اس طرح رونما ہوا کہ فتح بیت المقدس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر کی تسخیر کو ضروری خیال کیا۔ حضرت عمرؓ کے شام کے دوسرے سفر کے دوران عمروؓ بن العاص نے خلیفہ عمرؓ سے تنہائی میں ملاقات کی اور مصر پر حملہ آور ہونے کی اجازت چاہی، ابتدا میں حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت نے طویل مسافت پر واقع اس ملک اور طاعون کی موذی وبا کے باعث مسلمان مجاہدوں کی اموات اور دوسری آفات اور مشکلات کے تحت اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا مگر عمروؓ بن العاص خلیفہ کے اس انکار سے قطعی متاثر نہ ہوئے اور مسلسل حملہ کی اجازت طلب کرتے رہے آخر کار خلیفہ عمرؓ نے ان کے مسلسل اصرار اور عزم راسخ کے تحت مصر پر حملہ کرنے کی

اجازت مرحمت فرمائی۔

عمرو رضؓ بن العاص نے فتح مصر کی مہم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے صرف چار ہزار مجاہدین کے ساتھ حملہ کا آغاز کیا۔ چار ہزار مجاہدین کا لشکر نیم مسلح تھا۔ اپنے وطن سے تقریباً دو ہزار میل دور تھا لیکن سامان حرب کی شدید کمی اور رسد کے لئے مقامی ذرائع پر انحصار کرنے کے باوجود اس لشکر کو اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا۔

خلیفہ وقت حضرت عمرؓ سے اجازت مانگتے ہوئے عمروؓ بن العاص کو محسوس ہو گیا تھا کہ رومی لشکر جو شام اور فلسطین میں مسلمانوں سے ذلت آمیز شکست کھا کر مصر میں جمع ہو رہا ہے، اگر بر وقت اس کا قلع قمع کرنے پر توجہ نہ دی گئی تو اسلامی مقبوضات کے لئے سر پر لٹکتی شمشیر برہنہ بن جائے گا —— اس سے پہلے کے رومی لشکر کی شکست کے زخم مندمل ہوتے اور وہ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے خود کو منظم کر لیتے حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں سرزمین مصر سے باہر نکال دینے کا عزم کر لیا۔

حضرت عمرو بن العاص کے مجاہدوں کی مختصر اسلامی فوج نے مصر کا وہ راستہ اختیار کیا۔ جس سے ہزاروں سال قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام سے پیغمبروں نے سفر کیا تھا۔ مجاہدوں کی یہ اسلامی فوج دریائے سینا سے ہو کر ۱۰ ذی الحجہ ۱۸ ہجری کو العریش پہنچ گئی اور اسے بہ آسانی فتح کر لیا۔ العریش کو پیچھے چھوڑ کر اسلامی فوج شہر فرما پہنچ گئی جو دریائے نیل کے کنارے آباد ایک نہایت قدیم اور عظیم شہر تھا اور مصر کے دروازہ سے موسوم کیا جاتا تھا۔ عسکری نقطہ نظر کے تحت اس اہمیت کے حامل شہر کی حفاظت رومی فوجیں کر رہی تھیں، اسلامی فوج نے تقریباً ایک ماہ تک اس شہر کا محاصرہ کئے رکھا، اور پھر ۱۵ محرم ۱۹ ہجری کو حضرت عمروؓ بن العاص نے اس شہر کو بھی فتح کر لیا۔ فرما کے بعد اسلامی فوج نے بلبیس اور ام دینین کا محاصرہ کر لیا اور جلد ہی ان دونوں کو بھی فتح کر لیا۔ مختصر اسلامی فوج کے چار ہزار مجاہد پانچ ماہ کی قلیل مدت میں کئی شہر اور دریائے نیل کے ساتھ ساتھ ۲۵۰ میل کا علاقہ فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہیں اس علاقہ میں موجود اٹھارہ ہزار رومی لشکریوں سے متعدد مقابلوں میں شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ام دینین کی جنگ میں

شاندار کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ام دینین کی جنگ میں مسلمانوں کو گو رومیوں کے مقابلہ میں بہت کم جانی نقصان پہنچا تھا مگر اسلامی فوج کی تعداد میں کمی کے باعث یہ نقصان خاصا زیادہ محسوس ہوتا تھا۔ رومیوں پر جلد سے جلد فتح پانے اور اپنی فوج کی کمی کو پورا کرنے کے لئے عمروؓ بن العاص نے خلیفہ سے درخواست کی کہ اُن کی مدد کی جائے۔ پھر مدینہ سے امداد پہنچنے تک عمروؓ بن العاص نے اپنی فوج کو مصروف رکھنے کی خاطر دریائے نیل کے مغربی کنارے کی راہ لی اور صنف پر قبضہ کرنے کے بعد منیدم پہنچ کر اسے محاصرے میں لے لیا۔ جو مدینہ سے امداد کے پہنچنے تک جاری رہا اور بعد میں محض اس لئے اٹھایا گیا کہ بابلیون کے نہایت ضروری شہر کو جلد سے جلد فتح کر لیا جائے۔ بابلیون کو شمالی اور جنوبی علاقہ کے مابین ایک اہم مواصلاتی اور تجارتی مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور تقریباً بیس ہزار رومی فوج اس کی حفاظت کر رہی تھی۔ اس شہر کے چاروں طرف دور دور تک رومیوں کی حفاظتی فوجی چوکیاں موجود تھیں جن میں رومی افواج کے مختلف دستے مستقل موجود رہا کرتے تھے[1]۔

خلیفہ نے بطور کمک جو بارہ ہزار مجاہد بھیجے تھے۔ وہ حضرت زبیرؓ بن العوام کی قیادت میں ہیلیوپولس کے مقام پر حضرت عمروؓ بن العاص کی مختصر فوج سے مل گئے تھے۔ اب دونوں فوجوں نے متحدہ طور پر بابلیون کی راہ لی۔ بابلیوں کے قلعہ کا محاصرہ سات ماہ تک کیا گیا۔ مشہور تھا کہ یہ قلعہ اس قدر مضبوط اور ناقابلِ تسخیر ہے اور اس میں سامان رسد کے وافر ذخائر موجود ہیں، اس قدر طویل محاصرے نے عربوں کو تھکا دیا مگر عمروؓ بن العاص بابلیون کے محاصرے کے ساتھ ساتھ دوسرے علاقوں کو بھی فتح کرتے رہے، پھر ایک مرحلہ پر قلعے کا محاصرہ تنگ کر دیا گیا اور پھر ایک رات مناسب موقع پاکر حضرت زبیرؓ بن العوام قلعہ کی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے اور آپ نے محافظوں کا کام تمام کر کے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کے کھلتے ہی اسلامی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی اور رومیوں کو مار بھگایا۔

---

[1] رومیوں کے عہد حکومت میں یہ مشہور شہر موجودہ قاہرہ کے قرب و جوار میں واقع تھا۔ اب اس شہر کے کھنڈرات تک موجود نہیں ہیں۔

بابلیون کو فتح کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے سکندریہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ قسطنطنیہ کے بعد اس شہر کو رومی سلطنت کا سب سے بڑا تجارتی مرکز اور بڑی اہمیت کا حامل شہر قرار دیا جاتا تھا۔ یہ شہر سکندر اعظم یونانی کا تعمیر کرایا ہوا تھا اور رومیوں نے اس کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط سمندری بیڑہ اور پچاس ہزار رومی فوج متعین کر رکھی تھی۔ یہاں سامان رسد اور اسلحہ کے بھی بہت زیادہ ذخیرے موجود تھے۔ اس شہر کو اپنی خوبصورتی اور سیاسی و فوجی لحاظ سے بھی خصوصی اہمیت حاصل تھی۔

فتح مصر کے آخری مرحلہ میں شمال مغرب کی طرف جاتے ہوئے عمروؓ بن العاص کی فوجیں اٹھارہ ہزار مجاہدوں پر مشتمل تھیں۔ سکندریہ کی طرف جاتے ہوئے اسلامی فوجوں نے شمعون عالیا، کوم، ماخوف، شیخ اور طنخ وغیرہ کے بڑے مضبوط قلعے اور شہر فتح کر لئے اور رومی فوجیں مسلسل شکست کھاتی ہوئیں سکندریہ کی طرف راہ فرار اختیار کرتی رہیں حتیٰ کہ جولائی ۶۴۱ء میں اسلامی لشکر نے سکندریہ کا محاصرہ کر لیا جو چار ماہ تک جاری رہا۔ حضرت حضرت عمروؓ بن العاص نے فوج کے ایک حصے کو محاصرے کا ذمہ دار قرار دے کر دوسرے علاقوں کی فتوحات شروع کر دیں، مگر مدینہ میں محاصرہ کی طوالت نے فکر و تشویش کی ایک لہر دوڑا دی اور خلیفہ حضرت عمرؓ فاروق اعظم نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی رومیوں کی طرح آرام پسند ہو گئے ہو، ورنہ سکندریہ کی فتح میں اس قدر تاخیر نہ ہوتی۔"

خلیفۂ وقت کا یہ خط تازیانہ بن گیا اور اسلامی فوج نے نئے حملے کا آغاز اس قدر جوش و خروش سے کیا کہ رومی لشکر کو مجبوراً صلح کی درخواست کرنی پڑی۔ صلح نامہ کی شرائط کے تحت صلح کی معیاد گیارہ ماہ مقرر ہوئی، جسے ستمبر ۶۴۲ء کو ختم ہونا تھا۔ اس دوران اسلامی فوج عہد نامہ کی پابندی کے تحت گیارہ ماہ تک سکندریہ کے شہر میں داخل نہ ہوئیں۔ یہ مدت گزرنے کے بعد فی الفور شہر پر مکمل قبضہ کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی اسلامی لشکر کا مصر پر تقریباً مکمل قبضہ ہو گیا۔ بعد میں مصر کو مکمل طور پر اپنے تسلط میں لانے کے لئے مقامی قبائل اور رومیوں کے خلاف محدود پیمانے پر لڑائیاں جاری ہیں۔ اس

کا بنیادی مقصد ہمہ اقسام مخالفت کا قلع قمع اور اسلامی حکومت کو استحکام دینا تھا۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے لگ بھگ دو برس کی قلیل مدت میں رومیوں کی عظیم سلطنت کا مصر میں مکمل صفایا کر دیا اور مصر میں اسلام کا وہ پرچم بلند کیا جو آج چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی روز اوّل کی مانند بلند ہے۔

مصری باشندوں کو رومیوں کے ظلم و ستم سے سات صدیاں بعد آزادی ملی تھی اور سات سو سال کی بدترین غلامی کے بعد انہیں نے پہلی بار عدل و انصاف اور آزادی کو عملی صورت میں دیکھا تھا وہ اسلامی مساوات، رواداری اور اخلاق سے اس قدر متاثر ہوئے کہ لاکھوں کی تعداد میں قبطی عمروؓ بن العاص کے دست حق پرست پر اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال ہو گئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ مسلمانوں کے بھائیوں کی حیثیت سے خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے۔ جن لوگوں نے اپنا مذہب ترک نہ کیا حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے اور اپنے عقائد پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی دے دی۔ ان کے مال و دولت، جائیداد، عزت و حرمت، تجارت غرضیکہ ان کی ہر شئے کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت قبول کی۔ ہر عقیدے کے لوگوں سے مساوی سلوک کیا گیا اور انتظامی امور کے لئے ہر عقیدے کے ذہین ترین لوگوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ رومیوں کے دور حکومت کے غیر انسانی قوانین کو یکسر منسوخ کر کے عدل و انصاف کے اصولوں کو اپنایا گیا۔ خراج، جزیہ اور مالیہ وغیرہ کی وصولی کے لئے قبطیوں ہی کی خدمات حاصل کی گئیں، حضرت عمروؓ بن العاص نے امن عامہ اور فلاح و بہبود کے ایسے ایسے کام سرانجام دیئے کہ جلد ہی مصریوں نے انہیں اپنا سب سے بڑا ہمدرد و مونس سمجھ لیا۔ محاصرہ بابلیون کے دوران حضرت عمروؓ بن العاص کی قائم کردہ خیمہ بستی میں کبوتروں کے ایک جوڑے نے عمروؓ بن العاص کے خیمہ پر اپنے انڈے رکھے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر سات ماہ کے بعد جب آپ آگے بڑھے تو اپنے خیمہ کو اسی طرح چھوڑ گئے تھے تاکہ کبوتروں کو تکلیف نہ ہو، بعد میں ایک شہر بنام فسطاط اسی مقام پر بسایا گیا۔

فتح مصر قلیل تعداد کے باوجود حضرت عمروؓ بن العاص کی انتظامی سوجھ بوجھ اور جنگی بصیرت کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔"

یہ کہہ کر قدرے توقف کے بعد داستان گو دوبارہ بولا :

"میں آپ کو قدیم ترک تاریخ اور ترک شہنشاہوں کی شان و شوکت کا حال بتا چکا ہوں آج ان بڑے ملکوں کے حالات بیان کرنے کی باری ہے جو ہمارے جلیل القدر شہنشاہ نے اپنے قوتِ بازو سے فتح کیے ہیں۔ مصر ان ملکوں میں سرفہرست ہے۔ شہنشاہ سلیم کے دورِ حکومت میں ترکوں نے اس قدر کارنامے کیے ہیں کہ شاید ہی کوئی کر سکے۔ کل میں نے ان لڑائیوں کا مختصر حال بیان کیا تھا جو المغرب میں سالہا سال تک بربروں اور عربوں کے درمیان ہوتی رہیں اور عربوں کی فتح کے بعد ختم ہوئیں۔ میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ مصر پر خلفائے راشدہ، اموی سلاطین اور عباسی بادشاہوں کا قبضہ رہا۔ پھر احمد بن طولون ترکی نے مصر پر جم کر حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد ترکی النسل محمد اخشید کو مسندِ حکومت پر بٹھایا گیا۔ پھر حبشی غلام کافور مصر کا حکمران بنا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اخشید نے اسے اپنا جانشین بنا لیا تھا اس لئے فوج نے اس کی حمایت کی اور وہ تمام ملک کا حکمران تسلیم کیا گیا۔ اس کے عہد میں بہادر سلطان عبید اللہ المہدی علوی مصر پر حملہ آور ہوا۔ یہ اپنے ہمراہ مغرب سے جہازوں کا ایک بڑا قافلہ لے کر چلا تھا۔ اس نے سمندر کے کنارے آباد مشہور شہر سکندریہ پر لنگر ڈالا اور اس کی شجاع اور دلیر سپاہ اپنے حاکم کے خاندانی سبز جھنڈا کو لہرا کر کشتیوں میں سوار ہوئی اور کنارے پر پہنچ کر بھرپور حملے کرتی ہوئی پورے اسکندریہ پر چھا گئی۔ عبید اللہ سکندریہ اور اس کے قریبی علاقوں کی فتح کے بعد پورے مصر پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن موت نے اس کی مہلت نہ دی۔ اس کے انتقال پر اس کا پوتا معز الدین برسرِ اقتدار آیا اور اُس نے اپنے سپہ سالار جوہر کی ماتحتی میں ایک لاکھ فوج مصر کی فتح کے لئے بھیجی جوہر نے آگے بڑھ کر فسطاط[1] تک قبضہ کر لیا۔ گو اس زمانہ میں فسطاط کافی بڑا شہر بن چکا تھا لیکن جوہر نے یہاں قبضہ کر کے قریب ہی ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی۔ اس نئے شہر کا نام قاہرہ رکھا گیا۔ جلد ہی نئے شہر کی رونق اور دولت و حشمت میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا۔

---

[1] فسطاط کی بنیاد حضرت عمروؓ بن العاص نے رکھی تھی اور آپ ہی مصر کے فاتح اول تھے۔

معزالدین نے المغرب کو ترک کر کے قاہرہ کو دارالحکومت مقرر کیا اور اس طرح مصر میں دولت فاطمیہ کی ابتدا ہوئی قاہرہ نے یہاں تک ترقی کی کہ بغداد بھی اس کے مقابلہ میں بے حیثیت ہو گیا۔ اب فاطمی بادشاہوں نے رعایا پر ظلم وستم کے دروازے کھول دیئے۔ وہ احکام خداوندی سے غافل ہو کر صرف اسی پر ناز کرنے لگے کہ ہم اولاد رسول ہیں۔ حاکم بامراللہ نے تو یہاں تک جرأت کی کہ نبوت کا مدعی ہو گیا۔ پھر رعایا پر زور بھی دینے لگا کہ اسے نبی تسلیم کیا جائے۔ قاہرہ کے لوگوں نے اس کی نبوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ تو بامراللہ کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس کے ایما پر اس کی ظالم فوج نے نصف شہر کو آگ لگا دی اور نصف شہر میں جی بھر کر لوٹ مار کی۔ حاکم نے ہر روز اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے دریائے نیل کے کنارے کوہ مقطم پر جانے کا ڈھونگ رچا رکھا تھا۔ ایک روز وہ حسب معمول کوہ مقطم پر گیا اور کافی وقت گزرنے پر بھی واپس نہ آیا۔ اس کی فوج تلاش میں نکلی تو اس کی لاش ملی جسے کسی نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بُری طرح مسخ کیا ہوا تھا۔ فاطمی مصر پر دو سو برس حکمران رہے۔ پھر ان پر قہر خداوندی نازل ہوا اور کافروں نے مار مار کر ان کے چھکے چھڑا دیئے۔ یہ کافر اپنے آپ کو صلیبی کہتے اور کہلاتے تھے۔ ان کی فوج کے علم پر صلیبی نشان تھا اور یہ اپنے روزمرہ میں صلیب کی بڑی قدر کرتے تھے۔ آخری فاطمی سلطان عاضد انتہائی بزدل تھا۔ اس نے صلیبیوں کی روک تھام کے لئے اپنی قریبی مملکت کے امیر نورالدین سے مدد کی درخواست کی۔ نورالدین نے اس کی درخواست کو قبول کر کے اپنے بیٹے صلاح الدین کرد کی زیر کمان فوج بھیجی۔ صلاح الدین دانا انسان تھا وہ اپنی قابلیت سے خلیفہ کا وزیر بن گیا اور آہستہ آہستہ اس قدر قوت حاصل کر گیا کہ خلیفہ کے تمام اختیارات اُس کے ہاتھ آ گئے۔ عاضد کو اپنی ہمتی، بزدلی اور بے حقیقی کا اس قدر احساس ہُوا کہ اس کی وفات ہو گئی۔ صلاح الدین کُرد کو چونکہ عوام دل و جان سے پسند کرتے تھے، اس لئے اسے سنہری موقع ملا اور وہ مصر کا مستقل بادشاہ بن گیا۔ اسی صلاح الدین کرد کو صلاح الدین ایوبی کہا جاتا ہے۔ اسی نے ایوبی خاندان کی بنیاد رکھی تھی اور اسی کے کارنامے تاریخ کے صفحات پر سنہرے حروف میں لکھے کا وہ عظیم ہیں۔"

⑧
ممالیک

یہ کہہ کر داستان گو نے قدرے توقف کیا اور اپنی قوت بیان کے زور کو دیکھنے کے لئے حاضرین محفل کے چہروں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اہل محفل داستان گو کی جادو بیانی کے دل سے معترف تھے اور بے تابی سے اس کی لب کشائی کے منتظر تھے۔ داستان گو نے لوگوں کا اشتیاق دیکھا تو خوشی سے مسکرا کر اپنی داستان کے تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے کہا۔

"ایوبیوں کو بھی زیادہ دیر حکومت کرنی نصیب نہ ہوئی۔ ان کے آخری بادشاہوں نے راگ رنگ، آرائش و زیبائش اور بُری باتوں کو اپنا شعار بنا لیا۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو فضول کاموں میں صرف کر رہے تھے کہ اسی زمانہ میں چنگیز خان دنیا کو فتح کرنے کے لیے ایشیائے کوچک سے چلا۔ اس کے لشکر میں کئی تاتاری قومیں تھیں اور وہ اپنے زبردست لشکر کے ساتھ جس شہر پر حملہ کرتا تھا۔ اُن کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے۔ شہر کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دینا اور شہریوں کا قتل عام کرنا اس کے روزمرہ میں شامل تھا۔ چنگیزی لشکر دریائے دجلہ و بحر قزوین کے کناروں سے گزرتا ہوا دنیا کے دوسرے سرے تک جا پہنچا تو اس کے لشکری انسانوں کے قتل عام سے تھک گئے۔ غارت گر جہاں چنگیز خان نے انہیں آخری حملہ کے لئے تیار کیا اور اس کا یہ آخری وار چرکیسون کے شہر پر ہوا جہاں سے اس نے ان گنت غلاموں کو گرفتار کر کے ایوبیوں کے ہاتھوں بیچ دیا۔ ایک ایوّبی نے چنگیز خان کو قیمت ادا کر کے بارہ ہزار غلام خرید لیے اور انہیں مصر لے آیا۔ غلاموں کو ریشمی لباس پہنایا گیا اور ان کی تربیت پر توجہ کی گئی تو ان غلاموں نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا۔ ان کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا اور تھوڑے عرصہ بعد یہ ایک نئی قوم کی حیثیت سے آگے آ گئے۔

یہ نئی قوم ممالیک کہلانے لگی۔ سلطان نے اپنی حفاظت کے لئے ممالیک میں سے

سپاہی منتخب کئے اور سلطان کی عزت افزائی سے اس خاص ممالیک فوج نے اس قدر اقتدار حاصل کر لیا کہ ایک مرحلہ پر خود سلطان بھی ان کی قوت سے ہراساں رہنے لگا۔ اب ممالیک کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی طاقت کا اندازہ کر کے اپنے آقا کو مسندِ حکومت سے الگ کر کے قتل کر دیا اور اس طرح ایوبی خاندان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ ممالیک اپنی طاقت کے پیشِ نظر مغرور ہو گئے۔ یہ بڑے ظالم و جابر لوگ تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں کسی انسان کی عزت و آبرو اور مال و دولت محفوظ نہ تھے۔ یہ سب چھوٹے بڑوں، غریبوں، امیروں، شریفوں اور بدمعاشوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے تھے۔ ان کے عہد میں لاقانونی کا دور دورہ تھا۔ یہ مظلوم لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ ان کے ظلم و ستم اور انسان کشی کی کوئی حد نہ رہی۔ تو قدرت حرکت میں آئی اور اس کا غضب ان پر قحط اور دوسری وباؤں کی شکل میں ظاہر ہوا۔

ممالیک اسلام لانے سے قبل گنوار بت پرست تھے۔ بعد میں بھی انہوں نے قرآن پڑھنے کے سوا دوسرے اسلامی احکام سے واقفیت پیدا نہ کی۔ ان کا نصب العین صرف یہی تھا کہ شمشیر زنی میں کمال پیدا کریں۔ گھوڑے کی سواری کے ماہر بنیں اور اپنے آقا کی خوشامد اور چاپلوسی میں اس حد تک آگے بڑھ جائیں کہ آقا کا اعتماد حاصل ہو جائے۔ انہیں اپنے آقا کی کوئی خواہش پوری کرنے سے انکار نہ ہوتا کسی غلام کی مسیں بھیگ جائیں اور اسے داڑھی آجاتی تو آقا آزادی سے سرفراز کر کے اسے دوسرے غلاموں پر سردار مقرر کر دیتا۔ سرداری کے حقوق نے اُن کی ہمتیں بڑھا دیں انہیں وقت ضرورت بد دیانتی وعدہ خلافی، سازش، مکر و فریب غرضیکہ کسی چیز سے عار نہ ہوتا تھا۔

ممالیک میں اپنی قوم کے عزّت دار اور مال دار لوگ بھی ہوتے تھے اور وہ اپنی قوم میں سب سے زیادہ اُس شخص کا احترام کرتے تھے جس کے پاس لونڈی غلاموں کی بڑی تعداد ہو۔ ان گنت خادم ہوں اور جس کی ملکیت عربی گھوڑوں، شام کی تلواروں، بیش قیمت جواہرات اور عربی شالوں کی بڑی تعداد ہو۔ ممالیک سردار ان چیزوں کو جمع کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ بعض ممالیک تو اس

مقتدر مالدار تھے کہ ان کے مال و دولت کا شمار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ سب مذہب اور اخلاق و شرافت سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ اس لئے نفس کے تابع اور شہوت پرست تھے۔ غرور نے ان کا ذہنی توازن خراب کر دیا تھا۔ وہ دوسروں کو اس حد تک بے حقیقت جانتے تھے کہ بازاروں میں اندھا دھند گھوڑے دوڑا کر لوگوں کو موت کی نیند سلا دیتے تھے۔ یہ دشمن پر حملہ آور ہوتے اور دشمن ان کی طاقت سے ڈر کر اور ان کی بھیڑیوں کی سی گھاتوں سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کرتا تو یہ پورے جوش و خروش سے اس کا تعاقب کرتے اور اسے گرفتار کرنے میں فخر محسوس کرتے لیکن اگر دشمن انہیں کوئی وقعت نہ دیتا اور ان کے ابتدائی حملہ میں ثابت قدم رہتا تو یہ بزدلوں کی طرح الٹے قدموں فرار ہو جاتے۔

مصریوں کو ان کے عہد حکومت میں ناکوں چنے چبانے پڑے آخر کار قدرت نے رحم فرما کر ڈھائی سو برس کے بعد مصریوں کی آہ و بکا سنی آل عثمان نے مصر کو ممالیک کے شکنجے سے آزاد کیا۔ ترکوں کی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا تو انہوں نے سب سے پہلے باسفورس کو عبور کر لیا اور مغربی کنارے پر استنبول شہر کو اپنا دارالحکومت منتخب کیا پھر آل عثمان کی اقبال مندی کے ستارے جگمگائے تو سلطان سلیم اول نے ممالیک کی بے دینی اور بے غیرتی کا حال سن کر ان پر حملہ کیا۔ سلطان سلیم اول کے فاتح لشکر نے کئی شہروں کو فتح کر کے مصر کا محاصرہ کر لیا۔ ممالیک جی توڑ کر لڑے لیکن سلطان سلیم کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی اور آخر کار وہ مغلوب ہو گئے سلطان نے مصر کو فتح کر لیا اور وہاں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔

ممالیک کے قلعوں پر عثمانی جھنڈے لہرانے لگے۔ سلطان نے ممالیک کی منت و سماجت اور تباہی و بربادی دیکھی اور ان کو ہر طرح اپنا مطیع پایا تو ان سے صرف اپنی اطاعت کی قسم لینے پر اکتفا کیا۔ سلطان نے ممالیک کا قلع قمع کر کے مصر کو ان کے ظلم و ستم سے مستقل چھٹکارا دلانے کی بجائے ان سے مہربانی کا سلوک کیا۔ انہیں آزادی بخش کر حکومت کے عہدوں پر بھی بحال کر دیا۔ چوبیس مملوکوں کو ترکی عہدہ داروں میں بھی جگہ دی گئی۔ سلطان کے خیال میں مختلف قوموں کی نمائندگی سے قوت و اقتدار کا توازن ان کے ہاتھ میں رہنا تھا لیکن ہوا اس کے برعکس۔ اس تقسیم سے مملوکوں کو پر پرزے نکالنے کا موقع

میسر آگیا اور جلد ہی وہ اپنی پہلی شان و شوکت کو بحال کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے مختلف گروہوں نے اپنے لئے الگ الگ سردار منتخب کر لئے اور ہر گروہ اپنے سردار کو شیخ البلد کے نام سے یاد کرنے لگا۔ ہر شیخ البلد کی طاقت سلطانی نائب کی قوت کے برابر ہوتی تھی۔ سرکاری فوج میں "آغا" کے عہدہ پر جو شخص فائق ہوتا تھا اس کے ماتحت سات پلٹنوں کے نوجوان ہوتے تھے۔ سلطان نے سرکاری عہدہ "آغا" پر بھی ممالیک ہی کو فائز رہنے دیا۔

آہستہ آہستہ ممالیک نے اپنے کھوتے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنے کی جدوجہد جاری رکھی اور ہولے ہولے وہ اس قدر قوت حاصل کر گئے کہ اپنے گذشتہ جبر و تشدد کو دہرانے لگے۔ پھر جلد ہی انہوں نے سلطان کی بالا دستی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے ایک سردار علی بک کی زیر کمان مصر کے سلطانی نائب کو تنگ کرنا شروع کیا۔ علی بک شاطرانہ چالوں میں ماہر تھا۔ اس لئے سلطانی نائب کو مصر سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ علی بک نے ابتدا میں "مصر مصریوں کے لئے" کو اپنا نعرہ بنایا لیکن سلطانی نائب کی شکست کے بعد آزادی مصر کے نعروں کو پس پشت ڈال کر اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور مصریوں کو بدستور اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانے لگا۔ گو علی بک نے سلطانی نائب کو مصر سے نکال دیا تھا لیکن وہ سلطان کی شان و شوکت اور طاقت سے خوفزدہ تھا۔ سلطان کے خوف سے اس نے کئی بادشاہوں سے دوستی کے معاہدے کرنے چاہے لیکن اس کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی۔ پھر اس طرف سے مایوس ہو کر اُس نے اپنے لشکر کے ساتھ حجاز کی طرف کوچ کیا اور تلوار کے زور سے مدینہ منورہ پر قابض ہو گیا۔ اب اس کی خود ستائی، جبر و تعدی اور غرور کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے حکم جاری کیا کہ اسے سلطان البرین والبحرین کہا جائے۔ اب اُس کے ظلم کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ اس لئے خدا نے اسے ظلم و ستم کی سزا دی اور ایک غلام محمد ابوذہب نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

علی بک کو اپنے اس غلام پر بڑا اعتماد تھا اب غلام محمد ابوذہب مسند حکومت پر بیٹھا لیکن یہ زیادہ دیر حکومت نہ کر سکا اسے وہم ہو گیا کہ اس کا آقا علی بک ہر وقت اور ہر

جگہ اس کے سامنے موجود رہتا ہے اور اسے پکارتا رہتا ہے اس وہم نے محمد ابو ذہب کے ذہن میں دیوانگی کے جراثیم پیدا کر دیئے اور آخر کار اس نے پاگل پن کے عالم میں خودکشی کر کے اگلے جہان کی راہ لی۔

علی بک کے قتل اور محمد ابو ذہب کی خودکشی کے بعد بھی مصر پر سلطان کا قبضہ نہ ہو سکا۔ مصر میں ممالیک کے تین سرداروں مراد بک، ابراہیم بک اور اسماعیل بک میں رسہ کشی شروع ہو گئی۔ تینوں اپنے آپ کو مصر کا جائز مالک ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور اپنے آپ کو شیخ البلد منوانے کی تگ و دو میں مصروف رہتے۔ چونکہ اسماعیل بک کو زیادہ ممالیک کی حمایت حاصل نہ تھی اس لئے مراد اور ابراہیم نے سمجھوتہ کر کے اس پر حملہ کیا اور اسے گرفتار کر کے موت کی گہری نیند سلا دیا۔ پھر دونوں ایک معاہدے کے تحت مصر کے مستقل حاکم قرار پائے اور کسی میں ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے کی جرأت نہ رہی۔

آج کل ممالیک کے یہ دونوں سردار۔ مراد بک اور ابراہیم بک قاہرہ میں پُر لطف زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ابتدا میں یہ دونوں غلام قوم کے فرد تھے۔ آہستہ آہستہ ترقی کی منازل طے کر کے سپاہی ہوئے۔ پھر ان کا شمار طبقہ امرا میں ہونے لگا اور آخر کار یہ دونوں امیر مصر بن گئے۔"

یہ کہہ کر داستان گو نے خاموشی اختیار کی تو ایک صاحب نے اٹھ کر سوال کیا۔

"کیا چنگیز خان یا ہلاکو میں سے کسی نے کبھی مصر پر حملہ کیا تھا۔ اگر ہاں تو اس حملہ کا کیا نتیجہ نکلا۔"

یہ سن کر داستان گو نے ایک لمبی سرد آہ بھری پھر خوش ہو کر بولا:

"بغداد میں مسلمانوں کے قتل عام کو یاد کیا جائے تو سخت افسوس ہوتا ہے، لیکن یہ یاد کر کے خوشی ہوتی ہے کہ چنگیز اور ہلاکو کی قوم کو میرے مصر نے شکست فاش دی تھی۔ یہ واقعہ یوں رونما ہوا تھا۔"

(۹)

سلطان بیبرس اور شکست خوردہ مغل

"چنگیز خان ۱۲۲۷ء میں مرگیا تو مغل سرداروں نے اس کے تابوت کو کوہ "الطاقت" کے دامن کی ایک وادی میں دفن کر دیا۔ دو سال کے بعد چنگیز خان کا بیٹا اقتائی خان اعظم کا جانشین منتخب کیا گیا۔ اقتائی سے قبل چنگیز خان نے ترکان خوارزم کی وسیع مملکت (جو ترکستان، افغانستان اور ایران کی سرزمین پر مشتمل تھی) میں مسلمانوں کا جی بھر کر قتل عام کیا تھا۔ پھر جب مغلوں نے ارغنج (خوارزم کے پایہ تخت) پر حملہ کیا تو مسلمانوں نے مغلوں کا بہادری سے مقابلہ کیا اور ارغنج کے بازار مغلوں کی لاشوں سے پٹ گئے۔ مغلوں نے راہ فرار اختیار کی اور دریائے جیجوں پر بند باندھ کر پانی کا رخ شہر کی طرف پھیر دیا۔ مسلمان محصورین نے مجبوراً ہتھیار ڈال دیئے تو مغلوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور اپنے جذبۂ انتقام کی تسلی کے لئے ارغنج کے شہر کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی مانند مٹا دیا۔

۱۲۱۸ء سے ۱۲۲۲ء تک چار سال کے عرصہ میں چنگیز خان کے لشکر نے ایران، موصل، تبریز اور بحیرہ خذر کے کناروں سے ہوتے ہوئے کوہستان ہندوکش کے برفانی دروں کی راہ سے افغانستان پر حملہ کیا۔ افغانستان میں چنگیز خان کے ایک جرنیل شبکی کوتاکو کو ترک لشکر کے ہاتھوں پہلی بار شکست نصیب ہوئی۔ اس ترکی لشکر میں شمالی ہند کے سلطان شمس الدین التمش کی فوج بھی شامل تھی۔ اسی شکست کے نتیجہ میں چنگیز خانی لشکروں نے دریائے اٹک کو پار کر کے پنجاب پر حملہ کرنے کے خیال کو رد کر دیا اور منگولیا کو لوٹ گئے۔

چنگیز خان بحرالکاہل سے دریائے والگا تک براعظم ایشیا کے نصف حصے کا حکمران بن چکا تھا اور وہ ابھی اپنی اس وسیع و عریض مملکت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے بارے میں غور و فکر میں مبتلا تھا کہ ۱۲۲۷ء میں موت کا شکار ہو گیا۔

چنگیز خان کا بیٹا خاقان اقتائی خان مغل سلطنت کا خاقان (قاآن) منتخب ہوا تو اس نے مغل سرداروں کے مشورے سے ملک خطا پر حملہ کردیا اور ملک خطا (شمالی چین) کے سارے شہر فتح کر لئے اور آخر میں نانکن بھی فتح کر لیا۔ جنوبی چین میں سونگ خاندان کے بادشاہ کی حکمرانی تھی۔ جس کے لشکروں نے نانکن کی فتح میں مغلوں کی بھرپور مدد کی تھی ۔ اقتائی خان کے جرنیلوں نے ۱۲۳۶ء تا ۱۲۴۲ء روس، رومانیہ، ہنگری، پولینڈ اور مشرقی جرمنی کو فتح کر لیا تھا اور ابھی وہ جرمنی اور اٹلی پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا کہ موت نے اُسے آلیا۔ قراقرم کے جرگے نے اقتائی خان کے بعد اس کے بیٹے کویوک کو خاقان چُن لیا تو کویوک نے اپنی طلائی مہر پر حسب ذیل الفاظ کندہ کرائے ۔

"آسمانوں میں خدا کی فرمانروائی، زمین پر کویوک مظہر شان خدا خاتم شاہان جہاں کی حکومت"۔

کویوک اپنے لشکر جرار کے ساتھ مغرب کی طرف چلا تو یہ پروگرام ترتیب دے چکا تھا کہ سب سے پہلے اپنے عم زاد بھائی باطو کو اس گستاخی کی سزا دے گا کہ اس نے اس جرگے میں شرکت کیوں نہ کی تھی جس نے کویوک کو خاقان اعظم مقرر کیا گیا تھا۔ کویوک کوہستان الطائی کے دروں سے گزر کر ترکستان کے میدانی علاقے میں پہنچا ہی تھا کہ صحت کی خرابی نے اسے علیل کر دیا اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے بیمار پڑ کر موت کا تر لقمہ بن گیا۔

چنگیز خان کی کتاب شریعت "یاسا" (الیاساق) میں جو سونے کے اوراق پر لکھی ہوئی تھی، جرگے کی شمولیت لازمی فرض قرار دی گئی تھی۔ باطو نے اس کی خلاف ورزی کی تھی اس لئے اُقتائی خان اسے سزا دینا چاہتا تھا۔

اس بار مغل سرداروں کا جرگہ قراقرم کی بجائے باطو خان کے ڈیرے پر منعقد ہوا۔ اس جرگہ نے طولوئی پسر چنگیز خان کے بیٹے منگو کو خاقان منتخب کر لیا لیکن قراقرم میں کویوک کی بیوہ گیمیش حکومت کرتی رہی۔ دو سال گزر جانے کے باوجود منگو تخت نشین نہ ہو سکا ۔ آخر باطو خان کے مشورے سے منگو کے تخت نشین ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور مخالفت کرنے والے کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا۔ منگو کی ماں سایورکوک تیتی بی بی نے جو بہت دانا

خاتون تھی اور خاقانی کے منصب کو اپنی اولاد کا حق سمجھتی تھی۔ جرگہ بلا لیا۔ اس جرگے میں باتو کی طرف سے اس کے بھائی برکہ نے شرکت کی۔ منگو کے خاقان ہونے کا اعلان ہوا اور کیوک کی بیوہ کیمیش کا گلا گھونٹ کر اُسے ہلاک کر دیا گیا۔ اقتائی خان کے کنبے کے کافی افراد اسی طریقہ سے موت کی نیند سلا دیئے گئے۔ یہ ۱۲۵۱ء کے واقعات ہیں۔

۱۲۵۲ء میں منگو خاقان نے اپنے بھائیوں کبلائی اور ہلاکو کو جنوبی چین اور مغربی ایشیا کے اسلامی ملکوں میں تباہی و بربادی پھیلانے کے احکامات دیئے۔ کبلائی کو جنوبی چین کے سونگ خاندان کی حکومت کے خاتمہ کے کام پر مقرر کیا گیا تو ہلاکو کو خلافتِ بغداد اور کوہستان، ایران و لبنان کی حسن بن صباح اسماعیلی حکومت کا قلع قمع کر کے مصر پر حملہ کرنے کا حکم دیا گیا۔

ہلاکو نے سب سے پہلے حسن بن صباح کے قلعہ الموت کو فتح کر کے حسن بن صباح کے جانشینوں کا خاتمہ کیا جو چھ پشتوں سے اسلامی ملکوں میں پُراسرار قتل و غارت گری سے دہشت پھیلاتے رہے تھے۔ ان کی مصنوعی جنّت بھی تباہ کر دی گئی اور ان کے کتب خانے کو جو جادو کے اسرار پر مشتمل تھا آگ لگا دی گئی۔ اس کے بعد ہلاکو نے بغداد پر حملہ کیا اور نوے ہزار مسلمانوں کو ہلاک کر کے شہر کو آگ لگا دی، خلیفہ مستعصم باللہ کو نمدے میں لپیٹ کر گھوڑوں کے سموں سے روندوایا۔ یہ واقعہ ۱۲۵۸ء میں ہوا۔

۱۲۶۰ء میں منگو خاقان نے طعو خیبو کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ اُسے پیچش ہو گئی اور وہ مر گیا۔

ہلاکو خان نے منگو خاقان کے انتقال کی خبر سننے سے قبل سلطان مصر کو ان الفاظ میں جنگ کا پیغام بھیجا ہوا تھا۔

"یہ الفاظ اس کی طرف سے ہیں جو ساری زمین کا حاکم ہے اپنے شہروں اور قلعوں کی فصیلوں کو گرا دو اور ہماری ماتحتی قبول کر لو۔ ایسا کرنے پر تمہیں امان دی جائے گی۔ اگر اس کے خلاف چلو گے تو تم پر وہ گزرے گی، جو گزرے گی ہم اس سے واقف نہیں، صرف آسمان کو اس کا علم ہے۔"

سلطان کو جنگ کا یہ پیغام ملا تو سلطان نے حکم دیا کہ مغل ایلچیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی لاشوں کے ٹکڑے شہر کے چوکوں میں لٹکائے جائیں۔

سلطان کے حکم کی تعمیل ہوئی تو اس واقعہ نے قاہرہ میں ہل چل مچا دی۔ سلطان نے مغلوں کے مقابلے کے لئے ایک لاکھ کا لشکر جمع کر کے اس کی تنظیم شروع کر دی۔ سلطان کے لشکر کا سپہ سالار بیبرس نامی ایک قبچاقی ترک تھا۔ جو اوائل عمر میں مغلوں کا غلام رہ چکا تھا اور ان کے طریق جنگ سے بخوبی واقف تھا۔ بیبرس ابھی اپنے لشکر کی تنظیم میں مصروف تھا کہ اسے ہلاکو خان کے فلسطین سے پیچھے لوٹ جانے کی خبر مل گئی اور اس نے فلسطین کے مغل لشکر پر جارحانہ حملہ کرنے کا پروگرام ترتیب دے لیا۔ مغلوں کے عروج کی مکمل تاریخ میں یہ اولین واقعہ تھا کہ کسی لشکر کے سپہ سالار نے مغلوں پر حملہ کرنے میں سبقت سے کام لیا ہے۔ ہلاکو خان کا ڈیرہ ان ایام میں تبریز میں تھا جہاں گھاس کثرت سے دستیاب تھا۔

سلطان مصر کے لشکر نے بیبرس کی سرکردگی میں منزلیں مارتے ہوئے فلسطین پہنچ کر دم لیا۔ اس اسلامی لشکر میں دنیائے اسلام کے وہ خانہ خراب پناہ گزین بھی شامل تھے جو مغلوں کے حملوں سے راہ فرار اختیار کر کے مصر آ گئے تھے۔

۱۲۶۱ء میں بمقام بئر جالوت مغل سردار قطبوغہ اور امیر بیبرس کے بہادر فوجیوں کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ امیر بیبرس کے بہادر فوجیوں نے مغل فوج کو شکست فاش دی اور مغل بھیڑوں کے گلے کی مانند میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ اسلامی فوج نے بیشتر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قطبوغہ نے راہ فرار اختیار کرنے سے انکار کر دیا اور بولا کہ "خان کو کوئی دوسرا شخص یہ اطلاع دے دے گا کہ میری موت کس طرح واقع ہوئی ہے۔ پھر ایسی فوج کے ضائع ہو جانے سے ہلاکو خان کو کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ کیا مغل عورتوں نے بچے پالنے چھوڑ دیئے ہیں یا ان کی گھوڑیاں بچھڑے نہیں دیتیں"۔

قطبوغہ کو گرفتار کرنے کے بعد قتل کر ڈالا گیا اور اس کا سر کاٹ کر نیزے پر لٹکایا گیا۔ مغل قیدی قاہرہ بھیج دیئے گئے۔ جہاں انہیں بازاروں میں گھمایا گیا تا کہ لوگ

مغلوں کی شکست کا زندہ ثبوت دیکھ لیں۔

اس فتح کے بعد مسلمانوں نے امیر بیبرس کو اپنا سلطان بنا کر ہر جگہ اس کے نام سلطان بیبرس الظاہر کے نام کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا۔

سلطان بیبرس کو علم تھا کہ ہلاکو خان اس شکست کا انتقام لینے کے لئے بڑی جلدی اور پورے جوش و خروش سے حملہ کرے گا۔ اس لئے سلطان نے شام کے شمالی اضلاع کی آبادیاں جنوب کی طرف منتقل کر دیں۔ دریائے فرات تک کی گھاس کو آگ لگوا دی۔ تاکہ مغلوں کے گھوڑے خوراک حاصل نہ کر سکیں۔ شمال میں امیر بیبرس نے ہوائی ڈاک کی چوکیاں قائم کر دیں اور اپنے کبوتروں کو ذوق و شوق سے پالنا شروع کر دیا جو منزل بمنزل نامہ و پیام کا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دینے لگے۔

سلطان بیبرس الظاہر نے ہلاکو خان سے دو دو ہاتھ کرنے کی تیاریوں کے سلسلے میں خان روس و قبچاق برکہ کی خدمت میں متعدد نادر تحائف بھیجے۔ ان میں قرآن پاک کا ایک وہ نسخہ بھی شامل تھا۔ جس پر تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک جانماز بھی تھی۔ ان تحائف کے علاوہ امیر بیبرس نے برکہ خان کو ایک خط بھی بھیجا۔ جو اس مضمون پر مشتمل تھا کہ ہلاکو خان اسلام کو تباہ و برباد کر ڈالنے کا فیصلہ کئے ہوئے ہے اور یہ اسلام کا خاتم خلافت اسلامیہ کے احیا کا دشمن ہے۔ آپ کو بھی اس موقع پر دین اسلام کی خدمات سرانجام دینے کے لئے آنا چاہیے، سلطان بیبرس نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ میں نے احکامات جاری کر دیئے ہیں کہ قاہرہ کی بڑی جامعہ میں آپ کے اسم گرامی کا خطبہ پڑھا جائے"

سلطان بیبرس کے ان اقدامات کے نتیجہ میں ہلاکو خان نے فلسطین و مصر پر حملہ آور ہونے کی پوری تیاریاں کرنے کے باوجود حملہ نہ کیا۔ وہ کوہ قاف کے آہنی درے کی راہ سب سے پہلے برکہ خان اپنے چچیرے بھائی پر حملہ آور ہوا۔ دشت قبچاق میں ہلاکو ایل خان (چھوٹا خان) کی فوج اور برکہ خان کے اردوئے زریں کی جنگ ہوئی۔ جس میں ہلاکو خان کو شکست ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد سرائے قبچاق کے خان اور ایران کے ایل خان کے مابین مسلسل

لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ ہلاکو خان کی مدد گرجستان اور ارمنیستان کے عیسائی کر رہے تھے اور برکہ خان کے حامیوں میں بخارا اور چین کے مسلمان تھے۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہلاکو کی سلطنت کی تمام شمالی سرحد مخدوش ہو کر رہ گئی اور اسے جنوب کی سمت توجہ مبذول کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ ۱۲۶۴ء میں ہلاکو خان کو بیماری نے مار دیا اس سال میں اس کی عیسائی بیوی دوقولہ خاتون بھی مرگئی۔ ہلاکو اور اس کی عیسائی بیوی کی موت سے عیسائی دنیا کو سخت رنج ہوا۔ کیونکہ ہلاکو عیسائیوں کو دوست رکھتا تھا اور مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کا اتحادی تھا۔ منگو خاقان اور ہلاکو خان دونوں چاہتے تھے کہ یورپ کے عیسائی بادشاہ مسلمانوں کے خلاف پھر ایک صلیبی جنگ کی ابتدا کر دیں۔ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے یورپ کے بادشاہوں کے درباروں میں ایشیائی عیسائیوں کی وساطت سے پیغامات بھی ارسال کئے تھے لیکن فرنگستان کے عیسائیوں کو صلیبی جنگوں کے مسلسل تلخ تجربات نے بزدل بنا رکھا تھا اس لئے وہ منگو اور ہلاکو کو کوئی مؤثر امداد دینے سے قاصر رہے۔ البتہ شاہ فرانس لوئیس، شاہ انگلستان ایڈورڈ شاہ کے آراگون جان اور شاہ انجاؤ چارلس نے ایک متحدہ صلیبی مہم تیونس کے ساحل پر اتاری لیکن اس عیسائی لشکر میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ لوئیس شاہ فرانس وہیں موت کا تر لقمہ بن گیا۔ سارے صلیبی مجاہدین کا جوش و خروش رخصت ہو گیا۔ اکیلا ایڈورڈ شاہ انگلستان فلسطین کی مقدس سرزمین تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں اسے حسن بن صباح کے ایک فدائی کے خنجر نے زخمی بنا دیا۔ یورپ کے بادشاہوں کی اس صلیبی مہم کی ناکامی کا ایک باعث یہ تھا کہ سلطان بیبرس الظاہر والئی مصر نے جینوا، وینس اور سسلی کے عیسائی تاجروں سے بڑے عمدہ تجارتی تعلقات پیدا کر رکھے تھے۔ ان تاجروں نے اپنے منافع کے لالچ میں سلطان مصر کے خلاف صلیبی جنگ لڑنے کی زور شور سے مخالفت کی تھی۔"

داستان گو نے اس مرحلہ پر چند سیکنڈ خاموشی اختیار کی۔ پھر بولا: "میں تمہیں سلطان بیبرس کی عجیب و غریب شخصیت کے بارے میں بتاتا ہوں۔ بیبرس نے پہلے تو مصر کے آخری ایوبی سلطان کے لشکر میں امیر کی خدمات سرانجام دی تھیں۔ وہ بھیس بدل کر ہر جگہ جاتا تھا اور بذات خود حالات سے آگاہ ہوتا تھا۔ عوام اس سے سخت خوف زدہ رہتے تھے۔ کیونکہ

انہیں ہر باغ، ہر قہوہ خانے اور ہر مکان میں بیبرس کی لباس تبدیل کر کے موجودگی کا خوف رہتا تھا۔ امیر عسکری ہونے کی حیثیت میں بیبرس نے مغلوں کے جرنیل کو شام میں شکست دی تھی اور اس کے فوراً بعد خود بھیس بدل کر شام کے ایک شہر میں پہنچا تھا جہاں ہلاکو خان قابض تھا۔ بیبرس نے ایک نانبائی کے تنور سے کھانا کھانے کے بعد اپنی انگشتری روٹی میں چھپا دی تھی۔ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کی انگشتری کی دستیابی کا چرچا عام ہو جائے اور ہلاکو خان کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی خبر ہو جائے کہ بیبرس خود ان کے حالات معلوم کرنے کے لیے اس جگہ آیا تھا۔"

❁

(۱۰)

ہوائی قلعے

●

داستان گو خاموش ہوا تو اہلِ محفل اس کی وسعتِ معلومات اور طرزِ بیان کی داد دیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور چند ہی منٹ بعد مکان میں خاموشی چھا گئی۔ محمد علی ممالیک کے اسرار و رموز میں اس حد تک کھویا ہوا تھا کہ لوگوں کی روانگی کے کئی منٹ بعد اپنی جگہ سے اٹھ سکا۔ اس وقت وہ اپنی ماں، دوست، احباب، اپنی تنہائی کے ساتھی غار سبھی کو فراموش کر چکا تھا۔ پھر وہ پہاڑی بکرے کے مانند چٹانوں پر چھلانگیں لگاتا ہوا ابو سیفاس نام کی بلند و بالا چوٹی پر پہنچ گیا۔ اس وقت وہ صرف اللہ میاں کو نظر آ رہا تھا۔ اس کے آس پاس کوئی انسان نہ تھا۔ اس نے تا حدِ نگاہ سمندر اور افق کے سنگھم پر اپنی نگاہیں گاڑ دیں اور اپنے ہاتھوں کو کشادہ کر کے جیسے اپنے محبوب سے بغل گیر ہو رہا ہو۔ بلند آواز سے کہا کہ اے عجیب و غریب سرزمین! گو تو مجھ سے کوسوں دور ہے مگر میں جلد ہی قسمت آزمائی کے لئے تیرے ساحل پر اتروں گا۔ تو غلاموں کو سپاہی اور سپاہیوں کو سردار اور سرداروں کو حاکم بننے کے مواقع دیتی ہے اور مجھے بھی قسمت آزمائی کی خواہش ہے۔ میں اپنی ماں کے خواب کو تعبیر کا جامہ پہناؤں گا۔ تجھ سی عجیب و غریب سرزمین پر حکومت کروں گا۔ اپنے لئے عالیشان محلات کھڑے کروں گا اور اس قدر اونچے مقام پر بیٹھا کروں گا کہ لوگوں کو اپنی محکومی اور میری بالادستی کا احساس ہوتا رہے۔ میں ان جرنیلوں کی طرح قوت و اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد کروں گا۔ جو اپنے مشتاقوں کو مایوس نہیں کرتے اور اپنے بلند حوصلہ اور جواں ہمت منظور نظروں کو مسندِ حکومت پر بٹھانے میں مدد کرتے ہیں۔ میں اب اپنی منزل کو پہچان چکا ہوں اب میرے وقت کا بڑا حصہ اس پر صرف ہوگا کہ میں کس طرح طاقت حاصل کروں گا اور کس طرح خود کی تعمیر میں حصہ لوں گا کہ لوگ میرے جاہ و جلال کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور ہو جائیں۔

محمد علی کی نگاہیں افق کے اس پار جمی تھیں اور وہ اپنے خیالات میں گم تھا کہ اچانک اس نے ایک سیاہ نقطہ دیکھا اسے خیال ہوا کہ کوئی جہاز اسی طرف بڑھ رہا ہے۔ جہاز کی رفتار دیکھ کر گمان گذرتا تھا کہ کوئی پرندہ اپنے بازوؤں کو پھیلائے ہوئے ہے اور آہستہ آہستہ پرواز کرتا ہوا بڑھ رہا ہے۔ محمد علی اس منظر سے لطف اندوز ہوتا ہوا سوچنے لگا کہ ایک روز وہ بھی کسی جہاز کا واحد مالک ہوگا اور وہ جہاز اس کی حسبِ خواہش نقل و حرکت کرے گا۔

جہاز بندرگاہ کے قریب پہنچا تو ساحل پر بے شمار لوگ جمع ہو چکے تھے۔ یہاں ہر چھ ماہ بعد آستانہ سے ایک جہاز آتا اور سلطان کے نام پر حاکم کے جمع کیے ہوئے خراج کو لے کر لوٹ جاتا تھا۔ یہاں سے چونکہ تمباکو کے سوا کوئی دوسری شئے برآمد نہ کی جاتی تھی اس لئے اس شہر میں شاذونادر ہی کوئی جہاز آتا تھا۔ جہاز کنارے پر پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک ترک جہاز پر مرصّع گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور لونڈی غلام اس کے گرد ہاتھ باندھے ادب سے کھڑے ہیں۔ ترک کے چہرے پر رعب وداب ہے اور وہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ جیسے ہی جہاز نے لنگر ڈالا۔ تین آدمی ایک چھوٹی سی کشتی پر سوار ہو کر خشکی تک پہنچے اور سلام دعا کئے بغیر لوگوں کی بھیڑ میں سے گزر کر قوالہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جہاز کے ترک نے پائپ میں تمباکو ڈالا اور بڑے مزے سے کش پر کش لینے لگا۔ لوگوں نے آپس میں بیسیوں قیاس آرائیاں کیں لیکن کوئی بھی نہ جان سکا کہ اس جہاز کے سوار کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور ان کی آمد کا کیا مقصد ہے؟

محمد علی داستان گو کی کہانی سے بڑا متاثر تھا۔ اس لئے جہاز کے ترک کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ وہ پہاڑی سے اُترا اور لوگوں کے ہجوم میں آگیا۔ اس کی خواہش تھی کہ ان شہریوں کا حال معلوم کرے جن پر حکمرانی کا منصوبہ وہ بنا چکا تھا۔ اس امیر کبیر ترک کو دیکھ کر اس نے خیال کیا کہ وہ بھی ایک روز اسی کی طرح اکڑ کر بیٹھے گا اور اس کے بھی لونڈی غلام صف باندھے ادب سے کھڑے ہوں گے۔ محمد علی کے قریب کھڑے

لوگ اس کی خواہشوں اور تمناؤں کا حال جان جاتے تو اس کی ظاہری حالت دیکھ کر بلند آواز میں قہقہے لگاتے اور پاگل سمجھ کر شاید اظہار ہمدردی بھی کرتے۔ محمد علی نے ایک ایسا بوسیدہ پاجامہ پہن رکھا تھا جس کا ایک پائنچہ تار تار ہو چکا تھا اور اس نے پائنچہ کو اونچا کر کے دھجی سے اپنی ران کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ کثرتِ استعمال سے اس کے کرتے کا رنگ کئی رنگ بدلتے بدلتے اب بے رنگ ہو چکا تھا۔ اس کی کمر کے شامی پٹکے کو پٹکہ کہنا کسی طرح بھی درست نہ تھا اور اس کے سر کی رومی ٹوپی پر بندھے ہوئے کونی عمامہ کو دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ مختصر یہ کہ اس وقت محمد علی کے حلیہ کو دیکھ کر کوئی بھی اس کے ارادوں کی ہنسی اڑائے بغیر نہ رہ سکتا تھا لیکن محمد علی کے ارادے یہی تھے کہ ایک روز وہ جہاز کے ترک سے کہیں بڑا آدمی بن جائے گا۔

کچھ دیر بعد حاکم شہر حسان شوربجی بھی ان تینوں آدمیوں کے ہمراہ آگیا۔ حاکم اپنے غلاموں کو ساتھ لایا تھا اور ان غلاموں نے ایک سنہری شامیانہ لگی مسند کو بھی اٹھا رکھا تھا۔ حسان نے جہاز کے ترک کو جھک کر سلام کیا اور اس کے ساتھ اس قدر عزت و احترام سے پیش آیا کہ ساحل پر کھڑے لوگ ترک کی بڑائی کے قائل ہو گئے لیکن ترک نے حسان کو کوئی اہمیت نہ دی۔ بلکہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جیسے آقا اپنے کسی غلام کے ساتھ کرتا ہے۔

ترک بڑے اہتمام سے کشتی میں بیٹھا۔ کشتی کنارے پر لگی تو حسان نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ سب گھٹنوں کے بل جھکیں اور بڑی عزت سے اپنے آقا محترم وزیر خسرو پاشا کو سلام کریں۔ لوگ جھکے اور جب تک پاشا گذر نہ گیا بالکل خاموش رہے۔ محمد علی ایک بڑے پتھر کی آڑ میں چھپا یہ تماشا دیکھ کر لوگوں کی بے وقوفی، ناسمجھی، غلامی اور کمینگی پر مسکرا رہا تھا۔ پاشا آگے بڑھ گیا تو جہاز سے اس کی بیگمات اور کنیزیں برآمد ہوئیں۔ دو خواجہ سرا بھاگ کر بازار میں پہنچے اور چلا چلا کر حکم دینے لگے کہ وزیر کبیر کے گھر کی عورتیں آرہی ہیں، اس لئے ہر مرد کا فرض ہے کہ بازار سے غائب ہو جائے اور اس وقت تک دکھائی نہ دیں جب تک یہ عورتیں گزر نہ جائیں۔ خلاف ورزی کرنے کی سزا موت ہے۔ یہ سنتے ہی مرد بھاگ کر ادھر ادھر ہو گئے اور بیگمات کنیزوں کے جلوس میں بڑے اطمینان سے قدم اٹھاتی

ہوئی حسان شوربجی کے گھر کی طرف روانہ ہوگئیں۔ جسے وزیر اپنے قیام کے لیے پسند کر چکا تھا۔ حسان کے گھر کی عورتیں چند دِنوں سے کسی دوسری جگہ تھیں۔ اس لئے اس کا حرم سرا بالکل خالی تھا۔ جو اب وزیر کی بیگمات کے لئے مخصوص ہو چکا تھا۔ محمد علی چھپ کر اس مسلسل ڈرامہ کو دیکھ رہا تھا۔ جب سب لوگ جا چکے تو وہ جہاز کا اچھی طرح معائنہ کرنے کے لئے سمندر کے کنارے جا پہنچا۔ ملاحوں کی مصروفیت دیکھتے ہوئے بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا: "اے کاش، مجھے معلوم ہوتا کہ یہ جہاز کس طرف جا رہا ہے۔ شاید یہ میری منزل کی طرف سفر کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو مجھے بھی اس پر سوار ہو جانا چاہیئے۔" یہ کہہ کر محمد علی جیسے ہی خاموش ہوا اس نے اپنے عقب سے آواز سنی "تم روانگی کا ارادہ رکھتے ہو تو ہمارے ہمراہ چلو۔ تم ایک صحت مند لڑکے ہو تمہیں ہر کوئی بخوبی قبول کرے گا اور تم اس سفر میں بڑی راحت پاؤ گے۔" محمد علی ابتداء میں آواز سن کر چونکا تھا۔ پھر اسے سُن کر خوش ہو گیا۔ اس نے گھوم کر دیکھا تو ایک دبلا پتلا لڑکا نظر آیا۔ یہ لڑکا ترکی لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے سر پر ٹوپی اور عمامہ نہ تھے اور اس کا سر بالوں کی قید سے بھی آزاد تھا۔ محمد علی کو اس لڑکے کی بے حقیقتی کا احساس ہو گیا اور وہ اس سے مخاطب ہوا۔

"کیا تم غلام ہو؟"

"میں غلام ہوں لیکن جلد ہی مجھے آزادی مل جائے گی کیونکہ ہمارا جہاز اپنی منزل پر پہنچا تو میرا ناخدا مجھے فروخت کر دے گا۔ ذہین آدمی اس ملک میں بڑی ترقی کرتے ہیں اور اپنی کوششوں سے آزادی حاصل کر لیتے ہیں۔"

"تمہاری منزل کہاں ہے؟"

"ہماری منزل مصر ہے۔ وہی مصر جو بے آسروں کا واحد سہارا ہے۔ میرا ناخدا وہاں غلاموں کی تجارت کرتا ہے۔"

محمد علی نے حیران ہو کر کہا۔ تم اُسی مصر میں جا رہے ہو نا جہاں غلاموں کو سپاہی اور سپاہیوں کو سردار اور سرداروں کو امیر بننے کے مواقع ملتے ہیں۔"

غلام کے ہونٹوں پر ہنسی مچلنے لگی اور اس نے کہا۔ "ہاں واقعی مصر جا رہا ہوں۔ میرا

خیال ہے کہ تم مصر کے حالات کسی داستان گو سے سن چکے ہو۔ کیونکہ ان داستان گوؤں نے مصر کو دنیا بھر سے روشناس کرانے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ مجھے بھی استنبول میں ایک داستان گو ہی سے مصر کے حالات سننے کا موقع ملا تھا۔ میری خواہش ہے کہ اپنے لوگوں کے نقش قدم پر چل کر ترقی کی منازل طے کروں۔ مصر میں ممالیک کا طوطی بولتا ہے۔ میرا خریدار کوئی "آغا" ہوا تو میں بھی اپنی آزادی اور سربلندی کے لئے راستہ ہموار کر لوں گا۔"

محمد علی کو غلام کے جوان ارادے پسند آئے اور وہ بولا :

"تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ مصر میں ضرور تمہارا کوئی خریدار پیدا ہو جائے گا؟"

"میں منہ زور گھوڑے کو قابو کر لیتا ہوں۔ اس کی ننگی پیٹھ پر بخوبی سوار ہو جاتا ہوں۔ ایک بار میرا گھوڑا بے تحاشہ دوڑ رہا تھا۔ میں نے ایک ہی وار میں اس کا سر قلم کر دیا۔ میں نیزہ بازی اور شمشیر زنی میں ماہر ہوں اور ان چیزوں کی وجہ سے میرے خریدار بہ آسانی پیدا ہو جائیں گے۔ تم میری ظاہری حالت دیکھ کر میرے ارادوں پر شک و شبہ کر رہے ہو اور تم یقیناً غلط اندازے قائم کر رہے ہو۔ اس وقت میری عمر چودہ برس ہے گو میں تمہارے مقابلہ میں دُبلا پتلا اور کمزور ہوں لیکن میں جوانمردوں کی سی قوت رکھتا ہوں اور میری یہی طاقت۔ مجھے کامیابی سے ہم کنار کرے گی۔"

"تم کس شہر سے آرہے ہو اور تمہاری زندگی کی گذشتہ کہانی کیا ہے؟"

"میں ہمیشہ سے غلام ہوں، اپنے شوق کی وجہ سے کچھ پڑھ لکھ بھی لیتا ہوں۔ ابتدا میں تین برس تک میں نے خلوص دلی سے اپنے آقا کی خدمت کی لیکن جب اس نے میری سچی خدمت کی قدر نہ کی تو میں بھی اُس سے اکتا گیا اور آزادی کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اس کے ہر کام کی مذمت کرنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح وہ مجھے اپنی خدمت سے الگ کر دے گا لیکن میرے اس فعل نے الٹا مجھے ہی نقصان پہنچایا اس نے کئی بار مجھے انتہائی بے دردی سے مارا پیٹا اور میں اس کی مار کو بڑی بہادری سے برداشت کرتا رہا۔ آخر کار ایک روز میرے آقا نے عاجز آکر مجھے فروخت کر دیا۔ اب بھی میرے پاؤں پر اس کی مار پیٹ کی نشانیاں ثبت ہیں جنہیں دیکھ کر میری مسرت کی انتہا نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ نشانیاں مجھے میرے جوان

ارادوں کی یاد دلاتی رہتی ہیں اور میں انہی کی وجہ سے بام ترقی پر پہنچوں گا۔"

محمد علی کو اس غلام کی بلند ہمتی پر خوشی ہوئی اور وہ فرطِ مسرت سے قہقہے بلند کرنے لگا۔

غلام اسے دیکھتے ہوئے بولا:

"تم خواہ مخواہ ہنس رہے ہو۔ ہر انسان اپنے دل و دماغ کا مالک ہوتا ہے۔ مجھے اپنی زندگی ناپسند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم جیسی آزادی کی زندگی گزاروں، جہاں جی چاہے سیر کروں اور جو دل چاہے کروں۔ میں اس لئے مصر جا رہا ہوں کیونکہ میری آرزوؤں کی تکمیل مصر ہی میں ہوگی۔"

"میرے قہقہوں کا باعث میری مسرت ہے دراصل ہم دونوں کی خواہشات یکساں ہیں۔ آرزوؤں اور تمناؤں کی اس یکسانی [illegible] ہی کر دیا ہے۔ تم اپنی منزل کی راہ سے واقف ہو لیکن میری سمجھ میں اب تک نہیں آیا کہ مجھے کن راہوں پر چل کر اپنی تمناؤں کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرنی چاہئے۔" محمد علی نے کہا۔

"فی الحال تو میں بھی اندھیرے میں تیر چلا رہا ہوں۔ ہاں میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ میری کامیابی کا دارومدار میری سواری کی مہارت اور میرے سپاہیانہ کرتبوں پر ہے۔ میں اس میں کامیاب ہوگیا تو میرے مملوک ہونے میں تاخیر نہ ہوگی اور میں جلد ہی اپنی خواہشوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ خیر آج تم بھی سن لو کہ مجھے عثمان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لوگ میرے جوان ارادوں سے واقف ہو کر میرا مذاق اڑاتے ہیں اور بک (عہدیدار) کہہ کر مجھ پر طنز کرتے ہیں لیکن جلد ہی وہ دیکھیں گے کہ میں واقعی "بک" بن گیا ہوں۔ دنیا بھر میں میرے چرچے ہو رہے ہیں اور داستان گو میرے جاہ و جلال کی داستانیں بڑے فخر سے بیان کر رہے ہیں۔ ہاں تم بھی اچھی طرح یاد رکھو کہ آئندہ جب بھی تمہارے کان عثمان بک کا نام سُنیں تو یہ اس عثمان کے سوا دوسرا کوئی نہ ہوگا جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑا تم سے باتیں کر رہا ہے۔" یہ کہہ کر غلام خاموش ہوگیا۔

محمد علی نے نفرت بھری نگاہیں غلام پر گاڑ کر کہا۔

"یاد رکھو میرا نام محمد علی ہے اور مجھے ابراہیم آغا کا فرزند ہونے کا فخر حاصل ہے تم جب

بھی میرا نام سنو تو فوراً سمجھ جانا کہ یہ وہی ہے جو تمہیں ساحل پر ملا تھا۔ میں ابتدا ہی سے آزاد ہوں اور خدا کے فضل و کرم سے اپنی انتہا تک اپنی آزادی کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ میرا سر نہ کسی انسان کے سامنے جھکا ہے اور نہ آئندہ جھکے گا۔ اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ میرا نام بھلائے جانے کے قابل نہیں۔ خداوند کریم کی مہربانی سے پوری دنیا میں میرے کارناموں کی دھوم مچ جائے گی اور ہر انسان کے ساتھ تم بھی اس کی بازگشت سنو گے۔"

محمد علی نے اپنی بات ختم کرکے گردن کو اکڑایا اور بڑے وقار سے قدم اٹھاتے ہوئے اپنی راہ لی۔

عثمان کو ہنسی آگئی اور اس نے دبی زبان میں جو محمد علی کے کانوں تک نہ پہنچی، کہا۔ اے شیخی باز، بدتمیز محمد علی مجھے یقین ہے کہ جلد ہی تمہیں میرا نام سننے کی سعادت حاصل ہوگی۔ تو غلط فہمی اور خود فریبی کا شکار ہے۔ حالانکہ مجھے بخوبی علم ہے کہ مستقبل میں کسی کی زبان پر تیرا نام نہ ہوگا تو اس طرح گمنامی کی چادر اوڑھے ہوگا۔ جیسے اس نام کا کوئی آدمی قوالہ میں تھا ہی نہیں۔ ہاں تجھے اپنے ذہن میں عثمان بک کے نام کی یاد کو ہمیشہ تازہ رکھنا چاہیے۔ پھر عثمان اپنے جہاز پر آگیا۔ محمد علی اپنے مشاہدوں پر سوچ بچار کرنے اور کچھ دیر ستانے کے لئے پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ آیا تھا۔ محمد علی نے دیکھا کہ جہاز مصر کی سمت جا رہا ہے اور وہ جہاز کو اس وقت تک مسلسل دیکھنے میں مصروف رہا۔ جب تک کہ جہاز نظروں سے غائب نہیں ہوگیا۔ محمد علی نے سوچا۔ جہاز میری نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے۔ ممکن ہے میں اسے پھر کبھی نہ دیکھ سکوں لیکن مجھے یقین ہے کہ میں حال کے غلام عثمان اور شاید مستقبل کے عثمان بک سے دوبارہ ضرور ملوں گا اور اسے میرا نام بھی یاد ہوگا۔ میں اس کی روانگی مصر پر رشک کر رہا ہوں۔ مصر میری تمناؤں کی معراج ہے میری منزل ہے اور میری خواہش تھی کہ میں بھی اس کے ہمراہ مصر جاؤں لیکن کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ایک اسیر غلام تو اپنی منزل کی سمت روانہ ہو جائے اور میں منزل کی لگن کو سینے سے چمٹائے یہیں رہ جاؤں۔ میں کوشش بھی کروں تو قوالہ سے دور نہیں جا سکتا۔ کیونکہ ماں کے پیار کی مضبوط زنجیریں میرا راستہ روک لیں گی۔

تین روز بعد غلام عثمان کا جہاز بحر خضر میں داخل ہوا اور چوتھے روز اس نے سکندریہ کی

بندرگاہ پر لنگر ڈال دیا۔ سوداگروں اور ان کے ایجنٹوں کی کثرت سے بندرگاہ پر تل دھرنے کی جگہ نہ رہی ــــ غلاموں کے نیلام کا آغاز ہوا تو ناخدا نے اپنے غلام عثمان کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ غلام اپنے آقا کی خلوص دلی سے خدمت کرتا ہے اور اس قدر وفادار ہے کہ آقا کے ہلکے سے اشارے پر اپنی جان دے دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ ناخدا اپنی بات مکمل نہ کر سکا تھا کہ یہ سن کر عثمان مارے غصّے کے آپے سے باہر ہو گیا اور چلّا کر بولا "میں کے علاوہ دوسری خوبیوں کا بھی حامل ہوں۔ میں گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہوتا ہوں۔ بے لگام بیٹھ کر بڑے بڑے جنگلوں سے بحسن و خوبی گزر جاتا ہوں اور شمشیر زنی میں اس قدر ماہر ہوں کہ ایک ہی وار سے کئی سر قلم کر سکتا ہوں"۔

مملوک سردار مراد بک اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کے لئے غلاموں خصوصاً شہ سواروں کو خریدتا رہتا تھا۔ اس کے ایجنٹ غلاموں کی مختلف منڈیوں میں گھومتے رہتے تھے۔ اس بندرگاہ میں بھی مراد بک کا ایک دلالی موجود تھا۔ اس نے جیسے ہی عثمان کی آواز سنی اور اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھا فوراً اس کے الفاظ کی صداقت کو تسلیم کر کے ناخدا سے اس کی قیمت پوچھی۔

"غلام کی خوبیوں کا حال آپ نے سن لیا ہے اس لئے اس کی قیمت بھی عام غلاموں سے دوگنا ہے اور وہ یقیناً اس قیمت کا حقدار بھی ہے"۔ ناخدا نے جواب دیا اور کافی دیر کی سودا بازی کے بعد عثمان بک گیا۔

محمد علی اس سودے سے واقف ہو جاتا۔ عثمان کی نیلام کے مال کی طرح بولی پڑتے سنتا اور امیر مراد بک کی اس خوشی کا مشاہدہ کرتا جو اسے عثمان کی خرید سے حاصل ہوئی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھتا کہ کس طرح مراد بک نے عثمان کو اپنے غلاموں کی فہرست میں شامل کر کے اس کی پرورش کی ہے تو یقیناً محمد علی کو اپنی مفلسی، کس مپرسی اور بے بسی سے پیار ہو جاتا۔ وہ اپنے آپ پر فخر کرتا کہ غلامی کی ذلّت سے محفوظ ہے اس لئے اس کا نیلام نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اسے کسی کا خدمتگار ہی بنایا جا سکتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی اس سربلندی، خوش قسمتی اور عزت و احترام سے واقف رہے جو اس کے مقدر میں لکھے ہوئے ہیں۔

جب محمد علی پہاڑی کی چوٹی سے جہاز کی روانگی کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس کی ماں کپڑے کی گٹھڑی بغل میں داب کر لیون کی کوٹھی پر جا پہنچی تھی۔ لیون، خضرہ کا احترام اپنی ماں کی طرح کرتا تھا۔ اس نے خضرہ کی آمد کا سبب پوچھا تو خضرہ نے بتایا کہ وہ اس کپڑے کو لوٹانے آئی ہے جو محمد علی نے اس کے لئے خریدا تھا۔ یہ کپڑا اس کے پہننے کے قابل نہیں ہے۔ وہ اس کپڑے کو محمد علی کی لاعلمی میں اس لیے لائی ہے کہ اس کی واپسی سے اس کے بیٹے کو رنج نہ ہو اب وہ اس کپڑے کے بارے میں پوچھے گا تو وہ کہہ دے گی کہ کپڑے کو سینے کے لئے دے چکی ہے تاکہ عیدِ اضحیٰ پر پہنے اور عیدِ اضحیٰ پر وہ زندہ نہ ہوگی اور وہ خود بخود کپڑوں کی بات بھول جائے گا۔

لیون نے کہا کہ وہ محمد علی سے اس کپڑے کی قیمت نہ لینا چاہتا تھا کیونکہ وہ محمد علی سے اپنے بیٹے کی طرح محبت کرتا ہے۔ اس نے محمد علی کے دیئے ہوئے روپے علیحدہ رکھے ہوئے ہیں اور اب ان روپوں کو واپس کر کے مسرت محسوس کرے گا۔ پھر لیون نے خضرہ کے عیدِ اضحیٰ پر زندہ نہ ہونے کے سلسلہ میں روشنی ڈالنے کو کہا جسے خضرہ ٹال گئی اور روپے لینے سے بھی انکار کر دیا اور لیون سے وعدہ لیا کہ وہ محمد علی سے اس کپڑے کی واپسی کا ذکر تک نہ کرے گا۔ کپڑے کی قیمت اپنے پاس رکھے گا اور جب کبھی محمد علی کو روپوں کی ضرورت ہوگی۔ ان روپوں میں سے دے گا اور کہے گا کہ اس کی ماں نے بھیجے ہیں اور نصیحت کی ہے کہ انہیں اچھے طریقہ سے استعمال کرے۔ ساتھ ہی خضرہ نے لیون سے کہا کہ وہ اس کی موت کے بعد محمد علی کو اپنی نگرانی میں رکھے ..... اور ماں کی محبت کو تازہ کر کے صبر کی تلقین کرے ... تاکہ وہ اس کی جدائی پر مغموم نہ ہو بلکہ یہ سمجھ کر خوش و خرم ہو کہ اس کی ماں اپنے شوہر اور اس کے باپ ابراہیم آغا کی خدمت بجا لا رہی ہے اور اس کے ماں باپ اسے ہر لمحہ ہر جگہ دیکھتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس کا فرض ہے کہ خدا اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو پیشِ نظر رکھے اور نیکی کو کسی حالت میں ترک نہ کرے تاکہ ماں باپ اس کے نیک اعمال کو دیکھیں اور اسے دعائیں دیں۔

لیون کو خضرہ کی مایوسی سے شدید صدمہ ہوا وہ اس کی تمام خواہشات کو پورا کرنے

کا وعدہ کرکے بولا کہ آخر وہ اپنی زندگی سے اس قدر مایوس کیوں ہے ؟"

خسنزہ نے بیون کے وعدہ پر اظہار اطمینان کرکے کہا کہ وہ گذشتہ چند روز سے جان کنی کی حالت میں مبتلا ہے ۔ محمد علی کی محبت سے مجبور ہو کر اپنے چہرے پر گلاب کا تیل لگا کر اپنے زرد رنگ کو چھپائے ہوئے ہے اسے ٹائیفائڈ کی شکایت ہے اور وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ اب وہ ایسی جگہ جانے والی ہے جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آتا۔

یہ کہہ کر خسنزہ اٹھی اور اپنی جھونپڑی کی سمت چل دی تاکہ اپنی زندگی کے آخری لمحات اپنے فرزند محمد علی کی معیت میں گذارے ۔

(۱۱)

اظہارِ دوستی

●

خسرو پاشا کی آمد سے حسان شور بجی کے مکان میں بہت بڑی تبدیلی ہوئی۔ مکان کی بالائی منزل خسرو پاشا کے تصرف میں آئی۔ زنان خانے میں اس کی بیگمات مقیم ہو گئیں اور باغ کے کافی بڑے حصے کو بھی ان کے سپرد کر دیا گیا کیونکہ زنانخانے میں آنے جانے کا راستہ اسی باغ میں سے ہو کر گیا تھا۔ حسان شور بجی کے فرزند عثمان کے حصہ میں اس قدر کم جگہ آئی کہ وہ اپنے دوست محمد علی سے مہمانوں کی شکایت کرنے پر مجبور ہوا۔ اس کو گلہ تھا کہ وہ باغ کے نظارے، تازہ ہوا اور آفتابی غسل کی سی فطری نعمتوں سے محروم ہو گیا ہے۔ محمد علی داستان گو سے ممالیک کی کہانی سن چکا تھا اور اب اسی کہانی کو عثمان کے گوش گزار کرنے آیا تھا۔ عثمان چارپائی پر دراز تھا، محمد علی بھی اس کے پہلو میں جا بیٹھا اور بڑے جوش و خروش سے مملوکوں کے عروج کی داستان سنانے لگا۔ عثمان پوری محویت سے ٹکٹکی باندھے محمد علی کی طرف دیکھتا رہا۔ محمد علی کہانی سنا چکا تو عثمان سے مخاطب ہوا کہ وہ اس کہانی سے لطف اندوز ہوا ہے یا نہیں اور اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ وہ بھی ان شہروں کی طرف جائے جہاں غلام، سپاہی، سپاہی، سردار اور سردار امیر بن جاتے ہیں۔

عثمان نے بتایا کہ اسے داستان میں کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے اس نے کچھ نہیں سنا وہ تو محض محمد علی کو دیکھتا رہا ہے کیونکہ اسے محمد علی کو دیکھنے سے دلی مسرت ہوتی ہے۔ وہ محمد علی کو بیگانہ نہیں بلکہ اپنا ہی پرتو سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ محمد علی ہمیشہ اس کی نظروں کے سامنے رہے خصوصاً آج کل تو اسے محمد علی کی شدید ضرورت ہے کیونکہ ان بن بلائے مہمانوں نے اس کی دلچسپیوں کو محدود کر دیا ہے۔ اس کے والد بھی اس کی وجہ

سے مہمانوں سے ناخوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد ہی ان سے چھٹکارا مل جائے حالانکہ ان مہمانوں کا قیام اس کے والد کو کئی فائدے پہنچا سکتا ہے۔

محمد علی نے استفسار کیا کہ کیا یہ مہمان کافی عرصہ قیام کا ارادہ رکھتے ہیں؟

عثمان نے بتایا کہ یہ مہمان سلطان کے غصہ کا شکار ہو کر یہاں آئے ہیں ان کے دوست استنبول میں ان کی معافی کے لئے کوشش کر رہے ہیں لیکن ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی اور جب تک ان کے دوست انہیں اُسی عزت و احترام کے پہلے مقام پر نہ پہنچا سکیں گے یہ مہمان جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ان مہمانوں کا فرض تھا کہ ممالیک کی سرکوبی کے لئے اس مقام پر جاتے جہاں سے ممالیک نے بغاوت کر کے ترکی حاکم کو بھاگنے پر مجبور کر دیا ہے لیکن ہمارے یہ مہمان انتہائی سستی اور شہوت پرستی کا شکار ہیں۔ اسی لئے میدانِ عمل سے بھاگ کر یہاں آ گئے ہیں۔

محمد علی نے عثمان سے کہا کہ وہ ایسے مردوں کو ناپسند کرتا ہے جو عورتوں کے ناز و ادا میں گم ہو کر شجاعانہ کارناموں سے منہ موڑ کر بزدل بن جاتے ہیں۔ بیکاری کے ایام میں مردوں کا عورتوں سے کھلونوں کی طرح دل بہلا لینا تو کسی حد تک درست ہو سکتا ہے، لیکن ہر لمحہ عورتوں کے چکر میں مبتلا رہنا کسی طرح بھی مستحسن نہیں۔ اس کے نزدیک عورتیں مردوں کے لئے موت کے جال ہیں جن میں پھنس کر کوئی بھی زندہ و سلامت نہیں رہ سکتا۔ وہ زندگی بھر کسی عورت کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اُس کی زندگی میں آئے اور تباہی کے راستے پر ڈال دے۔ اُسے اُس کے مہمان خسرو پاشا سے شدید نفرت ہے کیونکہ اس کے خیال میں وہ عورتوں کا رسیا ہے۔ یہاں اس کی مراد صرف ان عورتوں سے ہے جو آوارہ ہیں۔ سب عورتیں یکساں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں بہنیں بھی عورتیں ہیں جن کی عزت و شرافت کی وہ قسم کھا سکتے ہیں۔

عثمان نے جواب دیا کہ وہ کسی حد تک محمد علی کے خیالات سے متفق ہے اور خسرو پاشا واقعی اس قابل ہے کہ اس سے نفرت کی جائے کیونکہ وہ اپنے شب و روز

عورتوں میں بسر کر رہا ہے۔ اس کے حرم میں کئی عورتیں اس کے اردگرد جمع رہتی ہیں۔ ناچ گانے کا پروگرام جاری رہتا ہے اور وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو کر اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہر مرد عورت کی شیریں بیانی اور اُس کے نازو ادا کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مرد عورتوں کی ہمراہی میں دلی مسرت محسوس کرتا ہے اور اپنے محبوب کے لئے جان تک دے دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ خداوند کریم نے خود فرمایا ہے کہ بہشت میں حوریں مومنوں کی خدمت گار ہوں گی۔ بڑی بڑی بزرگ ہستیاں عورتوں کو پیار کرتی ہیں۔ وہ اسے تسلیم نہیں کر سکتا کہ محمد علی زندگی بھر محبت کے نام سے بیزار رہ سکتا ہے۔ خیر محمد علی ایک صحت مند نوجوان ہے۔ اُسے تو محبت ہونی ہی چاہیے۔ وہ جو بیمار اور کمزور ہے۔ وہ بھی ایک ہستی سے سچی محبت کرتا ہے اور اپنے دل سے عہد کر چکا ہے کہ اسے ہمیشہ اپنا محبوب بنائے رکھے گا۔

محمد علی نے فوراً کہا "کیا میں اس خوش قسمت ہستی کا نام دریافت کر سکتا ہوں؟"

عثمان کے ہونٹوں پر ہنسی کھیلنے لگی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر سامنے رکھا ہوا آئینہ پکڑا اور محمد علی کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "لو اپنی آنکھوں سے میرے محبوب کی زیارت کر لو۔"

محمد علی فرطِ مسرت سے اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بولا "گو میں قبل ازیں اس بات کو اپنی زبان پر نہیں لا سکا لیکن آج میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اس وسیع و عریض دنیا میں اپنی ماں کے بعد جن چند لوگوں سے محبت ہے ان میں تمہارا نام سرِ فہرست ہے۔ میں تمہاری خاطر اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ تم بھی مجھے اپنا دوست کہتے ہو تو آؤ آج ہم اپنی دوستی کو اپنی زندگیوں کے آخری سانس تک قائم رکھنے کا عہد کریں۔ دیکھو یہ رہا میرا ہاتھ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں جب بھی میری ضرورت ہوئی میں ہزاروں میل دُور سے بھی تمہارے پاس پہنچوں گا اور تمہاری خدمت کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کروں گا اور آئندہ اپنی زندگی کا ہر واقعہ اچھا یا بُرا جو کچھ بھی ہوا تم سے بیان کر دیا

کروں گا۔ کیا تم بھی اسی قسم کا عہد کر سکتے ہو۔"

"میں خلوص دل سے عہد کرتا ہوں کہ زندگی بھر تمہیں اپنے آپ سے الگ نہ سمجھوں گا میری دعا ہے کہ خداوند کریم ہمارے ان تعلقات کو دنیا کی بُری نگاہوں سے پوشیدہ رکھے اور مجھے طاقت بخشے کہ میں ہر موقع پر اپنی اس سچی محبت کا عملی ثبوت پیش کر سکوں۔"

محمد علی نے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے محبت سے اپنے دوست کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور ان کی نگاہوں نے اپنی خاموش زبان میں جو باتیں کیں الفاظ اسے بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ پھر محمد علی نے داستان گو کے پاس جانے کے لئے اجازت طلب کی اور دوسرے روز آنے کا وعدہ کر کے روانہ ہو گیا۔ عثمان خدا حافظ کہہ کر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ محمد علی یہ بھول چکا تھا کہ باغ کے بڑے حصہ پر خسرو پاشا کی بیگمات کا قبضہ ہے اور اس طرف سے مردوں کا گزرنا ممنوع ہے۔ وہ باغ کے دروازہ سے باہر نکلنے کے لئے آگے بڑھا تھا کہ ایک نقاب پوش حسینہ عقب سے آتی ہوئی معلوم ہوئی۔ دو خواجہ سراؤں نے جو حسینہ کے آگے آرہے تھے۔ محمد علی کو دیکھا تو وہ دور ہی سے پکارے کہ فوراً راہ سے ہٹ جاؤ۔ محمد علی نے سنا تو اپنی جگہ پر ٹھہر کر انہیں حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا کہ انہیں حاکم حسان شور بجی کے مکان کے حقوق ملکیت کس طرح حاصل ہو گئے ہیں اور وہ اسے کس طرح حکم دینے کی جرأت کر رہے ہیں۔ وہ ان کے حکم کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ہاں محض اپنی شرافت اور مرضی سے لوٹ جاتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ واپس ہوا تو حسینہ کے بالکل قریب سے گذرا اور اس قدر بے پرواہی برتی کہ اس کی طرف آنکھ تک نہ اٹھائی لیکن حسینہ اپنی نرگسی آنکھوں سے جو اس کے دل میں محبت کی چنگاری سلگا چکی تھیں اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور اپنے سرخ و نرم ہونٹوں کو کھول کر آہستہ سے بولی کہ خدا نے اس نوجوان کو کس قدر خوبصورت بنایا ہے۔ اس کا چہرہ مردانہ حسن کا نمونہ ہے۔ اس کی آنکھیں سحر انگیز ہیں۔ جو میرے دل میں پیوست ہو کر مجھے دیوانی بنا گئی ہیں۔

❀

(۱۲)

خضرہ کی موت

محمد علی ہر روز داستان گو کی محفل میں شریک ہوتا اور وہاں سے نئے عزم، نئی خواہشیں اور نئے ولولے لاتا۔ اب وہ قوالہ کے سب سے اچھے نشانہ باز، سب سے اچھے ماہی گیر اور سب سے اچھے شکاری ہونے پر فخر نہ کرتا۔ اس کے نزدیک یہ سب بیکار باتیں تھیں۔ جو اسے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکتی تھیں۔ تمباکو کے چند تاجروں، چند خراج وصول کرنے کے لئے آنے والوں یا قوالہ کے لوگوں کے علاوہ کوئی بھی ان باتوں سے واقف نہ ہو سکتا تھا اور محمد علی ان لوگوں کو کوئی اہمیت نہ دیتا تھا۔ اب اس کے دل بڑی بڑی امنگیں جنم لے چکی تھیں اور ان کی تکمیل مصر کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ دن رات مصر کے خیال میں غرق رہتا تھا اور تصور ہی تصور میں افریقہ کے ساحل سکندریہ۔ اس کی بندرگاہ، مسجدوں۔ میناروں، برجوں، شہر قاہرہ، اس کے محلوں اور بازاروں کی سیر کرتا رہتا۔

ایک روز محمد علی غار میں بیٹھا اپنے خوابوں میں کھویا ہوا تھا کہ چیخنے کی آواز سنائی دی۔ خضرہ کی درد بھری آواز محمد علی کے بیمار چچا طوسون آغا نے سنی تھی اور خضرہ کی حسب خواہش جھونپڑی کے قریب کھڑے ہو کر چیتے کی آواز نکال کر محمد علی کو پکارا تھا اور خود کمزوری کے باعث اپنی چارپائی پر جا لیٹا تھا۔ محمد علی نہایت تیز رفتاری سے چیلتا ہو بہاری کو پیچھے چھوڑ کر اپنی جھونپڑی میں پہنچا تو اپنی ماں کو جان کنی کی حالت میں ٹکٹکی باندھے ہوئے اپنی طرف دیکھ کر غمگین ہو گیا اور ماں کے سرد ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر درد بھری آواز میں بولا:

”ماں! پیاری ماں! میں تمہارا بیٹا محمد علی تمہاری خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ ماں،

دیکھو یہ میں ہوں! میری آواز سنو میں تمہارا بیٹا محمد علی بول رہا ہوں۔ ماں! خدا کے لئے مجھے اکیلا تو نہ چھوڑ جاؤ۔"

خضرہ کی روح اپنے جسم سے جدا ہو رہی تھی لیکن اب بیٹے کی آواز مادری محبت کو بیدار کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی اور روح نے بے بس ہو کر خضرہ کو چند لمحوں کی مہلت دے دی تھی جن میں خضرہ سنبھالا لے کر مسکرائی اور محمد علی کو اپنی چھاتی سے چمٹا کر بولی۔

"میرے عزیز بیٹے! میں تمہیں پہچانتی ہوں۔ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی کہ تمہارے والد کی ملاقات سے پہلے تم سے ملاقات کر کے اپنے کلیجے کو ٹھنڈا کر لوں۔"

محمد علی نے آنکھوں میں آنسو لا کر کہا:

"ماں! میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھ سے جدا ہونے کی کوشش نہ کرو۔"

خضرہ نے اپنے اکھڑے سانس کو درست کر کے اور اپنی لبوں پر آئی ہوئی جان کو روک کر کہا۔ "عزیز از جان بیٹے! اپنے دل کو سنبھالو۔ حوصلہ رکھو۔ اب میری فکر بے کار ہے۔ میں صرف چند لمحوں کی مہمان ہوں۔ میں ایک عرصہ سے بیمار تھی اور ہر ممکن طریقہ سے اپنی حالت کو چھپا رہی تھی لیکن اب میرا زندہ رہنا نا ممکن ہے اب میں صرف تمہیں آخری بار دیکھنے کے لئے زندہ رہی ہوں۔"

محمد علی غم کی شدت سے بالکل خاموش رہا۔

خضرہ پھر بولی:

"تمہارے لئے میری وصیت ہے کہ دل پر قابو رکھو۔ تم مرد ہو اور مرد رویا نہیں کرتے۔ میرے بیان کئے ہوئے خواب کو حقیقت کا رنگ دو۔ اپنے کئے ہوئے عہد کے مطابق تمہیں وہ دلیر سپاہی بننا ہے جس کے سر پہ تاج اور ہاتھ میں تلوار ہوگی۔ مجھے تو تمہاری نسلوں کے سروں پر بھی تاج نظر آ رہے ہیں۔ میں لوگوں پر تمہاری بالادستی دیکھ رہی ہوں۔ میری روح نے مجھے اس لئے مہلت دی ہے کہ میں تمہارے وعدے یاد دلا دوں۔"

محمد علی حسرت و یاس کی تصویر بن کر ہولے ہولے بولا۔

"آپ اپنی روح کو اب اپنے جسم سے جانے کی اجازت نہ دیں یا مجھے اپنے ہمراہ لے

چلیں۔ ماں! میری پیاری ماں! میں تمہارے بغیر اپنی زندگی میں ناکامی اور تاریکی کے سوا کچھ بھی نہیں پاتا۔ مجھے آپ کے خواب اور ہاتف و کاہنہ سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ اب میری خواہش ہے کہ دوسری دنیا میں آپ کے اور اپنے والد کے ہمراہ رہوں۔"

"یہ ناممکن ہے میں اسے پسند نہیں کرتی۔ ہر انسان کی موت کا وقت لوح پر درج ہے۔ مجھے تنہا ہی تمہارے والد کے پاس جانا ہے۔ میں انہیں تمہارا حال سناؤں گی اور بتاؤں گی کہ تم ہماری یاد کو زندہ رکھنے اور ہمارے نام کی سربلندی کے لئے دنیا میں رہ رہے ہو۔ اب تمہارا فرض ہے کہ میرا کہا مانو اور میری آرزوؤں کی تکمیل کے لئے کوشش کرو۔"

خضرہ اس گفتگو سے نڈھال ہو گئی۔ سانس کی آمد و رفت قائم رکھنے میں تکلیف محسوس کرنے لگی اور بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو رواں دواں ہو گئے۔ محمد علی نے دیکھا تو گھبرا کر بولا:

"ماں! خدا کے لئے ایک بار پھر زبان کھولو۔ میں مشتاق ہوں۔"

"خضرہ نے ہولے ہولے اپنے لب کھولے اور آہستگی سے کہا:

"میں تمہارا مدعا سمجھ گئی ہوں۔ لو سنو۔ مجھے تم سے محبت ہے اسی لئے میں گذشتہ ایک برس سے موت کا مقابلہ کرتی رہی اور تمہیں بے خبر رکھا۔ اگر تمہاری محبت سدِ راہ نہ ہوتی تو میں کب کی دم توڑ چکی ہوتی۔ خدا تمہیں صبر عطا فرمائے۔ میں دعا کرتی ہوں کہ خدا تمہیں ایسی نیک دلہن عطا فرمائے جسے تم سے اس قدر محبت ہو جس قدر مجھے تمہارے والد سے تھی . . . . خدا تمہارا نگہبان ہو . . . . اس کی مہربانیاں تم پر نازل ہوں . . . . میں تمہیں اسی کو سونپتی ہوں . . . . اور اسی کی حفاظت میں دیتی ہوں۔"

محمد علی اپنی ماں سے اس قدر قریب تھا کہ اس کے ہر لفظ کو بخوبی سن رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی محسوس کیا کہ ماں اسے چھاتی سے لگانا چاہتی ہے۔ وہ فوراً ماں کے سینے سے لگ گیا۔ ماں نے سینے سے لگا کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور لبوں پر مسکراہٹ بکھیرتی ہوئی آنکھوں کو بند کر کے دوسری دنیا کو سدھار گئی۔

محمد علی نے ماں کی یہ کیفیت دیکھی تو چیخ ماری اور ماں . . . . ماں . . . . ماں . . . .

کہتے ہوئے بے ہوش ہو کر قریب ہی گر گیا۔

ہمسایوں نے محمد علی کی چیخ سنی تو دوڑ کر پہنچے اور جان گئے کہ بیچاری خضرہ دنیائے فانی سے کوچ کر گئی ہے۔ پھر ہمسایوں نے محمد علی کو بے ہوش پڑے دیکھا تو ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں۔ محمد علی جیسے ہی ہوش میں آیا اُس کی نظر ماں کے مردہ جسم پر پڑی اور وہ دیوانگی کے عالم میں بے قرار ہو کر اٹھا اور چیخیں مارتا ہوا دروازے سے باہر نکل کر غائب ہو گیا۔ لوگوں نے اسے پکڑنا بے سود سمجھا اور یہ سوچ کر خاموش ہو گئے کہ وہ اپنے غم کی شدت کو بھلانے گیا ہے جلد ہی لوٹ آئے گا۔

مرحومہ کے کفن دفن کے انتظامات کئے گئے اور لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے قبرستان تک جنازے میں شرکت کی۔ گو مرحومہ ایک مفلس عورت تھی لیکن قوالہ کے سبھی مرد، عورت اس کی شرافت، خلق اور ہمدردی کے قائل تھے۔ اس لئے اسے بڑی عزت و حرمت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ لوگ مرحومہ کے کفن دفن کے انتظامات میں اس قدر مصروف تھے کہ انہیں محمد علی کی یاد تک نہ آئی اور محمد علی کو بھی اس لئے ماں کے بارے میں پھر کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ اپنی جھونپڑی سے بھاگ کر اپنے مونس و ہمدم غار میں یہ سوچ کر آ گیا تھا کہ اب جیتے جی اس غار سے باہر نہ نکلے گا۔

محمد علی غار میں پہنچ کر دنیا کی بے ثباتی پر غور کر کے اپنی ماں کو یاد کرتا تھا اور مسلسل آنسو بہا رہا تھا۔ روتے روتے اس کی ہچکی بند گئی۔ پھر وہ اس قدر کمزور اور غمگین ہو گیا کہ نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ غار میں چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ رات ہو چکی تھی اور قسم قسم کے حشرات الارض محمد علی کے جسم پر سے گذر کر اپنی خوراک کی تلاش میں آوارہ پھر رہے تھے۔ محمد علی بالکل بے خبر سو رہا تھا۔ ایک بار ایک بڑے سانپ نے اس کے جسم پر سے گذر کر باہر کی راہ لی تو اس نے گھبرا کر آنکھ کھولی اور چھلانگ لگا کر الگ کھڑا ہو گیا مگر پھر یہ سوچ کر بیٹھ گیا کہ میں تو خود ہی موت کا متلاشی ہوں۔ مجھے موت سے ڈرنا نہیں چاہیئے کیونکہ میں زندگی سے نفرت کرتا ہوں، اس زندگی میں تاریکی ہی تاریکی رہنے۔ ماں کے بغیر کسی شئے میں لطف نہیں۔ جب ماں

ہی نہ رہی تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ مجھے تخت و تاج کی خواہش نہیں رہی۔ میں اب ترقی کی خواہش نہیں رکھتا۔ مجھے موت قبول ہے۔ زندگی انہیں مبارک ہو جو اس کی آرزو کرتے ہیں۔ ہاں جو تمنا آزاد محمد علی پوری نہ کر سکے غلام عثمان کو پوری کر لینے دو۔ گو موت اس کا تعاقب بھی کر رہی ہے لیکن خیر غلام کو کامیاب ہونے دو۔ آزاد محمد علی کا مقدر تو ناکامی ہو چکی ہے۔ خیالات میں محو محمد علی نے چاہا کہ دوبارہ سو جائے لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ غلام عثمان کی یاد اسے کانٹوں پر گھسیٹ رہی تھی اور نیند اس کے بس سے باہر ہو چکی تھی۔ خیالات کی بھول بھلیاں اسے نیل کی وادی، مملکت خلفا اور ممالیک کے دارالسلطنت میں گم کئے ہوئے تھیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ستارے ناچنے لگے اور اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک ایسا ازلی ابدی بھوکا ہے۔ جسے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے اناج کی ضرورت ہے اسے اس ٹھوس حقیقت کا بھی قائل ہونا پڑا کہ محض دل کے چاہنے سے موت قریب نہیں آتی بلکہ مرنے کے لئے جسم کا عدم تعاون کرنا بھی ضروری ہے۔ اُس نے سوچا اس نے کئی بار بھوک پیاس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اس آخری بار بھی مردانہ وار مقابلہ کرے۔ یہ سوچ کر اس نے ایک بڑے پتھر کو مضبوطی سے پکڑ لیا جیسے پتھر سے مدد مانگ رہا ہو کہ اسے باہر جانے سے روکے مگر وہ بھوک پیاس سے اس قدر نڈھال ہو چکا تھا کہ اپنے جسم کو کسی طرح بہلا نہ سکا۔ اٹھا اور پوری قوت سے غار کے منہ کی طرف بھاگا۔ وہ اس وقت بدحواسی کے اس مقام پر تھا جہاں سوچنے سمجھنے کی سب قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو چکا تھا۔ مارے پیاس کے اس کے ہونٹ اس قدر خشک تھے کہ اب بڑی تیزی سے پھٹ رہے تھے۔

اس نے غار سے باہر آ کر سرد ہوا میں سانس لیا تو اس کے جسم کی قوت جاتی رہی۔ تو سدھ نے ساتھ چھوڑ دیا اور وہ بے سدھ ہو کر زمین پر آ رہا۔ اس کے کانوں میں کچھ اس قسم کی آوازیں آئیں جیسے کوئی سرگوشیاں کر رہا ہو مگر وہ جواب دینے پر قادر نہ تھا اور یہ لیون کی وہ آوازیں تھیں جو وہ محمد علی کو دے رہا تھا۔ لیون نے قریب پہنچ کر محمد علی کو جھنجھوڑ کر ہوش میں لانے کی کوشش کی اور اپنے منہ کو اس کے کانوں سے لگا کر بولا ــــ "میرے عزیز محمد علی! تم اپنے آپ کو کیوں تباہ و برباد کر رہے ہو۔ اگر اس وقت تمہاری فدا کار ماں زندہ ہوتی تو اس کا

کلیجہ دھک سے رہ جاتا۔"

محمد علی کے کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں اور آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ بیون نے اسے ہوش میں آتے دیکھا تو کہا۔" میں جانتا ہوں کہ تم بھوکے ہو اسی لئے تمہاری طاقت بحال کرنے لئے میں کھانا لایا ہوں۔"

پھر بیون نے پہلے تو ایک شیشی سے محمد علی کے منہ میں ایک طاقت بخش دوا کے چند قطرے ٹپکائے۔ پھر اس کے سامنے کھانا رکھا۔ جسے محمد علی نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اس کے چہرہ پر رونق آگئی جسے دیکھ کر بیون بہت خوش ہوا۔ محمد علی نے بیون سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ نے مجھے موت کے چنگل سے بچا کر میرے ساتھ ظلم کیا ہے کیونکہ میں اپنی زندگی سے منہ موڑ کر اپنی ماں کے آغوش میں جانا چاہتا تھا۔"

بیون نے محمد علی کا ماتھا چوم کر کہا:

"عزیز بیٹے! تمہاری ماں تمہیں زندہ و سلامت دیکھنا چاہتی ہے۔ اُسے تم سے محبت ہے اور میرا محبت سے تمہاری پیشانی کو چومنا اُسی کی طرف سے ہے۔ وہ اپنی موت سے قبل مجھے ملنے آئی تھی اور کہا تھا کہ میں جب بھی تمہیں دیکھوں اس کا پیار پہنچا دیا کروں۔ تم اس کے اس پیار کی قدر کرو۔ دلی مسرت محسوس کرو اور اپنی بقایا زندگی ہنسی خوشی گذار دو۔"

محمد علی کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے جو اپنی گرمی کے باوجود محمد علی کی جلن کو ٹھنڈک پہنچانے لگے۔ گو رنج و الم کے باعث بیون کی آواز نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا لیکن وہ پھر بھی بڑی مشکل سے بولا:

"بیٹے! جی بھر کے رو لو۔ کیونکہ دل کی جلن کے لئے آنسو کا مرہم اکسیر ہے اور ہاں تمہیں نا امید ہو کر اپنے آپ کو مفلس و بے یار و مددگار نہیں سمجھنا چاہیے۔ تمہاری والدہ مرحومہ نے تمہارے نذر کئے ہوئے کپڑے مجھے لوٹا دیئے تھے اور وہ تمہارے لئے میرے پاس پچاس اشرفیاں امانتاً رکھ گئی ہے۔ جو اب تمہاری ہیں۔ تم جس طرح چاہو انہیں اپنے کام میں لا سکتے ہو۔ مجھے اُمید ہے ان کے خرچ ہونے سے قبل ہی خداوند کریم تمہاری روزی کا مستقل انتظام کر دے گا اور تم فراغت کی زندگی بسر کرنے لگو گے۔ میں تمہاری ماں

سے وعدہ کر چکا ہوں کہ تمہاری زندگی کے ہر مرحلہ پر تمہاری مدد کروں گا تم جب بھی چاہو مالی مدد اور ضروری مشورہ کے لئے میرے پاس آ سکتے ہو۔ خیر اب تمہارے لئے صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ تمہاری ماں زندگی بھر تمہاری خاطر تکلیفیں برداشت کرتی رہی ہے۔ تمہاری آہ وزاری سے اس کی روح تڑپے گی۔ اب تو اسے اطمینان سے سانس لینے کا موقع دو۔ آؤ اٹھو اور میرے ہمراہ چلو اور ہاں میں تمہیں یہ تو بتانا بھول ہی گیا ہوں کہ تمہارا ایک گہرا دوست پہاڑی کی ڈھلوان پر کھڑا تمہارا منتظر ہے۔"

محمد علی نے اپنے آنسوؤں کو دامن سے خشک کیا اور بولا:

"میرے اس دوست کا نام کیا ہے؟ کیا یہ عثمان تو نہیں ہے؟"

"تمہارا خیال درست ہے وہ بھی میری طرح چٹان پر چڑھنے سے معذور ہے۔" لیون نے جواب دیا۔

محمد علی کھڑا ہو کر بولا:

"وہ میرے آنسوؤں کو دیکھ کر میری ہنسی نہ اڑائے گا۔ وہ واقعی میرا ہمدرد دوست ہے۔ آیئے میں اس سے ملاقات کروں۔"

محمد علی اور لیون پہاڑی سے اتر کر عثمان کے قریب گئے تو عثمان نے محمد علی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ لیون نے یہ کیفیت دیکھی تو یہ کہہ کر اپنی کوٹھی کی طرف چل دیا کہ دوست کا سب سے بڑا غمگسار دوست ہی ہو سکتا ہے اور کسی تیسرے کو ان کی گفتگو میں حصہ نہ لینا چاہئے۔

عثمان اور محمد علی نے آنسو بہا کر اپنے دلوں کے بار کو ہلکا کر لیا تو عثمان نے اپنے کمزور ہاتھ سے محمد علی کے مضبوط ہاتھ کو پکڑ کر کہا۔ میرے دوست، گو تمہاری والدہ وفات پا گئی ہے لیکن وہ تمہارے دوستوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے غیر فانی ہو چکی ہے چنانچہ اس لمحہ بھی وہ مجھے ہدایت کر رہی ہے کہ میں تمہارے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لوں اور تمہیں اپنے گھر لے جا کر چھوڑوں۔ اب میرا گھر تمہارا گھر ہے۔ اب میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا اور اب تمہیں میری درخواست کو قبول کرنا ہی پڑے گا۔"

محمد علی نے عثمان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"میرے ہمدم! میرے دوست! میں تمہارا ممنون ہوں لیکن میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کسی کی غلامی ہرگز قبول نہ کروں گا۔ تمہارے اصرار میں مجھے اپنی غلامی کی بو آتی ہے۔"

"تم خواہ مخواہ وہم میں مبتلا ہو۔ میں تمہیں اپنے دوستانہ تعلقات کی بنا پر مجبور کر رہا ہوں اور تم ان تعلقات کو غلامی کا نام دے رہے ہو۔ تم بخوبی واقف ہو کہ میں ہمیشہ سے تنہائی کا شاکی ہوں۔ تمہارے علاوہ میرا کوئی ایسا مخلص دوست نہیں جو میری بیماری اور تنہائی کا مونس بن سکے اور مجھے خوش و خرم رہنے میں مدد دے۔"

محمد علی کو عثمان کی باتوں نے بڑا متاثر کیا اور وہ کچھ دیر عثمان کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ کر بولا:

"لو بھئی عثمان، خوش ہو جاؤ۔ مجھے تمہاری غلامی پسند آ گئی ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی تمہاری خدمت اور دلجوئی کرنے میں پس و پیش نہ کروں گا۔"

(۱۳)

پہلی لڑائی

ماں کی موت کے بعد محمد علی کے وقت کا بیشتر حصہ عثمان کی معیت میں بسر ہوتا۔ کبھی کبھار وہ عثمان سے الگ ہوتا تو چٹانوں پر شکار کرنے، ایمبرو جاکر شکاریوں کے جال لانے یا شور بچی کے منہ زور گھوڑوں کو سدھارنے سے دل بہلاتا رہتا اور انہی سرگرمیوں میں ماں کی موت کے صدمہ کو فراموش کر دیتا۔ عثمان سے اس کی محبت روز بروز گہری ہوتی جاتی۔ وہ عثمان کی ہر خواہش کو پورا کرنے میں دل و جان سے حصہ لیتا لیکن عثمان کی یہ درخواست اس نے کبھی قبول نہ کی کہ وہ اپنے گھر کو چھوڑ کر عثمان کے گھر پہ اٹھ آئے۔ محمد علی بدستور اپنی جھونپڑی میں مقیم رہا۔ وہ اپنی ماں کے بستر پہ آرام کرتا۔ اُس کے آبخورے سے پیاس بجھاتا اور اس کی ہر چیز کو استعمال کرتا۔

ایک روز عثمان نے کہا:

"میرے دوست میں جانتا ہوں کہ تمہیں امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے نفرت ہے لیکن تم میری اور میرے والد کی خاطر اپنے اس خیال میں تبدیلی کر لو کیونکہ تم میرے ہمراہ رہو گے تو میں جلد ہی مکمل طور پر صحت یاب ہو جاؤں گا۔ میرے والد اس حقیقت سے واقف ہیں اور ان کی بھی یہی خواہش ہے کہ تم میرے ہمراہ رہو۔"

محمد علی عثمان کی محبت سے بڑا متاثر ہوا لیکن اس کے ہمراہ رہنے سے انکار کر کے بولا "عزیز دوست! میں اپنی آزادی کو گنوا کر رنجیدہ ہونا نہیں چاہتا۔ مجھے یہ ناپسند ہے کہ تم میرے رنج سے متاثر ہو کر اپنی صحت کو برباد کرو۔ میں آزاد رہ کر تمہاری دلجوئی کر سکتا ہوں۔ میں تمہاری بات مان کر تمہارے غلاموں کے تمسخر کا نشانہ بھی نہیں بننا چاہتا۔ جو اپنے دلوں میں یقیناً یہ [illegible] یں گے کہ بھلا ہم تو اس لیے عثمان کی

خدمت کر رہے ہیں کہ اس کے زر خرید غلام ہیں لیکن اس بے دام غلام کو دیکھو جو دن رات آقا کی خدمت میں مصروف ہے۔ عثمان! مجھے تو تم اپنے ہی دست و بازو سے روزی پیدا کرنے دو۔ گو میرا لباس بوسیدہ اور میرے رہن سہن کا انداز مفلسانہ ہے لیکن مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں کسی کا شرمندۂ احسان نہیں ہوں۔ مجھے اپنی آزادی عزیز ہے اور یہ اسی طرح محفوظ رہ سکتی ہے کہ میں اپنی جھونپڑی میں قیام کروں اور انہی چیزوں کو اپنے استعمال میں لاؤں جو میری ماں میرے لئے چھوڑ گئی ہے۔"

"میں تمہاری غیرت و حمیت اور بلند خیالی سے واقف ہوں۔ اس لئے مجبوراً تمہارے خیالات سے متفق ہوتا ہوں۔ گو میں تمہیں ہر لمحہ اپنے قریب دیکھنا چاہتا ہوں لیکن خدانخواستہ میری یہ خواہش کبھی نہیں ہوئی کہ میں تمہیں قید کر کے اپنا احسان مند بنانے کی کوشش کروں۔" عثمان نے کہا:

"دوست! میں پہلے ہی سے تمہارا کچھ کم احسان مند نہیں ہوں۔ تمہارے والد میری آمد پر اُٹھ کر خوش آمدید کہتے ہیں۔ مجھے اپنے دستر خوان پر اپنے قریب جگہ دے کر میری عزت افزائی کرتے ہیں اور یہ محض تمہاری محبت کے باعث ہے۔" محمد علی نے جواب دیا۔

عثمان نے مسکرا کر کہا:

"میں تمہاری صحبت سے زندگی کی توانائی پا رہا ہوں۔ تمہیں صحت مند دیکھ کر زندہ رہنے کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کی جدوجہد کر رہا ہوں۔ تم نے مجھے نئی زندگی بخش دی ہے۔ میرا تم پر کوئی احسان نہیں۔ میں خود تمہارا احسان مند ہوں میرے والد بھی تمہارے ممنون ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ میری صحت کی بحالی کا باعث صرف تم ہو۔ وہ تمہاری ناراضی سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس لئے تمہاری عزت افزائی کرتے ہیں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔"

"تم اپنی ان باتوں سے میری حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے تمہاری صحبت سے بہت کچھ حاصل ہے۔ مجھے تمہاری وجہ سے داستان گو کی

نئی نئی داستانیں سننے کا موقع ملا اور میں اپنے اور دوسرے ملکوں کے حالات سے واقف ہوا۔ اگر مجھے تمہاری دوستی کا فخر حاصل نہ ہوتا تو میں دنیا کے کئی پہلوؤں سے آگاہ نہ ہو سکتا تھا۔"

"یہ تمہاری قوتِ حافظہ کا اعجاز ہے کہ تم کوئی داستان سن کر اسے یاد رکھتے ہو اور اپنی ذہانت کو کام میں لا کر اس کے ہر پہلو پر غور بھی کرتے ہو۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔" عثمان نے کہا۔

محمد علی بولا:

"واقعی میری قوتِ حافظہ بلا کی تیز ہے لیکن میں اپنی اس کمی کو بھی محسوس کرتا ہوں کہ مجھے لکھنا نہیں آتا۔ دراصل میری انگلیاں تلوار، پتوار اور گھوڑے کی باگیں پکڑنے میں دسترس حاصل کر چکی ہیں اور اب میں انہیں قلم پکڑنے کی مشق کرانے سے بھی معذور ہوں۔" محمد علی نے جواب دیا۔

"میرے خیال میں ذہن کو برتری حاصل ہے کیونکہ وہ مضامین سوچتا ہے ہاتھ تو محض لکھتا ہے اور ہاتھ کا کام دوسرے طریقے سے بھی ہو سکتا ہے۔ اگر تم فنِ کتابت سے ناواقفی پر آزردہ ہو تو میں تمہارے خیالات کو قلم بند کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ میرے کمزور ہاتھ اس کام کو بخوبی کر سکیں گے۔ تم بولتے رہنا۔ میں لکھتا جاؤں گا اور اس طرح ہم دونوں زندگی بھر اکٹھے رہ سکیں گے۔"

"یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ تمہارے والد جلد ہی تمہاری شادی کی فکر میں ہیں۔ تم حرم میں داخل ہو گئے تو میں تمہیں مل بھی نہ سکوں گا اور اکیلا رہنے پر مجبور ہوں گا کیونکہ میری تو کوئی محبوبہ نہیں ہے۔"

عثمان مسکرایا اور بولا:

"محبت سے بھاگنے والے اکثر محبت میں اسیر ہو جاتے ہیں اور میں محبت سے اس لئے بالکل خوف زدہ نہیں ہوں کہ میں بیمار ہوں۔ بیمار شادی سے بھاگتے ہیں اور میں بھی بھاگتا ہوں کیونکہ عورتیں مردوں کو بیماری کی طرح لگ جاتی ہیں اور اس قدر پریشان

کرتی ہیں کہ وہ سو بھی نہیں سکتے۔ میرے والد اپنی وفات سے قبل مجھے شادی شدہ دیکھنا چاہتے ہیں اور کئی بار اظہار بھی کر چکے ہیں لیکن میں ان کی دل شکنی کے پیش نظر ہر بار خاموش رہا ہوں۔ اس سے انہیں غلط فہمی ہو گئی ہے کہ شاید میری خاموشی رضامندی پر مبنی ہے۔ وہ کچھ روز قبل تو مجھے حرم میں داخل کرنے کا پورا ارادہ کر چکے تھے لیکن میری خوش نصیبی سے خسرو پاشا مہمان کی حیثیت سے وارد ہو گیا اور اس کی بیگمات حرم سرا پر قابض ہو گئیں اور والد صاحب اپنے ارادے کی تکمیل نہ کر سکے۔ اب میری تو یہی دعا ہے کہ خسرو پاشا کافی دلوں تک یہیں مقیم رہے تاکہ میں حرم سرا کے جھنجھٹ سے بچا رہوں۔"

"لیکن مجھے اس مغرور اور خود پسند انسان کا تمہارے پاس زیادہ دیر قیام پسند نہیں۔ مجھے اس سے نفرت ہے کیونکہ وہ خود کو قوالہ کے ہر انسان کا آقا سمجھتا ہے حتیٰ کہ تمہارے والد اپنے معزز میزبان اور شہر کے حاکم کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ مجھے اس غرور و نخوت کی معقول وجہ بھی نظر نہیں آتی۔ حالانکہ وہ اس وقت سلطانی عتاب کا شکار ہو کر ملک بدر ہے۔ میں تمہیں اس کے تنزل کے حالات سے آگاہ کرتا ہوں۔ میں نے کل شام لوگوں کی زبانی سنا ہے کہ اسے قبطان باشی حسین پاشا نے اس کے بچپن میں خریدا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے حسین پاشا کے دل میں گھر کر لیا تو حسین پاشا نے اسے مال و دولت دے کر آزاد کر دیا اور سلطان عالی جاہ سے عرض کیا کہ وہ بھی اس کی پرورش فرمائیں۔ حضور سلطان نے سفارش منظور کر کے اسے منصب داری کے عہدے پر سرفراز فرمایا۔ پھر اس نے پر پرزے نکالے اور اپنے محسن حسین پاشا کے خلاف سازش کی اس کے عہدہ کو چھین لینا چاہا۔ زہر دلوا کر اس کا کام تمام کرنا چاہا۔ اس کے خلاف سلطان کے کان بھرے۔" محمد علی نے کہا۔

عثمان بولا:

"دوست! سنی سنائی باتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی صاحب اختیار شخص اپنے اختیارات سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تو اس کی ذات میں خواہ مخواہ کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔ اس کے خلاف ہزاروں جھوٹی افواہیں اڑائی جاتی ہیں۔ اگر بقول تمہارے یہ حسین پاشا کا مخالف تھا تو حسین پاشا اسے قتل کرا سکتا تھا کیونکہ یہ اس کے ماتحت

ہے اور حسین پاشا کو سلطنت میں بڑا اعزاز حاصل ہے۔ میں اپنے والد کی زبانی خسرو پاشا کے زوال کی کہانی سن چکا ہوں۔ انہیں یہ حالات استنبول سے معلوم ہوئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان نے خسرو پاشا کو مصر کا حاکم بنا کر بھیجنا چاہا تھا لیکن اس نے مملوک کی طاقت سے ڈر کر مصر کی گورنری قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ سلطان اس کی نافرمانی سے مشتعل ہو گئے اور اسے شہر سے نکال دیا۔ سلطان نے اسے کسی قابلیت کے تحت مصر کا والی نہیں بنایا بلکہ وہ اس کے قیام استنبول کو پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ یہ لونڈیوں اور غلاموں کی وساطت سے ایک شاہی حرم پر ڈورے ڈال رہا ہے۔ سلطان ایک رات اس معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے لئے اس کی محبوبہ کے کمرے پر پہنچے۔ کمرے کے قریب پہنچ کر رکے تو انہوں نے ان دونوں کی گفتگو کو اپنے کانوں سے سنا۔ پھر وہ کمرے میں داخل ہوئے تو کمرے میں چھائی ہوئی تاریکی کے باعث کچھ بھی نہ دیکھ سکے۔ روشنی کر کے دیکھا گیا تو حرم جھروکے کے سامنے اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سلطان کو دیکھا تو مسکرا کر بولی کہ مجھے نیند نہ آ رہی تھی اس لئے میں جھروکے کے قریب بیٹھی تازہ ہوا کھا رہی تھی اور رات کی خاموشی اور ستاروں کی آنکھ مچولی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ سلطان اس کے مکروفریب پر غصہ کو پی گئے تھے اور علی الصبح انہوں نے خسرو پاشا کو مصر کا والی مقرر کیا تھا۔ پھر اس کے انکار پر اسے شہر سے نکال دیا تھا اس لئے خسرو پاشا یہاں آنے پر مجبور ہوا تھا۔ حسین پاشا نے اس کی بحالی کے لئے سرتوڑ کوشش کی تھی لیکن سلطان نے اس کی سفارش کو بھی نامنظور کر دیا تھا۔ میرے والد نے بتایا تھا کہ حسین پاشا اب بھی اس کے گناہ کو معاف کرانے کے لئے تگ و دو کر رہا ہے۔ تاکہ یہ اپنی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کر سکے۔ اب خسرو پاشا کے ہوش بھی ٹھکانے آ گئے ہیں اور یہ سلطان کی فرمانبرداری پر تیار ہو گیا ہے۔ اب یہ اپنے معافی نامہ میں لکھ چکا ہے کہ میں بخوشی مصر جانے پر آمادہ ہوں۔"

محمد علی نے طنز بھرے لہجے میں کہا "خسرو پاشا پاگل ہے جو مصر جانے پر آمادہ نہیں۔ حالانکہ مصر میں عزت و دولت حاصل ہوتے ہیں اور سمجھدار لوگ ہر قیمت پر مصر جانا چاہتے ہیں۔"

"خسرو پاشا کی بجائے تمہیں مصر جانے کا موقع ملتا تو تمہارا کیا فیصلہ ہوتا؟" عثمان نے استفسار کیا۔

"میں اپنی زندگی کا نصف حصہ اور اپنا پورا مال و اسباب دے کر بھی مصر کا والی بن سکتا تو مجھے انکار نہ ہوتا ..... اگر مجھے والی کی حیثیت سے مصر بھیجا جاتا تو میں فوراً اس عجیب و غریب شہر میں پہنچ کر ممالیک کے اقتدار کی دھجیاں بکھیر دیتا اور اُن کا نام ونشان مٹا کر خود مصر پر قبضہ کر لیتا لیکن افسوس تو یہ ہے کہ میں اس وقت ایک بے سمجھ لڑکا سمجھا جاؤں گا جس کی باتوں کو جھونپڑیوں میں رہ کر محلوں کے خواب دیکھنے سے تشبیہ دی جائے گی۔" محمد علی نے جواب دیا۔

ابھی عثمان گفتگو کو جاری رکھنے کے لئے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسے اور محمد علی کو خسرو پاشا اور حسان شوربجی نظر آئے جو سامنے سے اسی طرف آ رہے تھے محمد علی اس جگہ سے روانگی پر آمادہ ہو گیا اور بولا۔ "مجھے اس منحوس صورت متکبر اور بدفطرت خسرو سے نفرت ہے۔ اس لئے میں جا رہا ہوں۔"

عثمان نے محمد علی سے کہا:

"والد صاحب اور خسرو پاشا ہمیں دیکھ چکے ہیں۔ اس لئے والد صاحب کی آمد سے قبل تمہاری روانگی درست نہیں پھر اس سے ممکن ہے خسرو پاشا یہ سمجھے کہ تم اس سے خوف زدہ ہو۔ اس لئے اس کے سامنے ٹھہرنے کی جرأت نہیں کرتے۔"

محمد علی نے کچھ سوچ کر کہا:

"مجھے تم سے اتفاق ہے۔ میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔"

اور محمد علی اکڑ کر اپنا سر بلند کر کے اور ہاتھ پسلیوں پر لے جا کر عثمان کی چارپائی کے سرہانے آکھڑا ہوا۔ حسان شوربجی اور خسرو پاشا چارپائی کے قریب پہنچے تو شوربجی نے اپنے بیٹے کو سلام کر کے دعائیں دیں۔ محمد علی نے شوربجی کے عزت و احترام کے لئے اپنا سر خم کیا اور خسرو پاشا کو سلام کرنا تو الگ رہا اس کی موجودگی تک کا بھی احساس نہ کیا۔ خسرو پاشا۔ عثمان سے بڑی محبت سے پیش آیا اور اسے سلام کر کے محمد علی

کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ محمد علی اس کی بڑائی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے نہایت ادب سے سلام کرے گا لیکن جب محمد علی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور پہلے کی طرح اکڑ کر کھڑا رہا تو خسرو نے حسان سے مخاطب ہو کر کہا:

"تمہلا یہ غلام بڑا گستاخ معلوم ہوتا ہے۔"

حسان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی عثمان بولا:

"جناب عالی! یہ ہمارے غلام نہیں بلکہ عزیز دوست محمد علی ہیں۔"

"میں حیران ہوں کہ تم اس ذلیل اور گنوار غلام کو دوست کہہ کر اپنی خاندانی شرافت و وجاہت کو کیوں بیا ہی مل رہے ہو۔" خسرو پاشا نے یہ کہہ کر ترچھی نظروں سے محمد علی کو دیکھا۔ خسرو کے الفاظ سن کر محمد علی کے خون کا دباؤ بڑھ گیا اور وہ اپنی جگہ سے خسرو کی طرف آگے قدم بڑھا کر بلند آواز میں بولا ــــ "کیا کسی مفلس کو دوست بنانے سے شرافت جاتی رہتی ہے۔ کیا اس سے قبل یہ نہیں ہوا کہ کسی صاحب اختیار شخص نے اپنے زر خرید غلام کو اپنا دوست بنا کر اس کی عزت افزائی کی ہو۔ میں ابھی کل ہی سن چکا ہوں کہ حسین پاشا سے باعزت امیر کبیر نے ایک چرکسی غلام کو مول لے کر آزاد کیا تھا اور اسے اپنا دوست بنانے میں کوئی شرم محسوس نہ کی تھی۔ معتبر لوگ کہتے ہیں کہ اس غلام کا نام خسرو ہے جو....."

شوربجی نے آنکھ کے اشارے سے کئی بار محمد علی کو خاموشی کی تلقین کی لیکن جب محمد علی کسی طرح باز نہ آیا تو شوربجی چلا کر بولا ــ "محمد علی! خدا کے لیے اب خاموش ہو جاؤ۔"

خسرو نے بے نیازی کا اظہار کرنے کے لیے کہا:

"تم اسے خاموش ہونے کی تلقین نہ کرو۔ یہ بیچارہ تو لوگوں سے سنائی داستان سنا رہا ہوں اور لوگوں میں یہ رواج ہے کہ داستان گو کو کچھ معاوضہ ادا کر دیتے ہیں اور اسے جھوٹے قصہ گو! تو بھی اپنا معاوضہ لے۔" یہ کہہ کر خسرو نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک اشرفی نکالی اور محمد علی کے قدموں میں پھینک دی۔ محمد علی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے چاہا کہ خسرو کے منہ کو نشانہ بنائے۔ عثمان نے محمد علی کے تیور دیکھے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر التجا کی کہ اپنا غصہ تھوک دو۔ محمد علی نے عثمان کی خاطر اپنا ہاتھ تو روک لیا لیکن اس کا

چہرہ سرخ ہوگیا۔ ہونٹوں پر لرزش طاری ہوگئی۔ پورا جسم کانپنے لگا اور وہ اپنی بڑی بڑی ڈراؤنی آنکھیں نکال کر خسرو پاشا کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ پھر فوراً ہی اُس نے ایک غلام کو آواز دی اور اشرفی اس کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ "یہ ایک غلام کی طرف سے دوسرے غلام کو انعام دیا جا رہا ہے"۔

محمد علی کی اس حرکت سے پہلے تو سب لوگ خاموش رہے اور ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے رہے۔ پھر خسرو نے شوربجی سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اگر میرے گھر میں تمہارے ساتھ یہ صورتِ حال پیش آتی تو میں اس حقیر شخص کو سخت سزا دلاتا۔ اور تمہاری آنکھوں کے سامنے اس ذلیل چھوکرے کو اس قدر پیٹا جاتا کہ اس کی بدتمیزی اور بے حیائی غائب ہو جاتی اور اسے معلوم ہو جاتا کہ بڑے لوگوں کے منہ آنے کی کیا سزا ہے؟"

محمد علی نے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے اس پر یہی تجربہ کیا جا چکا ہے۔ اسے یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ یہ اس وقت جزیرہ کبنستہ میں کھڑا ہے جہاں صرف غلاموں کو دُرّے لگائے جاتے ہیں۔ میرے خاندان میں سے کوئی بھی غلام نہیں تھا، نہ میرا غلاموں میں شمار ہی ہوتا ہے۔ گو میں پھٹے پُرانے لباس میں ہوں اور میری وضع قطع بھی غریبانہ ہے لیکن جو آرام اور سکون میں اپنی تنگ و تاریک جھونپڑی اور اپنے بوسیدہ بستر پر پاتا ہوں۔ وہ ان غلاموں کو میسر نہیں ہے جو آپنے آقاؤں کے احسان مند ہیں۔ خوشامد اور چاپلوسی سے اونچے عہدوں پر پہنچے ہیں اور حریر و دیبا کے بستروں پر لیٹتے ہیں"۔

اب خسرو پاشا کے غم و غصہ کی انتہا نہ رہی اور اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا کہ محمد علی کے منہ پر تھپیڑ مارے لیکن محمد علی کی خود اعتمادی۔ لاپرواہی اور بلند ہمتی سے خوفزدہ ہو کر رک جانے پر مجبور ہوا اور حاکم سے مخاطب ہو کر بولا:

شوربجی! ایک خدمت گار نے تمہارے معزز مہمان کی بے عزتی کی ہے اور تمہارا فرض ہوگیا ہے کہ اپنے خدمت گار کو اس کمینگی کی سزا دو"۔

محمد علی نے نفرت بھرے لہجہ میں کہا۔

"میں اس لئے سزا نہیں پا سکتا کہ میں نے اپنے شہر کے حاکم کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی۔ اگر میں تم سے سخت کلامی کرنے پر مجبور ہوا ہوں تو اس کی ابتدا تمہاری طرف سے ہوئی ہے۔ تم نے اپنی عزت کا خیال نہ کیا اور جو بویا وہی کاٹا۔ تمہیں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ اس جزیرہ میں محض مجرموں کو سزا دی جاتی ہے۔ انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جاتا ہے۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ یہاں کسی کی رو رعایت کی جاتی ہے۔"

شور بیجی نے آگے بڑھ کر خسرو پاشا کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے اور اپنے بیٹے کے دوست محمد علی کی غلطی پر پردہ ڈالنے کی سفارش کرتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی! میری عرض یہ ہے کہ عثمان میرا اکلوتا بیٹا ہے اور اسے اس نوجوان سے دلی محبت ہے۔ یہ نوجوان کہیں چلا جائے تو میرا بیٹا شدید بیمار ہو جاتا ہے آپ میرے اور میرے بیٹے کے حال پر رحم فرمائیں اور میری التجا کو قبول کر کے میرے ہمراہ چلیں۔"

یہ کہہ کر شور بیجی نے خسرو کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر باہر کی طرف چلنے لگا۔ پھر شور بیجی نے خسرو کے غم و غصہ کو دور کرنے کی کوشش کی اور محمد علی کو اس کے شر سے بچانے کے لئے کہا:

"جناب! یہ ابھی نادان بچہ ہے اس لیے بزرگوں کی عزت اور محفل کے آداب سے واقف نہیں۔"

خسرو نے غصہ سے کانپتے ہوئے کہا۔ "جی تو چاہتا ہے کہ اس ذلیل کمینہ صفت چھوکرے کو اپنی گرفت میں لے کر اس کے پرخچے اڑا دوں۔"

شور بیجی، پاشا کا ہاتھ پکڑ کر تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا کہ محمد علی اس کی باتوں کو سن کر مشتعل نہ ہو جائے۔

محمد علی نے اپنی جگہ پر کھڑے ہوئے ان دونوں پر اس وقت تک اپنی نظریں گاڑی رکھیں جب تک یہ دونوں نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔

عثمان نے اٹھ کر محمد علی کو اپنے سینے سے چمٹا لیا اور بڑی محبت سے کہا۔

"تم واقعی دوسروں کی بہ نسبت بڑے بہادر، شجاع، حوصلہ مند اور صاف گو انسان ہو۔"

۱۴

صاف انکار

●

چند روز بعد حاکم شہر حسان شور بجی نے اپنے علاقہ بروستا سے مالگذاری کا روپیہ وصول کرنا چاہا اور اس وصولی کے لئے سپاہیوں کو روانہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ گذشتہ سال کے مقابلہ میں اس سال مالگذاری کا دگنا مال وصول کر لائیں کیونکہ اس سال تمباکو کے محصول سے بہت تھوڑا روپیہ جمع ہوا ہے اور آمد و رفت کے انتظامات کو بہتر بنانے اور راستوں کی مرمت پر کافی رقم خرچ ہو چکی ہے۔ بروستا کے بڑے شیخ نے حاکم کا یہ حکم سنا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اس نے افسر مال سے کہا کہ ان میں دگنی رقم ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے اور پورے بروستا میں ایک شخص بھی اس قدر رقم نہیں دے سکتا۔ افسر مال اکھڑ طبیعت کا آدمی تھا۔ اس نے بڑے شیخ سے کرخت لہجے میں کہا کہ اسے اہل بروستا سے کوئی ہمدردی نہیں وہ اپنے آقا کا حکم بجالانے آیا ہے اس لئے بڑے شیخ کو مالگذاری کی وصولی پر توجہ دینی چاہیئے۔ وہ کل دو آدمیوں کو روپے لینے بھیجے گا۔ یہ کہتے ہی مال افسر بڑے شیخ کا کوئی جواب سنے بغیر واپس آگیا۔

بڑے شیخ نے بروستا کے معزز لوگوں اور مذہبی راہنماؤں کو جمع کر کے صورت حال سے آگاہ کیا۔ کئی گھنٹے کی سوچ بچار کے بعد لوگوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ وہ دگنی مالگذاری ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے اس ظلم کو کسی صورت بھی برداشت نہ کریں گے۔ دوسرے روز سپاہی آئے تو شہر کے لوگوں نے جو بڑے شیخ کے مکان پر جمع تھے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم دوگنی مالگذاری ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ حاکم کو عام مالگذاری قبول کر لینی چاہیئے۔ کیونکہ ہم تو اپنی زمینوں سے اس قدر پیداوار بھی حاصل نہیں کر سکتے کہ عام مالگذاری کا روپیہ ادا کر سکیں پھر کبھی اتفاقاً اچھی پیداوار ہو جائے تو ہم زیادہ رقم دینے پر مجبور کیا جاتا ہے اور کبھی قحط

پڑ جاتے تو ہم سے زیادہ لگان مانگا جاتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اس مطالبہ کو جائز سمجھیں۔
سپاہی بولے کہ ہم کوئی وجہ بتانے نہیں آئے۔ ہمیں حاکم کے حکم کی تعمیل کرنی ہے اور ہم لوگوں سے روپیہ وصول کریں گے۔ حاکم سلطان کا نمائندہ ہے اور اس قدر اختیارات کا مالک ہے کہ جب بھی مناسب سمجھے لوگوں کے مال و دولت اور جائیداد کو اپنے قبضہ میں کر لے۔
بڑے شیخ نے سپاہیوں سے کہا کہ ہم احمقانہ گفتگو کو پسند نہیں کرتے۔ حاکم اور اس کے حواری جلد ہی جان جائیں گے کہ بروستا کے لوگ اپنی چیزوں کے خود مالک ہیں اور کسی کی بالادستی قبول نہیں کرتے۔
بڑے شیخ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ہی تھے کہ لوگوں نے اپنے ہتھیاروں کو بلند کر کے سپاہیوں کو گھیر لیا اور ان کے قتل کا ارادہ کر کے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ شیخ نے موقع کی نزاکت کو بھانپ کر لوگوں کو اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے بلند آواز سے کہا:
"میرے عزیز بھائیو! اپنی اپنی جگہ رک جاؤ۔ کیونکہ ہماری طرف سے کسی طرح بھی پہل نہیں ہونی چاہیئے۔"
لوگوں کے اٹھے ہوئے ہتھیار گر گئے اور وہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر گئے۔ پھر بڑے شیخ نے سپاہیوں سے قریب جا کر کہا کہ تم حاکم کو ہمارا جواب پہنچا دو کہ ہم اس کے مطابق اس سال دوگنی مالگذاری ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے کیونکہ اس سال کافی بارش نہیں ہوئی۔ ہماری فصل ضائع ہو گئی اس لئے ہمیں شکار بھی دستیاب نہیں ہوا اور اس سے ہماری اقتصادی حالت خراب ہو گئی ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ حاکم اس سال مالگذاری کی رقم معاف کر دیں گے لیکن وہ اس کے برعکس ہمیں خواہ مخواہ تنگ کر رہے ہیں۔ ہم نافرمان اور سرکش نہیں ہیں اس لئے ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ خداوند کریم نے آئندہ سال ہماری حالت بہتر بنائی تو ہم مطلوبہ رقم ادا کر کے مسرت محسوس کریں گے۔ پھر شیخ نے افسر مال سے کہا کہ وہ اسے حاکم کے جواب سے جلد ہی اطلاع دے۔
لوگوں نے شیخ کی گفتگو سن کر عادل شیخ زندہ باد کے نعرے لگائے اور کہا کہ یہ انصاف کے خلاف ہے کہ ہمارے تھوڑے غلہ کو مالگذاری میں وصول کر کے ہمارے اور ہمارے

بیوی بچّوں کے پیٹ کو کاٹا جائے اور اس قسم کے افراد کی نذر کیا جائے جو اسے اپنے عیش وعشرت میں ضائع کردیں اور ہم بھوکے مرجائیں۔ یہ کہہ کر لوگوں نے عادل شیخ زندہ باد کے فلک بوس نعرے لگاتے ہوئے شیخ کو ہاتھوں میں اٹھالیا اور پورے بروستا کی گشت کے ارادے سے لے چلے۔ لوگوں کی روانگی کے بعد سپاہیوں نے بھی قوالنہ کی راہ لی۔

شیخ بروستا کے ایک بڑے چوک میں پہنچا تو سب لوگوں کو ٹھہرا کر بولا:

"میرے بھائیو! تم متحد رہے تو میں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا اور تمہاری بہتری کے لئے برابر جدوجہد کرتا رہوں گا۔ سب لوگ اتحاد کرلیں تو ظالم اور ناانصاف قوتوں پر غالب آجاتے ہیں۔"

لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ "ہم اتحاد کی دولت سے مالا مال ہیں اور ہماری ثابت قدمی کا آپ خود مشاہدہ کرلیں گے۔"

شیخ فرطِ مسرت سے مسکرایا اور لوگوں سے یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں پہنچ کر اس کا انتظار کریں کہ حاکم نے ان کے بارے میں کیا احکام جاری کیے ہیں۔

محمد علی کا بیشتر وقت عثمان کی صحبت میں گزرتا تھا۔ سپاہی بروستا روانہ ہوئے تو اس روز بھی محمد علی، عثمان اور اس کا والد یک جا بیٹھے تھے۔ حاکم نے اپنے فرزند کو قدرے صحت مند دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا تو عثمان نے کہا کہ آپ کو میرے دوست محمد علی کا ممنون ہونا چاہیے جس کی صحبت مجھے تندرستی بخش رہی ہے۔ حسان ستور بھی نے جواب میں کہا کہ محمد علی میرے اظہار تشکر سے ناواقف نہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر وہ میری خواہش کے مطابق ہمارے ہمراہ رہنے پر راضی ہو جائے۔ میں اسے اپنا دوسرا فرزند سمجھوں اور تم جلد سے جلد مکمل صحت مند ہو جاؤ۔"

"یہ حقیقت ہے کہ مجھے اپنی آزادی عزیز نہ ہوتی کیونکہ میں کسی بھی قسم کی پابندی پسند نہیں کرتا تو میں آپ کا حکم ضرور بجا لاتا اور اپنے دوست عثمان کی دن رات دلجوئی کرتا رہتا۔ مجھے آج سے ان کی خواہش قبول ہے لیکن میری آزادی پر کوئی آنچ

نہیں آنی چاہئے۔ میں اپنی مرضی سے آؤں جاؤں گا کیونکہ مجھے اپنی جھونپڑی میں اکیلے رہ کر سوچنے اور چٹانوں پر گھومنے کی بیماری ہے۔" محمد علی نے کہا۔

عثمان نے خوش ہو کر بلند آواز سے کہا۔

" بھائی تمہاری دلچسپیوں میں کوئی دخل نہ دے گا لیکن تمہیں یہ وعدہ کرنا پڑے گا کہ جب بھی فارغ ہوگے فوراً میرے پاس چلے آؤ گے۔"

اسی لمحے سپاہی واپس آتے نظر آئے۔ مال افسر نے آگے بڑھ کر کہا:

" ہم بروستا مالگذاری وصول کرنے کے لئے گئے تھے لیکن بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر آسکے ہیں کیونکہ جیسے ہی ہم نے وہاں پہنچ کر بڑے شیخ سے روپیہ مانگا اس نے صاف انکار کر کے لوگوں کو جمع کر لیا لوگوں نے ہمیں گھیر کر قتل کرنا چاہا کہ بڑے شیخ اور چند مذہبی راہنماؤں نے انہیں روکا۔ پھر شیخ نے ہمیں کہا کہ وہ اس سال روپیہ ادا نہ کرے گا۔ دوسرے برس بقایا رقم کی ادائیگی کی کوشش کرے گا اور حاکم کے جواب کا منتظر رہے گا۔"

محمد علی نے سنا تو حاکم کی موجودگی کو فراموش کر کے اپنی جگہ سے اٹھا اور سپاہی سے مخاطب ہوا۔

" کیا اہل بروستا اس قدر سرکش ہو گئے ہیں کہ ا ‍ ، انکار کردیں۔"

" وہ اس قدر مشتعل تھے کہ بار بار ‍ ‍ ا سر نے جواب دیا۔

" تم نے انہیں نافرمانی کی ‍ ‍ ۔ ان کی گردنیں قلم کیوں نہیں کردیں؟"

محمد علی بولا۔

" ان پیچاس کے قر ‍ ‍ دں کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہ تھی۔"

مال افسر نے کہا۔

" تمہیں ان کی ‍ ‍ ے ڈرنا نہیں چاہئے تھا۔ اپنی شجاعت کو کام میں لاکر ان بزدل نافرمان لوگو ‍ ‍ ر دینا چاہئے تھا یا اپنے فرض کو ادا کرتے ہوئے جان دے دینی چاہئے تھی ‍ ‍ بزدلوں کی طرح بھاگ کر آنا اور حاکم کو اپنی نالائقی کا حال سنانا

کوئی اچھا کام نہیں ہے۔" محمد علی نے کہا۔

عثمان اپنے عزیز دوست محمد علی کی دلیری کو دل ہی دل میں سراہ رہا تھا اور حسان شور بھی انتہائی غصّہ کے عالم میں گہری سوچ بچار میں غرق تھا۔ پھر حسان نے سپاہیوں کو باہر بھیج کر حکم کا انتظار کرنے کے لئے کہا اور خود کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ عثمان اور محمد علی نے اس کی حالت دیکھ کر ہمت نہ کی کہ کوئی بات کر سکیں۔ چند لمحوں کے بعد حسان خود ہی بولا۔" مجھے پہلے ہی سے ڈر تھا کہ بروستا کے لوگ بڑے سرکش اور نافرمان ہیں ضرور کوئی شرارت کریں گے۔ وہی بات ہوئی۔ ان کے مسلح جوانوں کی تعداد میرے کل پچاس سپاہیوں سے زیادہ ہے۔ پھر میرے یہ سپاہی بھی پورے علاقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ خیر میرے کل سپاہی میرے پاس بھی ہوتے تو میں اہل بروستا سے شاید سخت مجبوری کے عالم میں ہی مقابلہ کرتا۔" پھر حسان اپنے بیٹے سے مشورہ طلب انداز میں مخاطب ہوا۔

" میرا خیال ہے۔ میں خود بروستا پہنچوں اور انہیں سمجھا بجھا کر مطلوبہ رقم مہیا کرنے پر مجبور کروں۔"

محمد علی پوری محویت سے حاکم کی باتیں سن رہا تھا۔ یہ سن کر غصّہ سے اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا۔ اسی لمحہ حاکم نے عثمان کی طرف نظر اٹھائی تاکہ وہ کچھ کہے۔ عثمان نے اپنے والد سے مخاطب ہو کر کہا۔

" والد محترم! اس سلسلہ میں محمد علی کا مشورہ معقول ہوگا۔ اس سے دریافت کیجیے۔"

محمد علی حاکم کے استفسار سے پہلے ہی بول اٹھا۔

" میں آپ کو بروستا جانے کا مشورہ نہیں دوں گا کیونکہ آپ کا وہاں جانا ہماری کمزوری کی دلیل ہوگی۔ ہاں آپ یہ خدمت مجھے سونپ دیں تو میں جلد ہی سرکشوں کو دبا کر مالگزاری کی رقم لانے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

حاکم کو محمد علی کی اس بات پر ہنسی آگئی، کیونکہ وہ اسے اس کام کا اہل نہیں سمجھتا تھا۔ حاکم نے کہا۔

" تم اس کام کو کس طرح سرانجام دو گے؟"

"آپ طریقِ کار کو مجھ پر چھوڑ دیں۔ میری صرف یہ درخواست ہے کہ آپ مجھے اس کام کے اختیار سے نواز کر دو منشی اور چھ سپاہیوں کو اپنے ہمراہ لے جانے کی اجازت دے دیں۔"
محمد علی نے جواب دیا۔

حاکم نے محمد علی کو غور سے دیکھا۔ پھر کچھ سوچا اور کہا۔
"میں اپنے آٹھ قابلِ اعتماد اور دلیر سپاہی تمہاری ماتحتی میں دیتا ہوں کہ تمہارے احکام بجالانے میں حیل و حجت نہ کریں۔"

محمد علی نے یہ سنا تو اظہارِ مسرت کے لیے حاکم کے ہاتھ کو پکڑ کر چوم لیا اور ان کے اعتماد کا شکریہ ادا کر کے اپنے دوست عثمان سے رخصت طلب کی اور باہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

وہ جوش میں آکر تیز تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ حاکم اس کے پیچھے پیچھے قدم اٹھاتا ہوا ڈیوڑھی تک پہنچا اور اپنے آٹھ خاص سپاہیوں اور دو منشیوں کو اس کے ہمراہ کر کے ہر طرح سے تاکید کی کہ اس کے حکم کو مستعدی سے بجالائیں۔ ایک منشی کو اپنی بروستا کی روانگی کا علم ہوا تو اُس نے کہا:

"اہلِ بروستا بڑے دلیر لوگ ہیں۔ ہم وہاں جا کر اپنی موت کو دعوت دے رہے ہیں۔"
محمد علی نے اسے ڈانٹ کر کہا:
"اگر تم نے مردوں کی طرح ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ البتہ تم نے بزدلوں کی طرح خوفزدہ ہو کر بھاگنے کی کوشش کی تو میں ان کا تعاقب کرنے سے پیشتر ہی خود تمہارا کام تمام کر دوں گا۔"

حاکم نے محمد علی کی گفتگو سن کر خیال کیا کہ اس نے ایسے صحیح آدمی کا انتخاب کیا ہے جو بروستا والوں سے ضرور روپیہ وصول کرے گا۔ وہ محمد علی سے مخاطب ہوا۔
"تم اپنے ہمراہ ہتھیار بھی لے لو۔ کام آئیں گے۔"
محمد علی بولا:
"جنابِ عالی! مجھے ہتھیاروں کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی آپ کا اصرار ہے تو مجھے صرف ایک تلوار اور کٹار عنایت فرما دیں۔"

حاکم خود جاکر دونوں ہتھیار لایا اور محمد علی کے حوالے کر دیئے۔ محمد علی نے خود کو تلوار اور کٹار سے سجالیا اور حاکم سے اجازت طلب کرکے سپاہیوں کی اس قلیل تعداد اور دو نشینوں کے ہمراہ بروستا کی طرف روانہ ہوگیا وہ اپنی اس مختصر سی جماعت کے آگے آگے یوں اترا اترا کر چل رہا تھا جیسے دنیا کی فتح کے ارادے سے نکلا تھا اور اب فتحیاب ہوکر لوٹ رہا ہے۔

محمد علی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بروستا کے قریب پہنچا اور گاؤں میں داخل ہوا تو سب سے پہلے جامع مسجد آئی وہ اپنے آدمیوں کو لے کر مسجد کے اندر چلا گیا۔ اہل بروسا اس کی آمد سے بے خبر رہے اور وہ خدا کے حضور جھک کر دعا میں مصروف ہو گیا۔

"پروردگار عالم آج میری سپاہیانہ زندگی کا روزِ اولیں ہے۔ رسول اکرمؐ کے طفیل اور میری والدہ کی دعاؤں کی برکت سے تو میری کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار کر! میں تیرا ناچیز بندہ خیر و برکت کا طلبگار ہوں۔ میری دعا کو شرفِ قبول بخش۔"

محمد علی نے دعا سے فراغت پاکر سپاہیوں کو جامع مسجد کے تین دروازے بند کرکے چوتھے دروازے کو کھلا رکھنے کا حکم دیا۔ چار سپاہیوں کو حکم دیا کہ بڑے شیخ اور مذہبی راہنماؤں کو لے آئیں۔ سپاہیوں کو تاکید کی گئی کہ ہر کسی کو یہ اطلاع دیں کہ حاکم نے ایک ضروری پیغام بھیجا ہے۔ جو اس کا خاص آدمی تم تک پہنچائے گا۔ پھر محمد علی نے باقی کے چار سپاہیوں کو کھلے دروازے کے قریب ہی اندر کی طرف ثابت قدمی اور ہوشیاری سے کھڑے ہونے کا آرڈر دیا۔ سپاہیوں کو تلقین کی گئی کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہیں اور جیسے ہی بڑا شیخ اور راہنما دروازے سے داخل ہوں فوراً دروازہ بند کرلیں اور کسی کو باہر نہ جانے دیں۔ اگر کوئی سرکشوں سے خوفزدہ ہوا تو سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔ محمد علی نے اپنے سپاہیوں کو کام تقسیم کرکے خاموشی اختیار کی اور اپنی کارگزاری کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ وہ بلاشک وشبہ ان گنت خطرات کو دعوت دے چکا ہے۔ پھر اسے ماں کی یاد آئی تو اس نے محسوس کیا کہ ماں کی روح اس کے قریب ہی فضا میں گھوم رہی ہے تاکہ اپنے فرزند کو نئی زندگی کا لبادہ اوڑھتے دیکھے۔ محمد علی نے سوچا اگر میں کامیاب و کامران

ہوکر لوٹا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے مستقبل میں اپنی خواہشات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیابی ہوگی۔

محمد علی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ ایک سپاہی اور شیخ آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ محمد علی نے چاہا کہ چند قدم آگے جاکر شیخ کو عزّت و احترام سے لے آئے لیکن وہ یہ سوچ کر اپنے ارادے سے باز رہا کہ اس وقت اس کی حیثیت کسی کم سن لڑکے کی نہیں ہے کہ بڑے بوڑھوں کا احترام کرے بلکہ وہ اس وقت حاکم کا نمائندہ ہے اور حکومت کی عزّت کرنا ہر کسی کا فرض ہے۔

شیخ کو مسجد میں داخل ہوکر محمد علی کے سوا کوئی دوسرا نظر نہ آیا تو وہ تمسخر بھرے انداز میں مسکرایا اور بولا:

"میں سمجھتا تھا میری ملاقات حاکم کے کسی ایسے نمائندے سے ہوگی جو اس عہدہ کے قابل ہوگا۔ مجھے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ میری ملاقات ابراہیم آغا کے لڑکے محمد علی سے ہوگی۔ اگر میں پہلے جانتا تو خواہ مخواہ یہاں آنے کی تکلیف نہ اٹھاتا بلکہ اپنے گھر پر ہی منتظر رہتا اور اسے خود میرے پاس چل کر آنا پڑتا۔"

محمد علی نے پُروقار لہجہ میں کہا:

"حاکم کے نمائندہ کا احترام بھی حاکم کی طرح واجب ہے خواہ وہ کمسن لڑکا ہی ہو۔"

شیخ قہقہہ لگا کر بولا:

"تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ میں تم سے خوفزدہ ہو جاؤں گا۔"

محمد علی مارے غصّے کے آپے سے باہر ہوگیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی تلوار کو بے نیام کرے لیکن اس کی نظر اُن راہنماؤں پر پڑی جو سپاہیوں کے ہمراہ آرہے تھے۔ اب محمد علی کا ہاتھ رُک گیا۔ رہنما پہنچ گئے تو اُس نے انہیں حاکم کے حکم سے مطلع کرکے کہا:

"تمہیں مال گذاری کی رقم ادا کرنی پڑے گی۔ اگر انکار کرو گے تو سزائے موت پاؤ گے۔"

شیخ نے کہا۔

"تم لوٹ جاؤ اور حاکم سے کہو کہ اب ہم میں اس کی سختیاں برداشت کرنے کی سکت

نہیں رہی۔ ہم اُس سے نہیں ڈرتے اور اپنی جان دے کر بھی اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ ہم مالگذاری کی دوگنی رقم ادا کرنے سے انکاری ہیں اور اب یہ ارادہ کر چکے ہیں کہ پہلے جو سالانہ رقم دیتے تھے اب وہ بھی نہ ادا کریں گے۔ وہ اپنی قوت کو آزمالے ہم اُس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔"

شیخ نے اپنی گفتگو مکمل نہ کی تھی کہ محمد علی کے اشارے پر سپاہیوں نے چاروں کو گرفتار کر لیا۔ محمد علی بولا۔ "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہیں گرفتار کر کے حاکم کے رُوبرو پیش کروں۔ اس کا ارادہ ہے کہ اِس سال مالگذاری کا روپیہ معاف کر دے اور تمہیں قتل کر کے سرکشوں کو عبرت پکڑنے کا موقع دے۔"

بڑے شیخ کو پہلے ہی سے بدظنی تھی۔ سرکاری نمائندے کے بلاوے کو وہ کسی حادثہ کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا۔ اس لئے گھر سے روانگی سے پیشتر ہی وہ اپنے غلام کی زبانی شہر والوں کو پیغام بھیج چکا تھا کہ جامع مسجد پہنچ جائیں۔ اہل شہر شیخ کی روانگی کے چند منٹ بعد جامع مسجد کی طرف روانہ ہوئے اور دروازے پر پہنچ کر مسجد میں داخل ہونا چاہا۔ محمد علی نے لوگوں کے ہجوم کو دیکھا تو ماتھے پر تیوریاں چڑھالیں اور پوری قوت سے چلّا کر کہا:

"کسی شخص نے مسجد میں داخل ہونے کی کوشش کی تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔"

ہجوم کے رہنماؤں نے جو اگلی صف میں تھے محمد علی کے تیور دیکھے تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ بے خوف لڑکا اپنے الفاظ کو عملی جامہ پہنانے میں دریغ نہ کرے گا۔ راہنما پیچھے ہٹے تو اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ چند حوصلہ مند لوگوں نے دوسرے دروازوں سے داخل ہونے کی کوشش کی لیکن دروازوں کو اندر سے بند پایا۔ وہ مایوس ہو کر دوبارہ کھلے دروازے کی طرف آئے تو یہ دیکھ کر اُن کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی کہ ان کے شیخ اور راہنما زمین پر گرے پڑے ہیں اور ان کے سروں پر سپاہی خنجر تانے کھڑے ہیں۔ لوگوں نے ایک بار پھر شیخ اور اس کے رفیقوں کی مدد کے لئے مسجد میں داخل ہونے کا ارادہ کیا لیکن اس اندیشے نے ان کی حوصلہ شکنی کی کہ خدا جانے مسجد میں سپاہیوں کی کس قدر بڑی تعداد بیٹھی ہو جس سے

مقابلہ کرنا ان کے لئے ناممکن ہو جائے۔ لوگ مسجد کے دروازے پر غصہ سے پیچ وتاب کھا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا ایک لڑکی نقاب سے اپنے چہرے کو چھپائے ہوئے اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے دروازہ پر آئی اور محافظ سپاہیوں کی باز پرس سے قبل ہی مسجد میں داخل ہوگئی۔ پھر لوگوں نے کھلے دروازے سے دیکھا کہ لڑکی شیخ کے قریب بیٹھ کر درد بھرے انداز میں رونے لگی۔ اس کی آہ وزاری کو سن کر اکثر لوگوں کے دل بیٹھ گئے اور کئی تو اس قدر متاثر ہوئے کہ خود بھی آنسو بہانے لگے۔

محمد علی نے اس دردناک آواز کو سنا تو اس کا بھی دل بھر آیا۔ اس نے نظر اٹھا کر لڑکی کو دیکھا تو لڑکی نے اپنے نقاب کو اٹھا کر محمد علی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" جناب! میرے والد کو چھوڑ دیں۔ اگر آپ انہیں خدانخواستہ کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو پہلے آپ کو مجھے قتل کرنا پڑے گا۔"

محمد علی نے لڑکی کا مشاہدہ کیا تو دیکھا کہ فردوس کی تجلیوں کی شوخیاں سمٹ کر ایک انسانی پیکر میں جلوہ آرا ہو گئی ہیں۔ حسن مجسم شعلہ بن کر آرام دل وجان کو خاک کر ڈالنے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ اُس کی نظروں کے سامنے پیکر زہرہ جبیں، ماہ کنعاں خورشید تاباں، نازک ادا، برق وش، پری رو، دلربا، شوخ چشم، یاسمین پیکر، بہار گلستان، سرو سہی، لالہ رو، جواہر صورت، یاقوت رُخ، الماس تمثال، جانستان، سہج ادا جو ہرہ تھی۔

محمد علی کا دل چاہا کہ لڑکی کے سامنے ہتھیار ڈال کر حسن کی فتح کا عملی اعتراف کرے لیکن اس نے اپنے دل پر جبر کرنے کی کوشش کی اور بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر اس کے چہرے پر نقاب ڈال کر سختی سے کہا۔

" میں عورتوں کے قتل کو معیوب سمجھتا ہوں اور نہ ہی اس ارادے سے آیا ہوں۔ تم فوراً مسجد سے باہر نکل جاؤ۔"

لڑکی نے محمد علی کی طرف نگاہ اٹھائی تو غم وغصہ اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے زیر اثر آہستہ سے کہا۔

" میں اپنے آقا سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ میرے والد پر رحم فرمائیں۔"

محمد علی نے توجہ دوسری طرف کر کے کہا۔

" لڑکی! تیرے والد کی آزادی اس کے اپنے طرز عمل پر منحصر ہے وہ اپنی اصلاح کر کے لوگوں کو اطاعت کی تلقین کرے اور لوگ حاکم کے حسب حکم روپیہ دے دیں تو میں اسے اور اس کے ساتھیوں کو فوراً رہا کر دوں گا"

شیخ اپنی لڑکی سے مخاطب ہو کر بولا:

" جوہرہ! تم نے یہاں آکر بڑی غلطی کی ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ تو میری محبت سے مجبور ہو کر یہاں آئی ہے۔ اس لئے میں تیری اس بھول کو معاف کر دیتا ہوں۔ تجھے فوراً گھر چلے جانا اور ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ شریف لڑکیاں گھروں سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتیں"

لڑکی نے روتے ہوئے کہا۔

محترم ابا! تمہارے بغیر میری زندگی بے معنی ہے۔ میں ہمیشہ آرام میں تمہارے ہمراہ رہی ہوں۔ اب تکلیف میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی"

محمد علی نے کھلے دروازے پر جمع لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

" کیا تم نے اپنے رہنماؤں کا حال دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کی۔ تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ حاکم کے فرمان کی تعمیل انتہائی ضروری ہے"

محمد علی نے اپنی بات پوری نہ کی تھی کہ درمیان ہی میں شیخ نے بلند آواز سے کہا۔

" یہ لوگ ظالم حاکموں کے سامنے سر نہ جھکائیں گے اور کوئی بھی شخص لگان کا روپیہ ادا نہیں کرے گا"

محمد علی نے لوگوں کے چہروں کو پڑھا تو شیخ کی حمایت کے آثار پا کر نفرت سے کہا۔

" شیخ اور اس کے ساتھیوں نے تباہی کا فیصلہ کر لیا ہے"

پھر محمد علی نے غضب آلود نگاہوں سے ہجوم کو دیکھتے ہوئے سپاہیوں کو دروازہ بند کر لینے کا حکم دیا۔ دروازہ بند ہوا تو جوہرہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہی محمد علی کے سامنے دوزانو ہو گئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی:

" جناب! میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں میرے والد کو رہا کر دیں۔ میں آپ

کے ماں باپ کا واسطہ دیتی ہوں کہ میرے والد پر رحم فرما کر ان کی جان بخشی کر دیں۔"

لڑکی کی آہ وزاری اور منت وسماجت محمد علی کے دل پر تیر کا کام کر رہی تھی لیکن اس نے اپنے دل کو سنبھالا اور لڑکی کی طرف سے منہ موڑ کر حکم دیا کہ اسے مسجد سے باہر نکال دیا جائے۔ یہ سن کر لڑکی اس کے سامنے آ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"بے رحم انسان! دوسروں کو مجھے بے عزت کرنے کا حکم نہ دے۔ میں خود چلی جاتی ہوں۔ ہاں یاد رہے میرے والد کو تکلیف ہوئی تو میں زندہ نہ رہوں گی اور بہشت میں پہنچ کر تیرے والدین کو تیری سنگدلی سے مطلع کروں گی اور وہ تجھے ناپسند کرنے لگیں گے۔"

یہ کہتے ہوئے جوہرہ نے دروازہ پر پہنچ کر سپاہیوں کو اشارہ کیا دروازہ کھلا اور اس کے باہر نکلتے ہی بند ہو گیا۔ شیخ نے محمد علی کے طرزِ عمل کو دیکھا تو بولا:

"اے ظالم انسان! کیا تو ہمارے قتل کا فیصلہ کر چکا ہے؟"

محمد علی نے کہا:

"میں اس فیصلے کو سخت ناپسند کرتا ہوں لیکن تم خود ہی موت کو دعوت دے رہے ہو۔"

پھر محمد علی نے سپاہیوں کو اشاروں ہی اشاروں میں کچھ سمجھایا اور وہ فوراً پچھلی طرف کا دروازہ کھول کر چاروں قیدیوں کو ہانکتے ہوئے قوالہ کی طرف لے چلے۔ آگے آگے محمد علی تھا اور سب سے پیچھے دونوں ملشی تیزی سے قدم اٹھا رہے تھے۔

کافی دیر ہو گئی تو دروازے پر منتظر لوگ مسجد کے سب دروازوں کو ٹھونک بجا کر دیکھنے لگے تاکہ کسی کمزور دروازہ سے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیں۔ پچھلا دروازہ دیکھا گیا تو وہ کھلا تھا اور تھوڑی دور پر محمد علی، اپنے اسیروں اور سپاہیوں کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر نعرے لگائے اور تیز رفتاری سے اُن کا تعاقب شروع کر دیا۔ محمد علی نے سپاہیوں کو قیدیوں کی حفاظت کی تاکید کر کے آگے چلنے کا حکم دیا اور خود لوگوں کے انتظار میں ٹھہر گیا۔ اس کے چہرے پر فطری شجاعت ناچنے لگی اور وہ اکڑ کر کھڑا ہوا حالات سے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ لوگوں نے اسے اپنی جگہ ڈٹ کر کھڑے دیکھا تو ان کے قدم رک گئے۔ گو وہ پچاس سے

زیادہ آدمی تھے لیکن اس کی جرأت و بے خوفی کے پیش نظر حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کر سکے اور دور ہی سے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے رہے۔ ان کے خیال میں محمد علی، موت کا ایک فرشتہ تھا جو روپ بدل کر بروستا میں آگیا تھا۔ محمد علی، بڑے اطمینان سے اپنی جگہ کھڑا تھا اور خیال ہی خیال میں اس لڑکی کی باتیں سن رہا تھا جو اسے اس کے مرحوم ماں باپ کی ناراضی سے ڈرا رہی تھی۔ پھر اس نے سرد آہ بھری اور اس کی آنکھوں سے دو گرم گرم آنسو ٹپک کر زمین پر جذب ہو گئے۔ محمد علی اپنی آنکھوں کو صاف کر کے خود سے مخاطب ہوا۔ محمد علی بن ابراہیم آغا! تو جذبات کی رو میں بہہ گیا تو اپنے فرائض کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے گا۔ حاکم آئندہ تجھ پر کبھی اعتماد نہ کرے گا اور تو ہمیشہ کے لئے خود پر ترقی کی راہوں کو بند کرے گا۔ یہ لڑکی وقتی طور پر اپنے والد کی اسیری سے غمزدہ ہے اس کا گرجنا برسنا گرمی کے بادل کی طرح ہے۔ یہ جلد ہی اپنے والد کو فراموش کر دے گی۔ پھر محمد علی نے اہل بروستا پر اپنی نظریں گاڑ دیں جو جنگ کی خاطر بھاگے ہوئے آئے تھے لیکن سامنے آکر دو دو ہاتھ کرنے کی بجائے حوصلہ ہار کر دور ہی کھڑے تھے۔

بروستا کے لوگوں کی پست ہمتی کا بڑا سبب یہ تھا کہ وہ سمجھتے تھے محمد علی کے ساتھ تھوڑے سے سپاہی نہیں ہیں بلکہ اس کے ہمراہ ایک بڑی فوج ہے جسے اس نے کمین گاہ میں چھپا رکھا ہے۔ محمد علی نے لوگوں کی بزدلی کا مشاہدہ کیا اور اپنے سپاہیوں کو کافی دور آگے جاتے دیکھا تو اہل بروستا میں چند لوگوں کی شناخت کر کے پکارا ...." اسماعیل .... ماروت .... روطی .... مجھے پہچانو میں کون ہوں۔"

تینوں آدمی یک زبان ہو کر بولے:

"ابراہیم آغا کے بیٹے محمد علی، گو ہم تجھے بخوبی جانتے پہچانتے ہیں لیکن ہمیں خواب میں بھی اس کا یقین نہ تھا کہ تم جس درخت کے سایہ تلے آرام کرو گے اسی کو کاٹ کر پھینک دو گے اور اپنے ہی آدمیوں کے ساتھ بے وفائی کرو گے۔"

محمد علی نے کہا:

"میں نہ تو بے وفا ہوں اور نہ ہی جاسوس ہوں بلکہ میں اپنے فرائض کو بجا لانے کی

کوشش کر رہا ہوں۔ حاکم کی عزت افزائی کرنا میرا فرض ہے اور تم حاکم کی ذلت کے درپے ہو۔ تم تینوں میرے قریب آؤ تاکہ میں تمہیں وہ راستہ بتاؤں جو تم سب کے لئے سیدھا اور صاف ہے اور جس پر چل کر تم تمام مشکلات پر قابو پا سکتے ہو!"

اسماعیل، ماروت، رولی خیالی کمین گاہوں سے خوفزدہ تھے۔ اس لئے ہچکچاتے ہوئے آگے بڑھے اور محمد علی کے سامنے آگئے۔ ماروت اور اسماعیل نے کچھ کہنا چاہا لیکن محمد علی نے انہیں کچھ بھی نہ کہنے دیا اور خود کہا۔

"میں نے تمہیں ناصح کی حیثیت سے طلب نہیں کیا بلکہ تمہیں بلانے سے میرا مقصد یہ ہے کہ میں تمہاری بہتری چاہتا ہوں اس لئے تمہیں چند مفید باتیں بتا رہا ہوں۔ لو سنو! مجھے اس علاقے کے حاکم نمائندگی کا فخر حاصل ہے اور حاکم اپنے حکم کی تعمیل میری وساطت سے کرانا چاہتا ہے میں کسی تاخیر اور رکاوٹ کو پسند نہیں کرتا۔ اہل بروستا کو مالگذاری کی مطلوبہ رقم بہر حال ادا کرنا پڑے گی۔ میں تمہیں اطلاع دے رہا ہوں کہ کل تک کی مہلت میں تم رقم مطلوبہ روپیہ لے کر حاضر نہ ہوئے تو تمہارے شیخ اور مذہبی رہنماؤں کے سر قلم کر کے بروستا کے بازار میں لٹکا دیئے جائیں گے تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو اور پھر کوئی نافرمانی کی جرأت نہ کر سکے۔ یاد رکھو مقتول بھی خدا کے حضور تمہاری شکایت کریں گے کہ تم نے حاکم کی نافرمانی کی اور ان کے قتل کا باعث ہوئے۔"

یہ کہہ کر محمد علی نے انہیں اپنی تلوار کے اشارے سے واپس جانے کے لئے کہا۔ لوگ دبے الفاظ میں بڑبڑاتے ہوئے رخصت ہوئے تو محمد علی بھی گھوما اور قوالہ کے راستہ پر چل نکلا۔ وہ اس بے خوفی، بے باکی اور جرأت رندانہ سے قدم اٹھا رہا تھا جیسے کوئی سپہ سالار اپنی فوج کے درمیان مزے سے جا رہا ہو یا کوئی بادشاہ زمانۂ امن میں اپنے محافظ دستہ میں گھرا ہوا اطمینان سے اپنے دارالسلطنت میں گھوم رہا ہو۔

❁

۱۵

محمد علی کی واپسی

محمد علی بروستا کی طرف روانہ ہوا تو حاکم اپنے بیٹے عثمان کے پاس آیا اور وہ دونوں محمد علی کی ہمت و دلیری اور ذہانت کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ حاکم کو ڈر تھا کہ کہیں محمد علی کو کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے۔ کہیں وہ اہل بروستا کے نرغے میں نہ پھنس جائے۔ کہیں وہ پہلی بار بھیجے ہوئے سپاہیوں کی طرح بروستا والوں کے اشتعال کا باعث نہ بن جائے اور کہیں اہل بروستا مالگذاری کا روپیہ ادا کرنے سے انکار کر کے غصہ کے عالم میں قوالہ پر حملہ نہ کر دیں اور کہیں دشمنی اس حد تک نہ بڑھ جائے کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ حاکم اپنے خیالات کے تانے بانے میں اس قدر الجھا کہ پریشان ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر سلوٹیں ابھر آئیں اور وہ کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ اسے ٹہلتے ہوئے کافی وقت گذر گیا۔ حتیٰ کہ محمد علی کی واپسی کا وقت آ پہنچا اور وہ عثمان کو لے کر سڑک کنارے کے بڑے کمرے میں آ گیا۔ انہیں کمرے میں آئے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ دو غلاموں نے دروازہ کھولا اور اندر آ کر دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ پھر چند لمحوں بعد تیسرے غلام نے کمرے میں داخل ہو کر خسرو پاشا کی آمد سے مطلع کیا۔ فوراً ہی خسرو پاشا بڑے بیش قیمت لباس میں ملبوس اپنے خادموں کے ساتھ داخل ہوا۔ حاکم نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور عثمان نے رسمی سلام پر اکتفا کیا۔ پھر حاکم نے خسرو پاشا کی خوشنودی کے لیے اس کی تعریف میں کئی فقرے کہے۔ خسرو نے اپنی مسرت کا اظہار کیا اور خوشی خوشی مسند پر جا بیٹھا۔ اس کے غلام نے مرصّع حقہ سامنے رکھ کر نے اس کے ہاتھ میں پکڑا دی اور خسرو نے ایک لمبا کش لے کر حاکم سے کہا۔

"حسان! میں نے سنا ہے کہ بروستا والوں نے تمہاری حکم عدولی کی ہے اور تمہاری

اطاعت سے منکر ہو گئے ہیں۔"

"جناب! فی الحال تو ایسا نہیں ہوا۔ ہاں میں نے انہیں دوگنا مالیہ ادا کرنے کے لیئے کہا تھا۔ جس پر ان کا کہنا ہے کہ اُن کی حالت خراب ہے اس لیئے وہ دوگنا روپیہ ادا کرنے کی استقامت نہیں رکھتے۔"

"آخر ان ذلیل لوگوں کو یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ تمہاری حکم عدولی کریں۔ کیا تم کسی کو بھیج چکے ہو جو اُن کے رہنماؤں کو گرفتار کرکے تمہارے پاس لائے اور تم انہیں موت کے گھاٹ اتار دو۔"

حاکم کو پاشا کی گفتگو پسند نہ آئی۔ وہ بولا:

"جناب، ہمارے شہر کی آبادی اس قدر گنجان نہیں ہے کہ ہم خواہ مخواہ لوگوں کو قتل کرتے پھریں۔ گو اہلِ بروستا تعداد میں کم ہیں لیکن فطرتاً بہادر، شجاع اور دلیر ہیں۔ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی روزی کے لیئے بڑی محنت کرتے ہیں۔ آج کل قحط کا زمانہ ہے۔ اس لیئے دوگنا روپیہ ادا کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ لوگ اس وقت غصہ میں ہیں جو جلد ہی اُتر جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرا بھیجا ہوا آدمی انہیں سمجھا بجھا کر راہ راست پر لے آئے گا اور وہ سمجھوتہ کر لیں گے۔"

"تم ان کی مجبوری سے واقف ہو کر بھی دوگنا روپیہ طلب کر رہے ہو۔ آخر کیوں؟"

"اصل مالیہ کا روپیہ خزانہ عامرہ میں جمع ہوگا۔ بقایا روپیہ دوسرے اخراجات اور مطالبات پر خرچ کیا جائے گا۔"

خسرو پاشا مسکرایا اور بولا — "خوب .... خوب .... میں سمجھا یہ روپیہ میرے اخراجات، مطالبات اور نذرانے کے لیئے ہے تعجب ہے یہ ذلیل لوگ اسے ادا کرنے سے انکار کر رہے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ روپیہ میرے لیئے طلب کیا جا رہا ہے۔ میں حسین پاشا کا عزیز دوست اور سلطنت کا ایک عظیم ستون ہوں۔ یہ نافرمان میری توہین کر رہے ہیں۔ خدا جانتا ہے اگر میں اس شہر کا حاکم ہوتا تو انہیں کتوں کی طرح گھسیٹ کر لاتا اور بھیڑوں کی مانند ذبح کرکے اپنے غصہ کی آگ کو سرد کرتا جس کی

غالباً تم نے کسی ایسے آدمی کو ان سے روپیہ وصول کرنے بھیجا ہے جو ان سے مہربانی کا سلوک کرے گا۔ خیر! میں جلد ہی اس جلاوطنی کے چنگل سے آزاد ہو کر اپنی پہلی سی شان و شوکت کو حاصل کر لوں گا اور مجھے پہلے سے زیادہ اختیارات حاصل ہوں گے۔ تم یاد رکھنا اور اپنے شہر والوں کو بھی مطلع کر دینا اور خبردار ہو جانا کہ میں اس وقت چُن چُن کر خدمت کرنے والوں کو خدمت کا بدلہ اور توہین کرنے والوں کو سخت سزائیں دوں گا۔"

حسان نے بڑی مشکل سے اپنے غصہ کو ضبط کیا اور کہا۔

"جناب! آپ بخوبی واقف ہیں کہ مجھے آپ کی خدمت سے کس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے۔ پھر کیا آپ یہ گمان کر سکتے ہیں کہ میری طرف سے آپ کی خدمت میں کسی قسم کی کوتاہی ہو گی۔"

گو خسرو پاشا نے سر کو جنبش دے کر انکار کا اظہار کیا لیکن میزبان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ جلد ہی اپنے عہدہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اس وقت اپنے خیال کا اظہار مناسب نہ سمجھتا تھا۔ عثمان، خسرو پاشا کی گفتگو سے مشتعل ہو چکا تھا۔ پھر اس کے والد کی باتوں نے اس کے غصہ کو اور بھڑکا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر سرخی دوڑنے لگی تھی۔ آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا اور وہ خسرو پاشا کو سخت سست کہنے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ حسان شور بھی اپنے بیٹے کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر اس کے قریب گیا اور مہر و محبت کی باتیں کرتے ہوئے بولا:

"میرے بیٹے! مہمان کے حقوق ہر شے پر افضل ہیں۔ پھر انسان غصہ کی آگ میں جل کر فنا ہو جاتا ہے۔ اس لیے غصہ سے بچنا چاہیے۔"

حسان نے پاشا سے مخاطب ہو کر کہا:

"میرے پاس صرف آٹھ سپاہی ہیں۔ باقی بیالیس سپاہی میرے کل علاقہ میں پھیل کر اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ بروستا کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اگر وہ سب لوگ لاٹھیوں سے ہم پر حملہ کر دیں تو بھی کامیاب رہیں۔ میرے فرزند عثمان کے دوست محمد علی نے اس قضیہ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور وہ آٹھ سپاہی لے کر بروستا گیا ہے۔

اس وقت میں اسی کا منتظر ہوں۔"

یہ سُن کر خسرو پاشا کو تعجب ہُوا اور بولا:

"آٹھ سپاہی پورے شہر کا مقابلہ کریں گے۔ اگر ایسا ہے تو یقیناً یہ ایک شریف النسب بہادر لڑکا ہے۔" پھر خسرو نے عثمان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یہ لڑکا واقعی تمہاری دوستی کے قابل ہے۔ [illegible] یہ تمہارا غلام یا کوئی آزاد کردہ غلام ہے جسے تم نے اپنی تنہائی کے سبب دوست بنا رکھا ہے۔"

عثمان نے جواب دیا:

"وہ غلام نہیں ایک شریف آزاد انسان ہے۔ میں اس کی عظمت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میرے سب مہمان بھی اس کی عزت کریں۔"

عثمان کے بات پوری کرنے اور پاشا کے جواب دینے سے قبل ہی حاکم نے مسرت بھرے نعروں کی گونج میں بتایا کہ محمد علی آ رہا ہے اور واقعی محمد علی آ گیا۔ اس کے ہمراہ بروستا کا شیخ اور تین مذہبی راہنما تھے۔ حاکم نے آگے بڑھ کر محمد علی کا استقبال کرنا چاہا لیکن خسرو نے روک دیا کیونکہ اس کی رائے میں محمد علی کا استقبال حاکم کی وقعت کو کم کرتا تھا۔ پھر خسرو محمد علی کی کارروائی بھی اسی کی زبانی سننا چاہتا تھا۔ مجبوراً حاکم اپنی جگہ رکا رہا۔ محمد علی سامنے آ کر حاکم کا ادب بجا لایا اور اپنے دوست عثمان کی طرف محبت سے دیکھتے ہوئے آپ بیتی بیان کرنے لگا۔ جوہرہ کے ذکر پر پہنچ کر محمد علی کی آواز میں تبدیلی آ گئی اور اُس نے اپنے دل کو سنبھال کر جوہرہ کے ذکر کو اصل واقعہ سے حذف کر کے سب کچھ سنا دیا۔

پھر محمد علی نے بتایا کہ بروستا کے لوگ ان چاروں قیدیوں کے ایما پر سرکشی کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ان قیدیوں نے اہل بروستا کو مالگذاری کی رقم ادا کرنے پر آمادہ کر لیا تو خیر بصورت دیگر وہ کل صبح انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کر دے گا۔ حاکم نے ان کے قتل کی مخالفت کی تو محمد علی نے اسے بتایا کہ وہ قیدیوں کو بچا کر اپنا رعب داب نہ کھو بیٹھے۔ حاکم نے خداوند کریم کے حضور دعا کی کہ وہ قیدیوں کو

راہ راست پر آ گئے۔ پھر قیدیوں کو قید خانہ میں لے جا کر ان کی حفاظت کی تاکید کی۔
لیکن محمد علی نے اس سے اتفاق نہ کیا اور قیدیوں کو ایک لوہے کے پنجرے میں رکھے
جانے کا مشورہ دیا۔ یہ پنجرہ حاکم کے محل کے بالکل سامنے رکھا ہوا تھا۔ ابتدا میں
اس پنجرے میں ایک شیر کو رکھا گیا تھا۔ یہ شیر حاکم کو کسی نے نذر کیا تھا اور یہ کئی
برس تک حاکم کے پاس رہا تھا۔ نواح کے لوگ اس شیر سے خوفزدہ رہا کرتے تھے۔ انہیں
ہر لمحہ یہی ڈر رہتا تھا کہ شیر پنجرہ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو ان کو موت
کے گھاٹ سلا دے گا۔ اسی ڈر کی وجہ سے لوگوں نے شیر کو زہر دے کر مار ڈالا
تھا اور اب یہ پنجرہ خالی تھا۔ محمد علی چاہتا تھا کہ قیدیوں کو پنجرے میں بند کر کے
خود اس پنجرے کی حفاظت کرے۔ تماشائیوں کو قیدیوں کی روداد سنائے
تاکہ پورے علاقہ کے لوگ عبرت حاصل کریں اور اہل بروستا کو ان لوگوں کی کہانی
معلوم ہو تو فوراً مالگذاری کا روپیہ ادا کر دیں۔

عثمان نے محمد علی کے ارادہ کو ناپسند کیا لیکن خسرو پاشا دل ہی دل میں
محمد علی کی قابلیت اور شجاعت سے متاثر ہو کر اسے اپنا دوست بنانے کے
منصوبے بنانے لگا کیونکہ اس کے خیال میں یہ لڑکا جلد ہی شہرت حاصل کرنے
والا تھا۔

محمد علی نے چاروں قیدیوں کو خالی پنجرے میں قید کر کے اجازت دے
دی کہ وہ جسے چاہیں اپنے پاس بلا کر مالگذاری کی رقم ادا کرنے کے لئے
کہہ سکتے ہیں۔ اگر لوگوں نے یہ روپیہ ادا نہ کیا تو وہ بلاشک و شبہ کل صبح ان
کو قتل کر کے اپنے قول کی صداقت کو منوا لے گا۔

---

(۱۶)
شیخ بروستا کی ضد

•

بروستا کا شیخ اور تینوں راہنما بلاخوف و خطر لوہے کے پنجرے میں جا بیٹھے۔ محمد علی نے ایک آدمی کو بروستا بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو قوالہ کی روانگی پر آمادہ کرے اور اس کا یہ حکم پہنچا دے کہ لوگ تین تین کی غیر مسلح ٹولیوں میں بٹ کر اپنے راہنماؤں کی اسیری سے عبرت حاصل کریں محمد علی کے اس آدمی نے بروستا والوں سے مزید یہ کہا کہ انہوں نے روپیہ ادا نہ کیا تو قیدیوں کے قتل کا باعث وہ خود ہوں گے۔

بروستا کے لوگوں نے محمد علی کے آدمی کی زبانی حاکم کا یہ حکم سنا تو اپنے راہنماؤں اور شیخ کی ملاقات کے لئے تین تین کی ٹولیوں میں بٹ کر قوالہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ شیخ کی بیٹی جوہرہ نے لوگوں کو قوالہ کی سمت جاتے دیکھا تو راہ میں بروستا اور قوالہ کے درمیان ٹیلہ کی ایک ایسی چوٹی پر جا چڑھی جو حدِ فاصل تھی۔ لوگ قریب سے گذرتے تو جوہرہ رو رو کر اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر کہتی۔

"میں تمہیں خدا کی قسم دیتی ہوں کہ میرے حال پر مہربانی اور میرے باپ پر رحم کرو۔ مجھے یتیم ہونے سے بچا لو اور کسی طرح میرے والد کو اس قید سے رہائی دلا دو۔"

لوگوں کو انتہائی افسوس ہوتا وہ۔ بنجِ وغم اور رحم بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جوہرہ کے قریب سے چپ چاپ گزر جاتے اور شیخ کی ملاقات سے قبل کوئی وعدہ نہ کرتے۔ قیدیوں سے ملاقات کرتے تو شیخ اور دوسرے راہنما ثابت قدم رہنے اور روپیہ ادا نہ کرنے کی تلقین کرتے۔ قیدیوں کا کہنا تھا کہ ان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ لوگ ان کی فکر نہ کریں۔ اگر انہوں نے اس بار دوگنا روپیہ ادا

کر دیا تو ہر سال اسی قدر روپیہ ادا کرنا پڑے گا "۔

محمد علی پنجرہ کے سامنے محل میں دروازے کے پیچھے چھپ کر شیخ اور اُس کے رفیقوں کی باتیں سننے میں کھویا ہوا تھا کہ عثمان نے اسے اپنے ہمراہ لے جا کر ادھر ادھر کی باتوں میں لگانا چاہا تاکہ محمد علی نرمی اختیار کرے اور ان کے قتل کے ارادے سے باز آ جائے۔ عثمان کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ محمد علی حاکم کے وقار کو درمیان میں لا کر بدستور اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے۔ اسی اثنا میں حاکم اور خسرو پاشا بھی آ گئے۔ حاکم قیدیوں پر رحم کرنے کے حق میں تھا لیکن خسرو ان کو واجب القتل سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں حکومت کرنے کے لئے قتل و غارت اور دوسری تمام جان لیوا سزائیں جائز تھیں۔ عثمان لوگوں کے قتل کو بری حرکت تصوّر کرتا تھا اور جھوٹے وقار کو بحال رکھنے کا مخالف تھا۔ اس لئے وہ بولا :

" جو حاکم اپنی رعایا کو قتل کر کے اپنی ساکھ بناتا ہے۔ نا عاقبت اندیش ہے قتل و غارت، نفرت کو جنم دیتے ہیں اور مجھے صلح سے محبّت ہے۔ مجھے اپنے دوستوں کی محبت درکار ہے۔ خواہ میں سمندر کے کنارے سیپیوں کے سوا کوئی دوسری چیز نہ پاؤں "۔

خسرو پاشا نے یہ سنا تو قہقہہ لگا کر محمد علی سے مخاطب ہوا۔

" محمد علی ! تم کسے پسند کرتے ہو۔ میرے نقشِ قدم پر چل کر عزّت و دولت حاصل کرنا چاہتے ہو۔ یا اپنے دوست عثمان کے ساتھ سمندر کنارے سیپیوں کو جمع کرنے سے دلچسپی لیتے ہو "۔

محمد علی نے خسرو سے تو کچھ نہ کہا البتہ عثمان سے مخاطب ہو کر بولا :

" عزیز دوست ! میں اپنے راستے کا انتخاب کر چکا ہوں مجھے کسی کی پیروی پسند نہیں۔ پھر فرصت کے اوقات میں مجھے سیپیاں جمع کرنے میں بھی کوئی اعتراض نہیں "۔

بروستا کی پوری آبادی شیخ کی ملاقات کو آئی اور شیخ نے سب کو ثابت قدم رہنے کی تاکید کی۔ رات کو قوالہ کے شہری اپنے اپنے گھروں میں سو گئے اور سناٹا چھا گیا۔ تو اہل بروستا نے جامع مسجد میں جمع ہو کر اس تصادم سے نجات پانے کی دعا مانگی اور اتفاق رائے سے جوہرہ کو شیخ کے پاس بھیجا کہ وہ لوگوں کو روپیہ جمع کرنے کی اجازت دے دے۔ جوہرہ نے یہ سنا تو آنسو بہا بہا کر اپنی آنکھیں سرخ کر لیں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اُس کا

باپ ضدی ہے آخر تک اپنی بات پر ڈٹا رہے گا۔ موت کو ذلت آمیز زندگی کے مقابلہ میں سینہ سے لگالے گا۔

چاندنی رات تھی۔ قوالہ کے در و دیوار پر چاندنی رقص کر رہی تھی اور پورے قوالہ پر خاموشی چھا رہی تھی۔ محمد علی پنجرے کی حفاظت کے لئے مامور سپاہیوں کو رخصت کر کے اب خود پہرہ دے رہا تھا۔ چاندنی کا رقص محمد علی کے دل کو مسرتیں بخش رہا تھا۔ اس کی نظروں میں حسن ہی حسن تھا اور وہ کسی انتہائی حسین شے کو دیکھنے کا منتظر تھا۔

محمد علی محل میں سڑک کی طرف ایک بلند چٹان پر چڑھ بیٹھا۔ اسے ستارے کہانیاں سنا رہے تھے اور چاند محو کلام تھا۔ اس کی نگاہ گاہے گاہے سڑک کی طرف اٹھ جاتی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھوں نے سڑک کی طرف ایک سفید پوش کو دیکھا۔ جو دیکھ بھال کر آہستہ آہستہ محل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ محمد علی چپ چاپ چٹان کی آڑ میں بیٹھا دیکھتا رہا۔ سفید پوش قریب پہنچا تو وہ جان گیا کہ یہ شیخ کی لڑکی جوہرہ ہے۔ جوہرہ صحن میں داخل ہوئی تو اسے یقین تھا کہ چاند اور ستاروں کے سوا اسے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا۔ وہ پنجرہ کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولی:

"میرے بزرگ باپ! میرے محترم باپ! میں آپ کی بیٹی جوہرہ آگئی ہوں۔"

"میں تمہارے دل کی کمزوری سے واقف ہوں۔ اس لئے پہلے ہی سے تمہارا منتظر بیٹھا ہوں۔" باپ نے کہا۔

محمد علی نے باپ بیٹی کی گفتگو میں جوہرہ کا نام سنا تو ایک سرد آہ بھری اور دل ہی دل میں کہا۔ جوہرہ کس قدر حسین نام ہے اور مجھے اس سے کس قدر پیار ہے کاش، یہ بھی اس حقیقت سے واقف ہوتی۔ پھر محمد علی نے دونوں کی گفتگو سنی تو جوہرہ انتہائی معصومیت سے باپ کے سامنے التجا کر رہی تھی کہ وہ اس مرحلہ پر شہر والوں کو روپیہ ادا کرنے سے نہ روکیں۔ اہل بروسا دل سے شیخ کے حامی ہیں اور اسے رہا کرانا چاہتے ہیں۔ پھر شیخ نے جوہرہ کو روتے دیکھا تو خاموش ہونے کا حکم دے کر کہا کہ وہ عاقبت کے اندیشہ سے لرزاں ہے۔ دنیا کی اس فانی زندگی پر آخرت

کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے اور جانتا ہے کہ خداوند کریم ہر انسان کو اس کے اعمال کی سزا دے گا۔ شیخ نے مزید کہا کہ وہ قسم کھا چکا ہے کہ ہر حالت میں شہر والوں کے مفاد کو مقدم جانے گا اس لئے وہ حاکم کے ظلم کو کسی طرح برداشت نہیں کرے گا۔" یہ سُن کر جوہرہ نے کہا۔۔

"لیکن آپ یہ قسم کھانے سے پیشتر میری حفاظت اور مجھے آرام پہنچانے کی قسم کھا چکے تھے۔ اگر آپ قسم کا اس قدر پاس کرتے ہیں تو پہلے میرے سلسلے کی قسم پوری کیجئے۔ یقین کیجئے۔ اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچا تو میں زندہ نہ رہوں گی۔ بچپن میں جب میری پیاری ماں مجھ سے رخصت ہوئی تھی تو مجھے آپ کے سپرد کر گئی تھی آپ نے میرے حال پر شفقت فرمائی اور دوسری شادی نہ کی۔ مجھے اقرار ہے کہ شہر والوں پر آپ کا بڑا حق ہے لیکن آپ اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ میرے بھی آپ پر کچھ حقوق ہیں۔ آپ نے مجھے اس دنیا میں تنہا چھوڑ دیا تو میری مثال اس شاخ سے ٹوٹے ہوئے پھول کی سی ہوگی جو راہ پر پڑا ہوا لوگوں کے پاؤں تلے مسلا جا رہا ہو گا۔ میرا کوئی ہمدرد نہ ہو گا اور میری موت پر کسی کی آنکھوں میں دو آنسو بھی نہ آئیں گے۔"

محمد علی، جوہرہ کی گفتگو سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جھانکنے لگے۔ اس کے دل سے آواز اٹھی۔ میں زندہ رہا تو جوہرہ کی حفاظت کروں گا۔ جوہرہ خوش و خرم زندگی بسر کرے گی اور اُسے کوئی ٹیڑھی آنکھ سے نہ دیکھے گا ـــ لیکن یہ آواز جوہرہ نے نہ سنی اور وہ بدستور آنسو بہا بہا کر باپ کی منت سماجت کرتی رہی۔ باپ دل تھام کر رہ گیا اور آخر کار بڑی مشکل سے خود پر قابو پا کر بولا:

"میری خواہش تھی کہ اپنی بیٹی کے ہمراہ ہنسی خوشی زندگی کے دن بسر کروں اور اُسے دیکھ کر اس کی ماں کی یادوں میں کھویا رہوں لیکن افسوس میں اپنی اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتا۔ شہر والوں کے حقوق کی حفاظت میرا فرض ہے اور میں اپنے فرض کو اپنی جان دے کر بھی بجا لاؤں گا۔ میں اپنی قسمت پر شاکر ہوں۔"

شیخ خاموش ہوا تو ستاروں کی جھلملاتی روشنی صبح کی آمد کا اعلان کر رہی تھی اور مذہبی راہنما صبح کی نماز پڑھنے کے لئے بیدار ہو رہے تھے۔ شیخ اپنے رفیقوں کے ہمراہ نماز پڑھ رہا تھا تو جوہرہ کی حسرت بھری نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو چکی تھیں اور اسے دیکھ کر بے اختیار رحم آجاتا تھا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد شیخ نے اپنے غم زدہ دل کو سنبھال کر جوہرہ سے کہا۔

"بیٹی! صبر سے کام لو! گھر جاکر آرام سے بیٹھو اور صبح کی خبر سننے کی تیاری کرو۔ تمہاری خاندانی شرافت و برتری کا امتحان ہونے والا ہے۔ جاؤ میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ وہی تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں اسی کے رحم و کرم پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔"

محمد علی کو اُن کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنائی دے رہا تھا۔ پھر اُس کی نظروں کے سامنے جوہرہ نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنے والد کے ہاتھ کو چوما اور کھڑے ہو کر آہستہ آہستہ قیدیوں کے پنجرہ کو پیچھے چھوڑ کر بڑھنا شروع کر دیا۔ باپ کی دعائیں اس کے تعاقب میں جا رہی تھیں۔ ہلکی ہلکی چاندنی اور صبح کے اجالے نے باہم دست و گریبان ہو کر اسے نور میں نہلا رکھا تھا اور وہ آسمان سے اترتی ہوئی حور دکھائی دیتی تھی یا پھر کسی ولی کی روح معلوم ہوتی تھی جو گھوم رہی تھی لیکن اس کے قدموں کی آہٹ کسی کو سنائی نہ دیتی تھی۔

❁

⑰
محبّت کا اقرار

جوہرہ کو یقین تھا کہ خداوند کریم شریف دوشیزہ لڑکیوں کا محافظ ہے اس لئے وہ بخوف ہو کر اپنی راہ پر چلی جا رہی تھی۔ چاند ستارے اس کے رفیق سفر تھے۔ اچانک اُس نے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی اور گھوم کر دیکھا تو ایک سوار نظر پڑا۔ جوہرہ ڈر کر رک گئی اور خدا کے حضور اپنی حفاظت کی دعائیں مانگنے لگی۔ سوار نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ وہ اس کا دشمن نہیں ہے، نہ ہی کوئی بدروح ہے اس لئے اسے ڈرنا نہیں چاہیئے۔ جوہرہ نے جواب دیا کہ وہ کسی بدروح سے خوفزدہ نہیں ہے کیونکہ اس کی ماں کی روح اس کی محافظ ہے اور وہ بخوبی جانتی ہے کہ باعصمت لڑکیوں کی خدا بھی حفاظت کرتا ہے۔ پھر جوہرہ نے سوار کو پہچان لیا تو بولی:

"میں تمہیں پہچان گئی ہوں تم میرے خاندان کی تباہی اور میری موت کا باعث بن رہے ہو۔ تم میرے باپ کو موت کے قریب لے گئے ہو۔ میرے شانے سے ہاتھ اٹھا لو۔ تمہارا ہاتھ ایک بے رحم ظالم انسان کا ہاتھ ہے۔ تم میرے باپ کے دشمن ہو۔ میری راہ سے ہٹ جاؤ تاکہ میں اپنے گھر چلی جاؤں اور وہاں اپنے باپ اور اپنے بچپن کو یاد کر کے روتی رہوں۔ حتیٰ کہ تمہاری حسب خواہش اپنی جان دے دوں۔"

جوہرہ کو راہ میں ٹھہرنے پر مجبور کرنے والا محمد علی تھا۔ وہ تاسف بھرے لہجہ میں بولا۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے باپ کا دشمن نہیں۔ دوست ہوں تمہارا غم میرا غم ہے۔ میں اس وقت کو کوس رہا ہوں جب میں نے حاکم کے روبرو روستا جانے اور روپیہ اکٹھا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مجھے پہلے سے تمہاری نشیلی آنکھوں اور حسین

یہ چہرے کو دیکھنے کا موقع مل جاتا تو میں کبھی اس ناخوشگوار فرض کی ادائیگی پر رضامند نہ ہوتا لیکن اب میں مجبور ہوں۔ اس وقت تمہارے والد موت کے چنگل میں گرفتار ہیں اور میں ان کی رہائی کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

جوہرہ غم و غصہ سے کانپ رہی تھی۔ اس نے ظالم محمد علی کی کوئی بات سننے سے انکار کر دیا۔ محمد علی نے قسم کھا کر اسے یقین دلایا کہ وہ اس کا سچا ہمدرد ہے اور اس کی بہتری چاہتا ہے۔ اپنی ماں کی وفات کے بعد سے اب تک اس کی نظروں میں دنیا اندھیر تھی لیکن اب وہ اسے دیکھ کر زندگی سے پیار کرنے لگا ہے اور اس کی مسرت کے لئے اس کے والد اور بروستا کے مذہبی راہنماؤں کی رہائی کا کوئی طریقہ بتلانے پر آمادہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ جوہرہ اس کے ہمراہ پہاڑ کی چوٹی پر چلے تاکہ وہ دونوں اطمینان سے گفتگو کر سکیں۔

ابتدا میں جوہرہ کو محمد علی پر غصہ آتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے محمد علی کے اخلاص و صداقت کا یقین ہونے لگا اور آخر کار وہ محمد علی کے ہمراہ بوسیفالوس پہاڑی کی چوٹی پر چلنے کے لئے تیار ہو گئی کہ وہ اس کے آگے آگے چلے اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے گی۔

محمد علی فرطِ مسرت سے بے تاب ہو کر آگے آگے روانہ ہوا۔ جوہرہ اس کے پیچھے پیچھے قدم بڑھاتی چلی۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر محمد علی نے کہا۔

"جوہرہ! دیکھو کیا حسین منظر ہے۔ چاندنی کا رنگ روپ مدھم ہو رہا ہے اور نتحیاب آفتاب کے سامنے سے اندھیرے کی فوج کس قدر تیزی سے پسپا ہو رہی ہے۔ پل بھر میں تاریکی فنا کے گھاٹ اتر جائے گی اور روشنی کا دور دورہ ہو گا۔ اسی طرح میرا آفتاب تم ہو۔ تمہاری آمد نے میری زندگی کی تاریک راہوں کو منور کر دیا ہے۔"

اس بلند و بالا چوٹی پر کھڑا ہوا انسان پستی سے اس پرندہ کی طرح نظر آتا تھا جو آسمان کے قریب چکر لگا رہا ہو۔ چاند، دن کے حکمران آفتاب کی نظروں سے بلد از جلد چھپ

جانا چاہتا تھا۔ سمندر آسمان کے عکس سے ایک دوسرے آسمان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ستارے شب بیداری کے بعد اونگھ اونگھ کر نیند سے لطف اندوز ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔ سمندر نے جاگ کر نیند کے خمار کو دور کرنے کے لئے انگڑائی لی تو اس کی موجیں دور دور تک اس کی بزرگی کا اعلان کرنے لگیں۔ ہوا کی تیزی سے گمان ہوتا تھا کہ فرشتوں کی کوئی جماعت ہے جو خدا کی قدرت کے تماشے دکھاتی ہوئی زمین پر پہنچ کر اس کی حمد و ثنا میں مصروف ہونا چاہتی ہے۔

محمد علی نے ہولے سے اپنا ہاتھ بڑھا کر جوہرہ کے ہاتھ کو پکڑا اور اپنے لبوں تک لے جا کر چوم لیا۔ اس لمس نے اس کے ہونٹوں میں جلن پیدا کر دی۔ جوہرہ بھی فضا کے نشے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس قدر بے خود ہو رہی تھی کہ اس نے بھی محمد علی کی اس حرکت پر ناراضی کا اظہار نہ کیا۔ کچھ دیر تک دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے رکھا اور نظروں ہی نظروں میں راز و نیاز کی باتوں میں مصروف رہے۔ پھر محمد علی ایک سرد آہ بھر کر بولا:

"میں آج سے پہلے کئی بار اس چوٹی پر آ چکا ہوں اور کئی بار طلوع آفتاب کا نظارہ بھی کر چکا ہوں لیکن جس قدر مسرت آج مجھے حاصل ہوئی ہے اس سے قبل کبھی میسر نہیں ہوئی۔ میں آج سے پہلے طلوع آفتاب کا اس لئے منتظر رہتا تھا کہ اپنی روزی پیدا کرنے کے لئے شکار کھیلوں گا یا ایمبرو جاؤں گا تاکہ شکاریوں کے حال جمع کر سکوں۔ پہلے میری نگاہیں اپنے گرد و پیش پر نہ جاتی تھیں لیکن آج مجھے اپنے گرد و پیش خوشیاں ہی خوشیاں نظر آتی ہیں۔ ہر شئے میں حسن نظر آتا ہے اور میں حیران ہوں کہ آج سے پہلے میں اپنے گرد و پیش پھیلے ہوئے حسن سے کیوں آگاہ نہ تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ آج سے قبل میں محبت کی حلاوتوں اور اس کے اسرار و رموز سے واقف نہ تھا۔ آج محبت نے میرے دل میں مسرت کی لہر دوڑا دی ہے۔ محبت جو مٹھاس سے بھرپور ہے۔ محبت جس نے میری آنکھوں کو بصارت عطا کی ہے اور جس کے طفیل میں پہلی بار دنیا کی رنگینیوں سے واقف ہوا ہوں۔ جوہرہ! میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اجازت دو کہ میں تمہارے والد سے تمہیں اپنی شریک حیات بنانے کی درخواست کروں۔ میں یہاں تمہارے والد کے

سلسلہ میں گفتگو کرنے آیا تھا لیکن اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کہنا چاہیئے۔ میں سب کچھ بھول چکا ہوں"۔

یہ سن کر جوہرہ کے چہرے پر سرخی چھا گئی اور وہ ناز سے بولی:

"مجھے معلوم نہیں کہ مجھے اپنے والد کی اجازت کے بغیر تمہاری اس گفتگو کو سننا چاہیئے یا نہیں۔ تم مجھے میرے والد کی رہائی کے بارے میں کوئی مشورہ دینے لائے تھے لیکن تم میرا مذاق اڑا رہے ہو ——— خیر تمہیں میرے والد کا ذکر پسند نہیں تو تم اپنی راہ لو۔ میں اپنے راستے پر چلی جاتی ہوں۔ خبردار میرا تعاقب نہ کرنا۔ میں ایک پاکدامن لڑکی ہوں جو اس تنہائی میں بھی کسی سے نہیں ڈرتی"۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا کہ میں تمہیں یہاں محض اس لئے لایا تھا کہ تمہارے والد کے بارے میں گفتگو کروں لیکن تمہارے ہاتھ کے لمس نے مجھے ایک نیا انسان بنا دیا ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنی کتاب زندگی کے گذشتہ اوراق کو پڑھنے سے قاصر ہو گیا ہوں۔ میں اپنے ماضی کو فراموش کر چکا ہوں اب محض حال اور مستقبل میرے سامنے ہیں"۔

جوہرہ محمد علی کو پسند کرنے لگی تھی مگر وہ عورت کی فطرت کے مطابق اپنے جذبات و احساسات کو مرد سے چھپانے پر مجبور تھی اس لئے تند و تیز لہجہ میں بولی:

"میں فضول باتیں سننے کے بجائے اپنے والد کی رہائی کے امکانات پر غور کرنا پسند کرتی ہوں"۔

محمد علی نے سرد آہ بھر کر کہا:

"تمہاری دید سے قبل میں قسم کھا چکا ہوں کہ سرکشوں کے سر جھکا کر رہوں گا۔ اب میری شرافت کا تقاضا ہے کہ میں اپنی قسم پوری کروں لیکن اب مجھے اپنی قسم پر افسوس ہو رہا ہے۔ کاش میں روپیہ وصول کرنے کی ذمہ داری نہ لیتا مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں مجبور ہوں کہ اہل بردستا کے سامنے کھائی ہوئی قسم کو پورا کروں اور طلوع آفتاب کے ساتھ ہی اپنے قیدیوں کے سر کاٹ دوں۔ کاش تمہارے والد میری قید میں نہ ہوتے اور آج مجھے تمہارے روبرو شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی"۔

جوہرہ نے یہ سنا تو بلند آواز میں رو رو کر بولی "آہ .... میرا باپ .... میرا مظلوم باپ ...."

محمد علی نے کہا:

"جوہرہ! تمہیں جس قدر اپنے باپ سے محبت ہے اس سے کہیں زیادہ میں اپنی عزت اور اپنے الفاظ کا پاس کرتا ہوں۔ میں تمہارے والد کی رہائی اور اپنے الفاظ کے احترام کی خاطر اپنی جان دے دوں گا۔ میں تمہیں غمگین نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے یہ پسند ہے کہ تم میری موت کے بعد مسکرا کر کہو خدا محمد علی پر رحمت کرے کیونکہ وہ میرے باپ کو بچانے کے لئے موت کی آغوش میں چلا گیا ہے لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ زندہ رہ کر تمہیں رو رو کر اپنے باپ کے قاتل پر لعنتیں بھیجتے ہوئے دیکھوں۔ دراصل حاکم قیدیوں کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو میں بضد تھا کہ قیدیوں کو حکم عدولی کی پاداش میں ضرور قتل کیا جائے۔ اب قیدیوں کی رہائی میری موت کے بعد ہو سکتی ہے سو میں تمہاری خوشی کے لئے موت کو لبیک کہنے پر تیار ہوں۔ میری آخری خواہش ہے کہ تم وعدہ کرو، مجھ سے ایک بار دوبارہ ضرور ملو گی۔ میری ماں نے اپنی موت سے قبل مجھے بتایا تھا کہ انسان قریب المرگ ہو تو خداوند کریم اس کے پاس ایک روح اور ایک مقدس فرشتہ بھیجتے ہیں تاکہ وہ دنیا ہی میں بہشت کے ساکنوں سے واقفیت پیدا کرے۔ میں تمہیں وہی فرشتہ سمجھتا ہوں میری درخواست ہے کہ تم اپنے نقاب کو اٹھا لو تاکہ میں تمہارے حسین چہرے کو جی بھر کر دیکھ لوں اور ہنسی خوشی اپنی جان کو تمہارے والد پر نچھاور کر دوں۔"

جوہرہ اس گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئی کہ اپنے جذبات کو چھپا نہ سکی اور نقاب الٹ کر بولی:

"محمد علی! لو مجھے دیکھو، لیکن یاد رکھو میں اپنے باپ کی جان بچانے کے لئے تمہاری موت پسند نہیں کرتی۔ ہمیں کوئی ایسا طریقہ سوچنا چاہئے جس سے تم دونوں سلامت رہو۔"

آفتاب نکل آیا تھا اور اس کی سنہری کرنوں نے ہر شئے کو سنہرے خوش رنگ

کا جامہ پہنا دیا تھا۔ محمد علی نے دیکھا تو جوہرہ کی آنکھوں سے دو موتی جھانک رہے تھے۔ اس کے گلابی رخسار اور قد و قامت نے محمد علی کے دل میں آگ لگا دی اور وہ محسوس کرنے لگا کہ کسی خوبصورت پری کے سامنے پیش ہے۔ کچھ دیر تو وہ ایک پتھر کے مجسمہ کی طرح چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر اس کے جسم میں کپکپی پیدا ہوئی وہ جوہرہ کے قدموں میں جھک گیا اور رک رک کر بولا:

"جوہرہ! میں اپنے دل کی انتھاہ گہرائیوں میں تمہاری محبت پاتا ہوں۔ آج سے میری زندگی اور موت کی مالک تم ہو۔"

پھر محمد علی نے اٹھ کر جوہرہ کو اپنے آغوش میں لے لیا اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر کچھ دیر تک مسرتوں کے دریا میں غرق رہے۔ پھر جوہرہ نے اپنے چہرے کو نقاب سے چھپا لیا اور بولی:

"تم خود کشی کر کے میرے باپ کو بچانا چاہتے ہو لیکن مجھے یہ پسند نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے والد کی جان بھی بچ جائے اور تمہیں بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

"تمہارے بغیر میری زندگی بے کار ہے۔ تم قسم کھا کر وعدہ کرو کہ میری شریکِ حیات بن جاؤ گی۔ پھر میں اپنی زندگی کے بارے میں سوچوں گا۔" یہ کہہ کر محمد علی جوہرہ کے جواب کا منتظر رہا۔ ہوا کی سرگوشیاں رک گئیں اور فضا میں خاموشی چھا گئی۔ شاید محمد علی کے ہمراہ پوری دنیا بھی جوہرہ کے جواب کا انتظار کر رہی تھی —— جوہرہ نے تدرے توقف کے بعد رک رک کر کہا —— "میں .... تمہیں .... محبت .... کرتی رہوں گی۔"

جوہرہ نے یہ الفاظ اس قدر خوشنما انداز سے کہے تھے کہ محمد علی مسرت سے پاگل ہو اٹھا۔ پھر کچھ دیر بعد غمگین ہو کر بولا:

"لیکن میں اپنی قسم کو کس طرح پوری کروں گا۔ بروسہ والوں نے روپیہ ادا نہ کیا تو اُن کے قتل کا حکم منسوخ نہ ہوگا۔ اب تمہارے والد کی رہائی اس طرح ہو سکتی ہے کہ میں خود کشی کر لوں۔ میرے بعد حاکم اپنی رحم دلی کے پیشِ نظر انہیں ضرور رہا کر دے گا۔ میری زندگی تمہارے والد کی موت کا باعث ہو گی۔ اب میں تمہاری نظروں کے سامنے

ایک جلاد کی حیثیت سے نہیں آ سکتا۔ تمہیں مسلسل آنسو بہاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ میں شرافت کی موت مرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن تم مرنے پر کیوں تلے بیٹھے ہو۔ کیا ہماری محبّت کی عمر محض چند لمحے ہو گی۔ بڑے ظالم ہو کیا تمہیں علم نہیں کہ اگر میں باپ کی موت پر آنسو بہاتی رہوں گی تو تمہاری موت بھی میرے آنسوؤں کو زندگی بھر خشک نہ ہونے دے گی۔"

اس وقت محمد علی نے اپنے آپ کو دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان تصوّر کیا۔ وہ کچھ نہ بولا تو جوہرہ نے پھر کہا۔

والد کی محبت نے میری زبان کو سحر بخش دیا ہے۔ میں بردستا کے لوگوں کو مجبور کرتی ہوں کہ زرِ پیہ ادا کر کے ہماری جانیں بچائیں۔ میری قوم کے لوگوں کو میرے والد سے سچی محبّت ہے۔ میری اپیل رائیگاں نہ جائے گی۔ وہ میرے والد کے خلاف منشا بھی میری بات مان لیں گے۔ اس طرح تمہاری قسم بھی پوری ہو جائے گی اور ہمارا مدعا بھی حاصل ہو جائے گا اور ہم خوش و خرم زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ اب میں وقت گزرنے سے پیشتر بردستا پہنچنا چاہتی ہوں۔ کیا تم اس تجویز سے متفق ہو؟"

محمد علی نے حسرت بھرے لہجہ میں جواب دیا۔

"خدا کرے تمہاری کوشش کامیاب ہو۔ وہ لوگ مان جائیں لیکن وہ نہ مانے تو کیا ہو گا۔ کون جانے میری زندگی کا آخری سانس بھی تمہاری یاد کے لئے وقف ہو گا۔ جوہرہ! جانے سے پہلے ایک بار پھر اپنی محبت کا اقرار کر سکو تو مجھ پر احسان ہو گا۔"

پھر محمد علی نے آگے بڑھ کر جوہرہ کا نقاب اٹھایا اور اس کی پیشانی چوم کر گرا دیا۔ پھر بولا:

"جوہرہ! قسم کھاؤ اگر موت ہمیں جدا نہ کر سکی تو تم آئندہ زندگی بھر اپنے نقاب کو میرے سوا کسی پر نہ اٹھاؤ گی۔"

"میں تمہاری محبّت کو امانت سمجھوں گی۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ کوئی دوسرا میرے چہرے کو کبھی نہ دیکھے گا۔"

پھر جوہرہ بروستا جانے پر آمادہ ہوئی تو محمد علی نے بھی اس کے ہمراہ جانا چاہا لیکن جوہرہ نے اُسے روک دیا کیونکہ وہ لوگوں کی طعنہ زنی سے ڈر رہی تھی۔ دھوپ پھیل چکی تھی۔ روشن دن میں جوہرہ نے قدم بڑھانے سے پہلے کہا کہ وہ اس کی کامیابی کے لئے دعا مانگے اور اس وقت کا منتظر رہے جب اس کا پیارا کبوتر کامیاب پرواز کے بعد واپس آکر اس کے تعمیر کئے ہوئے گھونسلے میں آرام کرے گا ــــ پھر جوہرہ روانہ ہوگئی اور محمد علی اُسے بروستا کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ حتےٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی اور محمد علی اس کی کامیابی و کامرانی کی دعائیں مانگتا ہوا واپس آگیا۔

❀

(۱۸)

جوہرہ کے زیورات

اس رات بروستا کے لوگ بیدار رہے تھے۔ انہوں نے رات بے قراری کے عالم میں کاٹی تھی اور وہ رات بھر اپنے شیخ اور راہنماؤں کی گرفتاری پر اظہار افسوس کرتے رہے تھے اور ان کی رہائی کے امکانات کا جائزہ لیتے رہے تھے۔ طلوع آفتاب کے وقت لوگ جامع مسجد میں جمع ہو کر اپنے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں سوچنے لگے۔ اسی وقت سامنے سے جوہرہ آتی دکھائی دی۔ لوگ دوڑ کر اس کے قریب پہنچے شاید وہ قیدیوں کی رہائی کی خوش خبری لائی ہو لیکن انہیں مایوسی ہوئی۔ جوہرہ نے آنسو بہاتے ہوئے انہیں بتایا کہ والد نے روپیہ ادا کر کے رہا ہونے سے انکار کر دیا ہے اور اب وہ بروستا کے لوگوں سے اپیل کرتی ہے کہ حاکم کو مالگذاری کا روپیہ دے کر اس کے والد کو رہا کرائیں۔ لوگ جوہرہ کی باتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بہتوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن انہوں نے کہا کہ وہ مجبور ہیں کیونکہ شیخ روپیہ ادا کرنے سے منع کرتا ہے اور کسی حالت میں بھی ظلم کے آگے سر جھکانے کی اجازت نہیں دیتا۔

"وہ نیک نیتی سے تمہاری بہتری کے خواہاں ہیں۔ اس لئے روپیہ ادا کرنے سے منع کر کے اپنی موت کو دعوت دے رہے ہیں۔ اب یہ تمہارا فرض ہے کہ ان کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے انہیں موت کے پنجہ سے نکال لو۔" جوہرہ نے کہا۔

"ہم اپنے فرض سے واقف ہیں اور اپنے چاروں اسیروں کو رہائی دلانے کے لئے ہر لمحہ آمادہ ہیں لیکن ہم مجبور ہیں۔ قحط نے ہماری کمر توڑ رکھی ہے۔ اس سال معمولی مالگذاری کا روپیہ ادا کرنا بھی ہماری قوت سے باہر ہے اور حاکم دوگنا مالیہ چاہتا ہے۔ اس سال دگنا مالیہ مانگتا ہے اور اگلے برس تگنا مالیہ طلب کرے گا۔ اب اس کے سوا کوئی

چارہ نہیں رہ جاتا کہ ہم اپنے اور اپنے عزیز اسیروں کے معاملات کو خدا پر چھوڑ دیں۔ تمہیں بھی ہمارا یہی مشورہ ہے کہ صابر و شاکر رہو۔" لوگوں نے جواب دیا۔

جوہرہ نے لوگوں سے کافی دیر تک گفتگو کی۔ اپنی سحر بیانی سے کام لیا اور آخر کار سب لوگ اس فیصلہ پر پہنچے کہ ہر شخص اپنے گھر سے جس قدر روپیہ مہیا کر سکے لے کر فوراً مسجد میں آجائے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف بھاگے تو جوہرہ بھی اپنے گھر آگئی اور اپنی دونوں لونڈیوں کو باہر بھیج کر اپنے کمرے میں پہنچی صندوق نکال کر ایک گٹھڑی برآمد کی تین بیش قیمت زیورات نکالے اور صندوق بند کر دیا۔ گلوبند اور جڑاؤ بندے میں سے ہار کی قیمت سو دینار سے بھی زیادہ تھی۔ جوہرہ نے سوچا۔ ہار کی قیمت سے دوگنا مالیہ بخوبی ادا ہو سکتا ہے۔ پھر وہ مسجد کی طرف روانہ ہوئی تو راہ میں خیالات کے ہجوم نے اسے گھیرے رکھا۔ اُسے زیورات کی جدائی سے صدمہ پہنچ رہا تھا کیونکہ یہ زیورات اس کی ماں کے تھے۔ جنہیں جوہرہ نے ایک نادر یادگار کی حیثیت سے سنبھال رکھا تھا۔ وہ انہیں اپنے بیاہ کے روز پہننا چاہتی تھی اور ماں کی اس نشانی سے برکت حاصل کرنا چاہتی تھی لیکن واقعات کے رخ نے اس کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا تھا اور اب اپنے والد کی رہائی کے لئے وہ ان زیورات کو فروخت کر کے مالیہ کا روپیہ ادا کرنے جا رہی تھی۔

جوہرہ مسجد میں پہنچی تو تقریباً سب لوگ واپس آچکے تھے۔ معمولی مالیہ سو دینار تھا جسے پچاس آدمی فی آدمی دو دینار کے حساب سے ادا کرتے تھے۔ لوگوں نے تقریباً سو دینار اکٹھے کر کے جوہرہ کو دیئے اور جوہرہ نے خدا کا شکر کیا کہ اب وہ حاکم کے مطالبہ کو پورا کر کے اپنے والد کو رہا کرا سکتی ہے۔

جوہرہ روپیہ جمع کر کے روانہ ہوئی تو لوگ بھی اس کے پیچھے ہو لئے۔ وہ سب نوالہ کے قریبی ٹیلہ کے پاس پہنچے تو جوہرہ نے رُک کر کہا:

"عزیز بھائیو! تم نے سال کا معمولی مالیہ ادا کر دیا ہے اور مجھے خداوند کریم کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ میں حاکم کو رضامند کر لوں گی کہ یہ روپیہ لے کر وہ قیدیوں

کو رہا کر دے۔ تم دوگنا مالیہ ادا کرنے سے بھی بچ جاؤ گے اور تمہارے چار ذہین آدمی بھی نافرمانی اور بغاوت کے جرم میں قتل نہ ہوں گے۔ تم اسی جگہ منتظر رہو۔ میں حاکم کے محل میں جا کر صورت حال کا جائزہ لیتی ہوں اور جلد ہی لوٹ کر تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔"

جوہرہ اکیلی ہی محل کی طرف روانہ ہوگئی اور لوگ اس کی تنہا روانگی پر رائے زنی میں مصروف ہو گئے۔ بعض کو اس کی روانگی پسند تھی اور بعض اسے ناپسند کرتے تھے۔ جوہرہ نے خوب دیکھ بھال کر محل میں قدم رکھا تاکہ کسی کی اس پر نظر نہ پڑے۔ کوئی اسے دیکھ کر اس کے باپ کو اطلاع نہ پہنچا دے اور وہ اس کے ارادوں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرسکیں۔

حسان شوربجی بیدار ہو کر اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ وہ غمگین تھا اور خود کو لعنت ملامت کر رہا تھا کہ اس نے کیوں روپیہ جمع کرنے کا کام محمد علی کے سپرد کیا۔ وہ چار آدمیوں کے خونِ ناحق کا تصوّر کرتا تو خوفِ خدا سے ڈر جاتا۔ اس وقت وہ اپنے بیٹے عثمان کا منتظر تھا جو محمد علی کو قیدیوں کے قتل سے روکنے کے لئے گیا ہوا تھا۔ حاکم حسان شوربجی کو محمد علی کے فیصلہ کا انتظار تھا اس اثنا میں کمرے کا دروازہ کھول کر ایک نقاب پوش لڑکی اندر آئی اور حاکم کے قریب پہنچ کر جھک گئی۔ پھر بولی:

"میرے بزرگ آقا! میں شیخ کی بیٹی ہوں اور آپ کے جذبۂ رحم کو بیدار کرنے آئی ہوں۔ آپ مجھ پر رحم فرما کر میرے والد کو رہا کر دیں۔"

یہ سن کر حاکم کے رنج و غم کی انتہا نہ رہی اور وہ بولا:

"خدا کی قسم! اگر میں تمہاری خواہش پوری کرسکتا تو کبھی انکار نہ کرتا لیکن میں مجبور ہوں۔ میں نے اپنے نائب محمد علی کو مکمل اختیار دے کر اپنی زبان ہار دی ہے۔ میں مالیہ معاف نہیں کرسکتا اور اب اس قضیہ میں دخل دینا میرے اختیار میں نہیں رہا۔"

جوہرہ نے حاکم کو بتایا کہ وہ مالیہ معاف کرانے نہیں آئی بلکہ وہ مالیہ ادا کرنے آئی ہے۔ لوگوں نے معمولی مالیہ کی رقم جمع کر دی ہے اور وہ مطلوبہ نصف مالگذاری ادا کرنے کے لئے ایک ہار لائی ہے اور چاہتی ہے حاکم روپیہ کے عوض اس زیور کو قبول

کرے۔ پھر جوہرہ نے ہار اور روپیہ نکال کر حاکم کے ساتھ رکھ دیا اور اپنے بیش قیمت ہار کو محض سو دینار پر فروخت کرنے کے لئے آمادگی کا اظہار کیا۔ حاکم نے روپے کو گنا اور زیور کو دیکھا تو بولا :

" اگر تمہارے والد اور ان کے رفیقوں کی رہائی کا مسئلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں یقیناً اسی وقت ان سب کو رہا کر دیتا لیکن محمد علی نقد روپیہ پیش کرنے کا حکم دے چکا ہے میں اس بیش قیمت ہار کو خریدنے سے قاصر ہوں کیونکہ میرے پاس نقد روپیہ نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو میں اپنی گرہ سے دے دیتا اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوتی لیکن ..... ہاں مجھے خوب یاد آ گیا کل ہی آستانہ سے ایک آدمی روپیہ لے کر آیا تھا تاکہ میرے مہمان خسرو پاشا کو دے۔ میں تمہارا ہار خسرو پاشا کو دکھاتا ہوں۔ اُمید ہے وہ خرید لے گا۔ میں سمجھتا ہوں اس قضیہ میں خسرو پاشا ہماری مدد کرے گا۔ میں " ہماری مدد" کے الفاظ اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ جس قدر تم قیدیوں کی رہائی کے لئے بیتاب ہو۔ میں بھی ان کی آزادی کے لئے اس قدر بے قرار ہوں۔ میں محمد علی کے ارادوں سے متفق نہیں اور خلوص دل سے قیدیوں کی رہائی چاہتا ہوں۔ تم ہار کو اپنے ہی پاس رہنے دو۔ میں خسرو پاشا سے بات کرتا ہوں۔ تم اسی کمرہ میں میری منتظر رہو "

اور حاکم حسان شور بجی کمرے سے باہر نکل گیا۔

۱۹

رہائی کی قیمت

جوہرہ اپنے نقاب کو اٹھائے ہوئے حاکم کی منتظر تھی اور دل ہی دل دعا مانگ رہی تھی کہ حاکم، محمد علی کے مقرر کردہ وقت سے قبل ہی کامیاب و کامران ہو کر لوٹ آئے۔ اچانک دروازہ کھلا اور خسرو پاشا نے کمرے میں داخل ہو کر جوہرہ کو بے نقاب دیکھ لیا۔ حاکم خسرو پاشا کے بعد کمرے میں داخل ہوا تو جوہرہ اپنے نقاب کو گرا چکی تھی۔ حاکم نے جوہرہ کی طرف اشارہ کر کے خسرو پاشا سے کہا کہ حضور، یہ وہی لڑکی ہے جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ پھر حاکم جوہرہ سے مخاطب ہو کر بولا کہ تم سلطنت کے ایک بڑے رکن کو دیکھ رہی ہو۔ اس وقت یہ قوالا کے واحد شخص ہیں جو تمہارے کام آسکتے ہیں۔ یہ سن کر جوہرہ نے خسرو پاشا کو ادب سے سلام کیا اور بولی:

"میرے بلند مرتبت آقا! مجھ پر رحم فرمائیں اور میرا ہار خرید کر میرے والد کو قید سے نجات دلائیں۔ آپ ہار خرید لیں گے تو میں اس روپے سے اپنے والد کو رہا کرا سکوں گی"۔

خسرو پاشا، جوہرہ کو بے نقاب دیکھ کر پہلی ہی نظر میں اس پر فریفتہ ہو چکا تھا اور کسی طریقے سے اسے اپنے قابو میں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بولا:

"لڑکی! میں پہلے تمہارا زیور دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر کوئی فیصلہ کروں گا"۔

جوہرہ نے ہار کو خسرو پاشا کی طرف بڑھا کر کہا۔

"خدا کرے آپ کو رحم آجائے اور آپ کئی زندگیوں کو موت کے جنگل سے بچا سکیں"۔

خسرو پاشا نے ہار کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور طنز بھرے لب و لہجہ سے کہا۔

"حسان! تم واقعی بہت سادہ لوح انسان ہو۔ تمہیں دھوکہ دینا تو انتہائی آسان

کام ہے۔ تم ملمع شدہ تانبے، کانسی اور پتھر کو خریدنے پر آمادہ ہو۔ حالانکہ یہ ہار دو دینار کا بھی نہیں ہے۔"

جوہرہ کو خسرو پاشا پر غصہ آگیا اور وہ چلا کر بولی:

"تم مجھے دھوکہ باز ثابت کر رہے ہو حالانکہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے تمہیں خود کھرے کھوٹے کی پہچان نہیں ہے۔ میرا ہار خالص سونے کا ہے۔ اس میں قیمتی جواہر جڑے ہوئے ہیں۔ میرے نانا مرحوم صراف تھے انہوں نے اس ہار کو تحفتاً میری ماں کو دے دیا تھا۔ والدہ مرحومہ نے انتقال سے قبل مجھے دیا۔ یہ یقیناً خالص سونے اور جواہر کا مرکب ہے۔ تم خواہ مخواہ مجھ پر مکاری کا الزام لگا کر اپنی شرافت و عزّت کو کم کر رہے ہو۔"

حاکم چاہتا تھا کہ جوہرہ کو خاموش رہنے کو حکم دے اور اس کی تیز و تند باتوں پر خسرو پاشا سے معذرت کرے لیکن جوہرہ کی تلخ کلامی نے خسرو پاشا کے محبت بھرے جذبات کو بھڑکا دیا تھا۔ وہ بولا:

"حسان! مجھے اس لڑکی کے غصہ پر رحم آتا ہے۔ میں تنہائی میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ میں کس طرح اس کی مدد کر سکتا ہوں۔ تم باہر جا کر کسی کو اس کمرے میں نہ آنے دینا۔"

حاکم کمرے سے باہر نکل گیا تو خسرو پاشا تنہائی سے فائدہ اٹھا کر جوہرہ کے قریب آکر بولا:

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تمہیں اپنے والد سے بہت پیار ہے؟"

"میرے والد کو میری ماں کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ میں بچپن سے ان کی گود میں بڑھی پلی ہوں۔ وہ میرے سچے ہمدرد ہیں۔ ان کے سوا میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔"

"مجھے تم پر رحم آرہا ہے۔ اگر تمہاری قوم مالیہ ادا نہ کرسکی تو محمد علی حاکم کے دیئے ہوئے اختیار ضرور برتے گا۔ اس کا مقرر کردہ وقت بھی قریب آگیا ہے۔ وہ اس [illegible] بالکل تیار ہوگا کیونکہ وہ قیدیوں کو قتل کرنے کی قسم کھا چکا ہے۔"

"کیا اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ اپنے ہاتھ [illegible] کے [illegible] تمام کرے گا؟"

"اُس نے یہی قسم کھائی تھی۔ وہ ایک بے رحم، خونی لڑکا ہے۔ جو لوگوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرکے لطف اندوز ہوتا ہے۔"

"یہ درست نہیں ہے۔ وہ ایک رحمدل لڑکا ہے جو کسی کو تکلیف میں دیکھ کر خوش نہیں ہوتا۔"

خسرو پاشا نے یہ سنا تو غصہ سے کہا:

"تم نے یہ رائے کس طرح قائم کی ہے۔ کیا تم اسے پہچانتی ہو؟"

"میں اسے پہچانتی ہوں اور اس سے رحم دلی کی التجا بھی کر چکی ہوں"۔ یہ کہہ کر جوہرہ اپنی موجودہ مصیبت کا خیال کرکے رونے لگی۔ خسرو نے اس کے رونے کی آواز سنی تو کہا ۔ "لڑکی! صبر سے کام لے۔ میں تمہارے والد کی رہائی کا ذمہ لیتا ہوں۔"

جوہرہ نے پاشا کو تشکر بھری نظروں سے دیکھا اور کہا:

"خدا آپ کو اس کارِ خیر کا اجر دے اب بتایئے کہ مجھے اس سلسلہ میں کیا طریق کار اختیار کرنا چاہیے؟"

خسرو نے ہونٹوں پر مسکراہٹ لا کر کہا۔

"صرف یہی کہ اپنے حسین چہرے کو بے نقاب کرکے میرے دل کی آگ کو سرد کرنا چاہیئے۔"

"لیکن شریعت اجنبی لوگوں سے پردہ کا حکم دیتی ہے۔"

"میں تمہیں اپنے حرم کی زینت بنانا چاہتا ہوں۔ اس لئے شریعت میرے رستے میں حائل نہیں ہوتی۔"

"میں نہیں جانتی کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔ براہ کرم فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کریں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اپنے والد کی رہائی مطلوب نہیں۔ اگر تم یہی پسند کرتی ہو تو یہی کچھ ہوگا۔ تم ایک یتیم لڑکی ہوگی۔ جس کا کوئی بھی پرسان حال نہ ہوگا۔ ہاں تمہیں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنے چہرے سے نقاب نہ اٹھا کر تم اپنے والد کے قتل کی ذمہ دار ہو رہی ہو۔"

"تم مجھے کیوں ذلیل کر رہے ہو۔ میں نے قسم کھا کر عہد کیا ہوا ہے کہ اپنے نقاب کو کسی غیر محرم کے سامنے اٹھا کر گناہ کی مرتکب نہ ہوں گی۔"

پاشا نے جوہرہ کو گھور کر کہا:

"آخر تم کو قسم کھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کس نے تمہیں مجبور کیا؟"

جوہرہ بے اختیاری میں محمد علی کا نام لینا چاہتی تھی کہ اچانک سنبھل گئی اور بولی:

"دین کی طرف سے مجھ پر فرض عائد کیا گیا ہے اور میں خدا کے لئے یہ قسم کھا چکی ہوں۔"

خسرو نے قہقہہ بلند کر کے کہا:

"بھئی خوب ہے لیکن تمہارے والد کی رہائی کے وعدہ کو ایفا کرنے سے پہلے میں تمہارے حسین چہرہ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم نقاب نہ اٹھانے کی قسم کھا چکی ہو۔ میں تمہاری قسم کے احترام کو قائم رکھتے ہوئے اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اپنے ہاتھ سے تمہارا نقاب اٹھا لیتا ہوں" ——— اور اس سے پہلے کہ جوہرہ انکار کرے خسرو نے فوراً نقاب اٹھا کر اس کے چہرے پر اپنی نظرے گاڑ دیں۔

اتفاقاً اس وقت محمد علی دالان میں سے گذرا اور کھلے دروازے سے اس نظارے کو دیکھ کر طیش میں آ گیا۔ وہ بے اختیار ہو کر دروازے کی طرف بڑھا اس نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ حاکم حسان شوربجی نے سامنے آ کر اس کا راستہ روک لیا اور فوراً کمرے کے دروازوں کو بند کر کے دروازے کے اندرونی قفل کو چابی لگا دی۔ محمد علی نے حاکم کا قطعی لحاظ نہ کیا اور بزور کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ وہ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ محمد علی ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح حاکم کو پچھاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حاکم نے اپنے بیٹے عثمان کو پکارا۔ عثمان بھاگا بھاگا آیا اور محمد علی کے کندھے پر آہستگی سے ہاتھ رکھ کر بولا:

"بھائی محمد علی! یہ کیا کر رہے ہو۔ میرے والد کو تو پہچانو۔"

عثمان کے ان دو فقروں نے محمد علی پر حیرت انگیز اثر کیا۔ اُس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ بڑی مشکل سے غصہ پر قابو پا کر بولا:

"عثمان بھائی کس قدر افسوس کی بات ہے کہ خونخوار کمینہ احمق خسرو پاشا کمرے میں شیخ کی بیٹی جوہرہ سے راز و نیاز میں مصروف ہے اور تمہارے والد مجھے کمرے میں داخل

نہیں ہونے دیتے۔"

"تمہارا خیال درست نہیں۔ پھر تمہارا شیخ کی بیٹی سے کیا تعلق وہ اپنے والد کو قتل سے بچانے کے لئے خسرو سے باتیں کر رہی ہے۔" حاکم نے جواب دیا۔

محمد علی نے چیختے ہوئے کہا:

"میرا شیخ کی بیٹی سے کیوں تعلق نہیں ہے؟ میرا جوہرہ سے کوئی تعلق کیوں نہیں ہے۔"

محمد علی نے یہ کہتے ہوئے عثمان کی طرف دیکھا تو عثمان نے اشارے سے منع کیا کہ وہ اس راز کو فاش نہ کرے۔ محمد علی نے اپنی زبان تو بند کر لی مگر غیظ و غضب نے اس کے جسم میں کپکپی پیدا کر دی۔ اس نے سر جھکا کر ہاتھوں سے چہرے کو ڈھانپ لیا اور قدرے توقف کے بعد روتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں مجھے زبان بندی اختیار کر لینی چاہیئے کیونکہ روزِ اوّل ہی سے میرے مقدّر میں محرومی لکھی جا چکی ہے۔ میں مسرت کے حصول میں ناکام رہوں گا۔ کامیابی مجھ سے دُور بھاگے گی اور میں اس کی تلاش میں حیران و پریشان ٹھوکریں کھاتا رہوں گا۔ اگر کبھی میں کامیابی کے قریب پہنچوں گا اور اسے حاصل کر لوں گا تو اس کی حیثیت سراب سے زیادہ نہ ہوگی اور میں معمول کے مطابق خالی ہاتھوں اپنے ٹوٹے ہوئے دل کو پہلو میں دبائے لوٹ آؤں گا۔ خیر میں اس محرومی کو بھی سابقہ محرومیوں کی صف میں جگہ دے لیتا ہوں اور انتقام کے سوا ہر شئے کو فراموش کر دیتا ہوں۔"

پھر چند لمحوں کے بعد محمد علی حاکم سے مخاطب ہوا۔

"شاید آپ نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے۔ قیدیوں کے سلسلہ میں جو مکمل اختیارات مجھے حاصل تھے۔ وہ واپس لے لیں۔"

"میں اپنے وعدہ کا پاس کرتا ہوں خواہ میرا بڑے سے بڑا نقصان ہی ہو جائے لیکن میری خواہش یہ ہے کہ تم قیدیوں پر رحم کرو۔ اگر میری طرح تمہیں بھی اس لڑکی کی آہ وزاری سننے کا موقعہ ملتا تو تم بھی رحمدلی کا ثبوت دیتے اور وہ بے چاری خسرو پاشا سے رو رو کر مدد کی طالب نہ ہوتی۔" حاکم نے جواب دیا۔

" اگر وہ خسرو کی اس لئے منت سماجت کر رہی ہے کہ میں اس کا ماتحت ہوں تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ سینکڑوں خسرو پاشا بھی میرے حکم کو نہیں بدل سکتے۔" محمد علی نے کہا۔

عثمان نے محمد علی کو گلے سے لپٹا کر کہا۔

" بھائی! حوصلہ سے کام لو، دل کو سنبھالو تاکہ لوگ تمہارے صبر و تحمل کی داد دیں۔"

محمد علی خاموش رہا اور عثمان سے لپٹ کر اس کے شانے پر اپنا سر رکھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

خسرو پاشا جوہرہ کو رام کرنے کی کوششوں میں اس قدر مصروف تھا کہ اسے باہر کے واقعہ کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ وہ جوہرہ کا نقاب اٹھائے کھڑا اسے گھورتا رہا۔ جوہرہ اس کی شہوت بھری نظروں کی تاب نہ لا سکی اور شرم و حیا سے آنکھیں جھکانے پر مجبور ہوئی۔ خسرو بولا:

" تمہارا نام کیا ہے؟"

" جوہرہ۔ براہ کرم اب میرا نقاب چھوڑ دیجئے۔"

" مجھے [illegible] حسن جہانگیر کا نظارہ تو کر لینے دو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں کس شئے سے تشبیہہ دوں۔ اگر چاند کہوں تو چاند کے داغ کا خیال آجاتا ہے۔ گلاب کہوں تو گلاب کی چمک دمک جاتی رہتی ہے۔ دراصل تم حسن کے مہکتے ہوئے خوشبودار پھولوں کا ایک بیش قیمت تاج ہو۔ جو خدا نے حور کو پہنا کر صبح صادق کے نور کی روشنی میں میرے لئے بھیجا ہے۔"

جوہرہ کا دھیان خسرو کی باتوں پر نہیں تھا۔ وہ آنسو بہا رہی تھی اور بار بار درخواست کر رہی تھی کہ خسرو اس کے نقاب کو چھوڑ دے۔

" تمہاری نشیلی آنکھوں سے قیمتی موتی گر رہے ہیں۔ بس انہیں اپنے لبوں سے چننے کی اجازت چاہتا ہوں۔" خسرو پاشا بولا۔

جوہرہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے نقاب کو جھٹکا دے کر منہ پر گرا لیا اور سر کو اٹھا کر کہا۔" تمہیں ایک بے بس کمزور لڑکی کو بے عزت کرتے ہوئے شرم

آئی چاہیئے۔"

"مجھے تمہارے غصہ پر پیار آتا ہے جو جی چاہے کہو میں بُرا نہ مانوں گا کیونکہ محبوب کی گالیاں کھا کر کوئی بے مزہ نہیں ہوتا۔" خسرو نے کہا۔

یہ وہی وقت تھا جب کمرے کے باہر محمد علی اپنی بدقسمتی کا گلہ شکوہ کر رہا تھا خسرو نے اچانک محمد علی کی آواز سنی تو کہا۔

"خونخوار بھیڑیئے محمد علی کی آواز آ رہی ہے غالباً قیدیوں کے قتل کا وقت قریب آ گیا ہے۔ کچھ دیر بعد یقیناً تمہارے والد کا سر خاک پر لوٹ رہا ہو گا۔ تم میری خدمات سے فائدہ نہ اٹھا کر شدید غلطی کر رہی ہو۔"

"میں تو تم سے بارہا درخواست کر چکی ہوں کہ میرے والد کو بچا لو لیکن تم تو کوئی توجہ ہی نہیں دیتے۔" جوہرہ نے کہا۔

خسرو پاشا نے آہستہ سے کہا۔

"میں تمہارا ہار خریدے بغیر بھی تمہارے والد کو رہا کرا سکتا ہوں لیکن میری شرط یہ ہے کہ تم میرے ساتھ اپنا سودا کر لو اور میرے حرم کی زینت بن جاؤ۔ گو میرے حرم میں تمہاری طرح کی حسین و جمیل عورتیں ہیں بلکہ کئی تو تم سے زیادہ خاندانی وجاہت کی حامل ہیں اور میرے ہمراہ رہنے کو اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہیں لیکن میں تمہیں چاہتا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں ان سب کو تمہاری لونڈیاں بنا دوں گا اور خود بھی دل و جان سے تمہاری غلامی کا دم بھرتا رہوں گا۔"

ان الفاظ سے جوہرہ کے دل پر نشتر چل رہے تھے وہ چلا کر بولی:

"یہ ہرگز نہیں۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں خود کو فروخت نہیں کر سکتی۔ مجھے اپنی آزادی عزیز ہے۔"

"خیر تم اپنی آزادی کو عزیز رکھو۔ میں تمہارے والد کے قتل پر اظہار افسوس کرتا ہوں کیونکہ محمد علی کو قتل کے ارادے سے باز رکھنے کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔ ایک بار پھر سوچ لو کیا تمہیں ذلیل و خوار ہو کر اپنے باپ کا قاتل کہلوانا پسند ہے یا تم

خسرو پاشا کی ملکہ بن کر دولت میں کھیلنا پسند کرتی ہو۔ مجھے جلد ہی دارالخلافہ سے بلاوا آنے والا ہے۔ میں دوبارہ وزارت کا منصب حاصل کر لوں گا۔ اگر تم نے میری خواہش پوری کر دی تو تمہارے والد کو نئی زندگی مل جائے گی اور وہ اس پر نازاں ہوگا کہ خسرو پاشا سے بڑے آدمی کو اس کی لڑکی کے غلام ہونے کا فخر حاصل ہے۔ تمہیں شاید میرے الفاظ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ تمہارا سودا کرنے سے میری مراد محض تمہاری محبت کو مول لینا ہے۔ تمہاری نگاہیں چغلی کھا رہی ہیں کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں اور مجھے اس پر کوئی تعجب نہیں۔ بلبل شیریں نوا اور کائیں کائیں کرنے والے کوّے کا رشتہ قائم نہیں رہتا لیکن مجھے یقین ہے کہ میں اپنی خدمت اور اپنی محبت کے طفیل جلد ہی تمہیں اپنا بنا لوں گا اور تم میری محبت کا جواب محبت سے دینے پر مجبور ہو جاؤ گی۔" خسرو پاشا نے جوہرہ کی خاموشی کو غنیمت جان کر بڑی طویل تقریر کی۔ کبھی ڈرایا دھمکایا، کبھی منت سماجت کی اور کبھی مال و دولت اور عزت و حشمت کے سبز باغ دکھائے مگر جوہرہ نے خاموشی اختیار کر رکھی۔ محل کے باہر شور و غل برپا ہوا اور کمرے میں آوازیں پہنچیں تو خسرو نے کہا:

"لو سنو، لوگ شور مچا رہے ہیں۔ یقیناً سپاہیوں نے قیدیوں کو قتل کرنے کے لئے پنجرہ سے باہر نکالا ہے۔ محمد علی کا مقرر کردہ نماز کا وقت قریب آگیا ہے اور اب کچھ ہی دیر میں تمہارا والد قید حیات سے بھی آزاد ہو جائے گا۔"

یہ سن کر جوہرہ کو ضبط کا یارا نہ رہا۔ وہ رو رو کر قیدیوں کی سلامتی کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگی۔ خسرو نے اسے مغلوب کرنے کی ایک اور کوشش کی۔ بولا:

"قیدیوں کے قتل کا وقت سر پر آ پہنچا ہے۔ فوراً جواب دو کہ تمہیں میری حرم بننا منظور ہے یا نہیں؟ تمہاری ہاں یا نہیں پر تمہارے والد کی زندگی کا انحصار ہے۔ اب مزید تاخیر تمہاری خوشیوں کو ہمیشہ کے لئے فنا کی گہری نیند سلا دے گی۔"

اس اثنا میں باہر کے شور و غل نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ الامان والحفیظ جوہرہ نے شور سنا تو گھبرا گئی اور اسی گھبراہٹ اور سراسیمگی کے عالم میں بولی۔ "آہ، میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ اپنے والد کی قاتل کہلاؤں۔ میں اپنی ہر امکانی قوت صرف

کرچکی ہوں۔ کئی مشکلات پر قابو پا چکی ہوں مگر اب جب کہ میرے باپ کی رہائی کا دارومدار محض میری ذات سے وابستہ ہے تو بھلا میں کیسے انکار کرسکتی ہوں۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میرے والد زندہ رہیں گے۔ خواہ میں کتنی ہی ذلیل ہوجاؤں۔ میرے آقا! مجھے تمہاری خواہش کی تکمیل منظور ہے۔ فوراً مال لاؤ۔ خدانہ کرے۔ میرے والد کو کچھ ہوگیا تو میں زندہ نہ رہوں گی۔"

"میں تمہاری دانائی پر خوش ہوں۔ تم نے خود پر مسرتوں کے دروازے کھول لئے ہیں۔ تم میرے حرم سرا میں چلی جاؤ۔ میں ابھی محمد علی کو روپیہ دے کر اپنے ہاتھ سے قیدیوں کو رہا کردیتا ہوں۔" خسرو نے کہا۔

"میں ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہوں کہ میرے آقا! صرف آج کا دن مجھے آزاد رہنے دیں تاکہ میں اپنے والد کی مسرتوں میں شامل ہوسکوں۔ میں انہیں اپنی اس قربانی سے بے خبر رکھنا چاہتی ہوں جو میں نے ان کی رہائی کے لئے پیش کی ہے۔"

خسرو نے جوہرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"کیا تم قسم کھاتی ہو کہ کل علی الصبح خود بخود میرے حرم سرا میں آجاؤ گی؟"

"میں تمہیں قسم کھا کر یقین دلاتی ہوں کہ کل صبح تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

"کل علی الصبح میرے خواجہ سرا عقبی دروازہ پر تمہارا انتظار کریں گے۔" جوہرہ سے یہ کہہ کر خسرو باشاکرے کے دروازے پر آکر باآواز بلند بولا۔

"حسان! قیدی قتل نہ ہونے پائیں۔ میں ابھی آکر روپیہ ادا کردیتا ہوں۔" پھر خسرو نے جوہرہ سے مخاطب ہوکر کہا:

"کل صبح تک اپنی قسم کا پاس رکھنا۔ یاد رہے تم اپنے آپ کو میرے سپرد کرچکی ہو۔ کل صبح تمہیں ہر حالت میں میرے پاس پہنچنا چاہیئے۔ میں کل صبح بے تابی سے تمہارا انتظار کروں گا۔ طلوع آفتاب سے قبل ہی محل کے عقبی دروازے پر پہنچ جانا۔ میرے دو خواجہ سرا تمہارے استقبال کے لئے دروازہ پر موجود ہوں گے اور تمہیں باعزت طریق پر میرے پاس لے آئیں گے۔"

"میں آپ کی فرمانبرداری کو مقدم سمجھتی ہوں مطمئن رہیں آپ کے ارشاد کی تعمیل ہو گی۔" جوہرہ نے جواب دیا۔

خسرو پاشا نے اظہار خوشنودی کے طور پر سر ہلایا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ حاکم، عثمان اور محمد علی کمرے کے سامنے سے ہٹ چکے تھے اور جاتی بار حاکم کمرے کا قفل بھی کھول گیا تھا۔

جوہرہ نے اپنے نقاب کو چہرے پر کس لیا تاکہ اس کی آنکھوں سے رواں دواں آنسوؤں کو کوئی نہ دیکھ سکے اور وہ بھی چند لمحوں کے بعد کمرے سے باہر نکل گئی۔

بردستا کے لوگ جوہرہ کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے۔ حتیٰ کہ نماز کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا چلا گیا اور لوگوں کی مایوسی بڑھتی گئی۔ پھر لوگوں نے آپس میں صلاح مشورہ کے بعد شیخ اور اس کے رفیقوں کو ہر قیمت پر رہا کرانے کا تہیہ کر لیا۔ اس فیصلہ کے بعد انہوں نے قوالہ کی راہ لی اور حسان شوربجی کے محل کے سامنے پہنچ گئے۔ یہاں محمد علی کے مقرر کردہ محافظوں نے انہیں محل میں داخل نہ ہونے دیا۔ لوگ اشتعال میں آ گئے اور اپنے ہتھیاروں کو بلند کر کے قوت کے استعمال سے محل میں داخل ہونا چاہا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ان کا مقصد محض حاکم کے روبرو پیش ہو کر رحم و کرم کی التجا کرنا ہے۔ محمد علی نے شوروغل سنا تو بھاگ کر ان کے سامنے آیا اور تلخ لہجہ میں سب کو خاموش کر کے بولا:

" اب تم اس آخری وقت میں شیخ اور راہنماؤں کو موت کا شکار ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ اب تمہارا معافی کا خواستگار ہونا بے کار ہے۔ حاکم تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ میں مالیہ اکٹھا کرنے پر مقرر ہوا ہوں اور تم نے مجھے اب تک مالیہ ادا نہیں کیا۔"

محمد علی کے عقب میں ایک غلام کھڑا تھا جس کے پاس طشت اور تلوار تھے۔ تلوار کی چمک دمک آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہی تھی اور اسے دیکھ کر لوگوں کے دل سینوں میں گھٹ کر رہ گئے تھے۔ سب سہمے سہمے سے کھڑے تھے اور محمد علی کی منت و سماجت کر رہے تھے۔ وہ ایک آدھ گھنٹہ کی مہلت چاہتے تھے تاکہ مالیہ کا دوگنا روپیہ جمع کر سکیں لیکن محمد علی کسی طرح نہ مانتا تھا۔ عاجزی، منت و سماجت اور انکار کا سلسلہ جاری

تھا کہ محل کی ایک کھڑکی کھول کر خسرو پاشا نے بلند آواز سے کہا:

"محمد علی! اب کسی کے قتل کی ضرورت نہیں رہی تمہیں روپیہ مل جائے گا۔ ذرا رُک جاؤ اور بروستا کے لوگو! تم بھی ٹھہر جانا۔ میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

گو محمد علی، خسرو پاشا کے ان الفاظ سے کچھ بھی نہ سمجھ سکا تھا لیکن خسرو کو دیکھ کر اور اس کی آواز سُن کر اس پر گھبراہٹ کے جذبات طاری ہو گئے اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اسی لمحہ محمد علی نے جوہرہ کو محل سے آتے دیکھا تو دل مسوس کر رہ گیا۔ غم و غصہ نے اس کی حالت غیر کر دی اور وہ دل ہی دل میں کہنے لگا۔ افسوس یہ لڑکی جوہرہ کس قدر بے وفا ہے۔ ابھی پورے چوبیں گھنٹے بھی نہیں گذرے۔ جب اس نے قسم کھائی تھی کہ میرے سوا کوئی دوسرا اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے گا لیکن میں دیکھ چکا ہوں کہ اس نے اپنی قسم کا احترام نہیں کیا۔ میں سمجھتا تھا لوگ میری طرح اپنی قسم کو کبھی نہیں توڑتے لیکن مشاہدہ لوگوں کی عہد شکنی کو بے نقاب کرتا ہے۔ اف میری محبت جوان ہونے سے پہلے ہی مر گئی۔ میں نے اپنی والدہ مرحومہ کے رُوبرو قسم کھائی تھی کہ زندگی بھر لوگوں سے انتقام لیتا رہوں گا لیکن جوہرہ سے ملاقات کے بعد میرے خیالات میں تبدیلی آ رہی تھی۔ اب پھر میرے مشاہدہ اور تجربے نے مجھے ہوشیار کر دیا ہے۔ اب میں کسی کے فریب میں نہ آؤں گا اور زندگی بھر انتقام کی آگ میرے سینے میں جلتی رہے گی۔ محمد علی اپنے خیالات میں کھویا رہا۔

جوہرہ نے پنجرہ کے قریب جا کر جس میں اس کا والد اسیر تھا مسرت بھرے لہجہ میں کہا:

"ابّا جان! خوش ہو جائیے۔ خدا نے آپ کو رہائی بخشی ہے۔ آپ کے تینوں رفیق بھی . . . . ."

جوہرہ نے اپنا فقرہ پورا نہ کیا تھا کہ محمد علی نے پنجرہ کے قریب پہنچ کر اسے پوری قوت سے دور ہٹانا چاہا۔ جوہرہ سنبھل نہ سکی۔ زمین پر آ رہی اور خاموش رہ کر حسرت بھری، رحم طلب نگاہوں سے اسے دیکھنے میں محو ہو گئی۔ محمد علی اس کی نگاہوں کی

تاب نہ لا سکا اور چہرے کو دوسری طرف کر کے بولا:

"خدا بے وفاؤں اور بے ایمانوں کو سزا دے۔ انہیں جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ میں عشق و محبت پر انتقام کو ترجیح دیتا ہوں۔ بے شک میرا شمار عشاق میں ہے مگر میں ایسا عاشق نہیں ہوں جو انتقام کو فراموش کر دے۔"

خسرو محل سے برآمد ہوا تو حسان شنوزبہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ خسرو نے ایک بیش قیمت لباس پہن رکھا تھا اور اس کے سینہ پر آویزاں جواہر چمک رہے تھے۔ وہ آگے بڑھ کر اہل بروستا کے ہجوم میں آیا اور اُن سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ کچھ دیر لوگ خسرو پاشا زندہ باد، ہمارا محسن خسرو پاشا زندہ باد، قیدیوں کو رہا کرانے والا خسرو پاشا زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے قیدیوں کی طرف بڑھنے لگے اور خسرو پاشا انہیں مسکرا کر دیکھتا رہا۔

لوگ قیدیوں کے پنجرہ کے قریب پہنچے تو محمد علی غصہ سے بولا:

"لوگو! میری سمجھ میں تمہاری خوشی کی وجہ نہیں آئی۔ مجھے اب تک کسی نے روپیہ ادا نہیں کیا۔ اس لئے میں چند لمحوں بعد قیدیوں کو ضرور قتل کر دوں گا۔ تمہارے یہ نعرے کسی کام نہ آئیں گے۔"

ایک شخص نے آگے آ کر خسرو کا دیا ہوا روپیہ محمد علی کی طرف بڑھایا اور کہا۔ "بے رحم انسان! لے اپنا روپیہ سنبھال۔"

"میں روپیہ تمہارے ہاتھ سے قبول نہ کروں گا، اسے طشت پر ڈالو۔ یہ خراج نہیں فدیہ ہو گیا ہے۔" محمد علی نے کہا اور پھر چند لمحوں بعد ان دیناروں پر اپنی نظریں جما دیں جو طشت پر گن گن کر رکھے جا رہے تھے۔ دینار رکھے گئے تو محمد علی نے جوہرہ کو ترچھی نظر سے دیکھ کر کہا۔ "لڑکی! خدا تیرے گناہ سے درگزر کرے۔ تو نے اپنی عزت و آبرو سستے داموں نیلام کر دی۔ افسوس! میں اسے بیش قیمت شے سمجھے بیٹھا تھا۔"

جوہرہ نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی انتہائی کوشش کی اور محمد علی کو درد بھرے انداز سے دیکھتی ہوئی اس کی طرف قدم بڑھایا۔ محمد علی نے اسے اپنے قریب آنے سے روک کر کہا۔

"اے مکار، عہد شکن لڑکی! تو چند گھنٹے پہلے کھائی ہوئی قسم کو توڑ کر گناہ عظیم کی مرتکب ہو چکی ہے۔ اب تو دوبارہ مجھے دھوکہ دینا چاہتی ہے۔ جا میری نظروں سے دور ہو جا۔"
اور محمد علی نے جوہرہ کو پرے دھکیل دیا۔ اگر عثمان نے قریب آ کر جوہرہ کو سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ یقیناً زمین پر گر پڑتی۔ عثمان نے جوہرہ سے سرگوشی کی: "جوہرہ! یہ غصہ کے عالم میں ہیں۔ انہیں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں اُن کی غلط فہمی دور کر کے انہیں راہِ راست پر لے آؤں گا۔"

"کیا آپ کل اور آج کے صحیح واقعات سے واقف ہیں؟"

"میں سب کچھ جانتا ہوں مگر اس وقت خاموشی بہتر ہے کیونکہ ہم لوگوں کی نظروں میں ہیں۔ شام تک میرے پیغام کی منتظر رہنا۔"

یہ واقعہ اس قدر مختصر عرصہ میں ہوا کہ لوگ بالکل بے خبر رہے۔

محمد علی نے دینار سنبھال کر جیسے ہی قیدیوں کے پنجرے کو کھولا۔ جوہرہ داخل ہو کر باپ سے گلے ملی۔ باپ نے دلجوئی کی اور اسے لے کر باہر آ گیا۔ تینوں رہنما بھی ان کے پیچھے پیچھے پنجرہ سے باہر آ گئے۔ لوگوں نے خوشی کے نعرے بلند کر کے قیدیوں کا استقبال کیا۔ شیخ نے اشارے سے خاموشی کی تلقین کی۔ سب خاموش ہو گئے تو وہ بولا: "ہمیں نجات دلا کر تم نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی چلائی ہے اور ہمیں بھی نقصان پہنچایا ہے۔ ہم غیروں کا احسان مند ہونے پر موت کو پسند کرتے تھے لیکن اپنی غلطی سے اب تم دوسروں کے اسیرِ کرم اور دائمی غلام بن گئے ہو۔"

خسرو پاشا نے بڑے فخر سے آگے آ کر کہا: "بروستا کے شیخ کو اپنی رہائی پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور میری دی ہوئی مدد کو شک و شبہ کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ میں نے اُسے ذلیل ہوتے اور اس کی پاکدامن لڑکی کو آنسو بہاتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کیا۔"

پھر خسرو نے محمد علی کی طرف رُخ کر کے اسے رنج و غم کے گرداب میں پھنستے ہوئے دیکھ کر کہا: "حاکم نے اس سال دوگنا مالیہ میرے اور میرے رفیقوں کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے وصول کیا تھا۔ اس لئے میرا فرض ہو جاتا تھا کہ تمہیں قتل ہونے سے بچا لوں۔

میں جلد ہی واپس جا رہا ہوں۔ دوبارہ میرے بروستا آنے کا کوئی امکان نہیں۔ میں بروستا کے شیخ کو ان کی سلامتی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اُس کی خوشحالی کے لئے دعاگو ہوں۔"

لوگوں نے جوشِ مسرت میں کافی دیر تک خسرو پاشا زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے اور عثمان کے سوا کوئی بھی محمد علی کے الفاظ کو نہ سن سکا جو بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔

"خسرو پاشا پر خدا کی لعنت.... خسرو پاشا مردہ باد.... میرا دشمن جہنم رسید ہو....."

محمد علی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ عثمان اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولا:

"بھائی میرے خاموشی اختیار کرو۔ صبر و تحمل سے کام لو۔ ممکن ہے جلد ہی حالات کا رُخ بدل جائے اور تمہاری بہتری کی کوئی صورت نکل آئے۔"

اہل بروستا نے اپنے شیخ کو کندھوں پر اٹھا کر اپنی راہ لی تو جوہرہ بھی ان کے ہمراہ چلی گئی۔ محمد علی ان پر نگاہیں گاڑ کر بولا۔ "تمہارا خیال صحیح نہیں۔ میں جانتا ہوں۔ میرے لئے زمانہ کے پاس رنج و غم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے زندگی بدنصیبی کے سوا کچھ بھی نہیں پیش کر سکتی۔ اب میری زندگی کا نصب العین انتقام اور محض انتقام ہے۔ افسوس.... صد افسوس!"

"براہ کرم میری خاطر غصہ تھوک دو۔ والد اور خسرو لوگوں کو الوداع کہہ کر ہمارے پاس آیا چاہتے ہیں۔ خسرو نے تمہیں اس معاملہ میں شکست دی ہے۔ اس لئے نہایت خوش و خرم ہے۔ اس وقت تمہیں ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیئے جو اس کی مسرت کو دوچند کر دے۔"

"تم نے سچ کہا۔ میں اُسے اپنی شکست سے مطلع کرنا نہیں چاہتا۔ میں اسے ایک روز اپنے انتقام کا شکار بناؤں گا۔" یہ کہہ کر محمد علی بادلِ نخواستہ مسکرایا اور حاکم کے ہمراہیوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے چند قدم آگے آ گیا۔

حاکم حسان شوربجی نے سب سے پہلے محمد علی کی شجاعت و دلیری کو سراہا۔ پھر حکومت کے وقار کی حفاظت کی خاطر ایک فوجی دستہ مرتب کرنے کا اظہار کیا۔ حاکم کی رائے تھی کہ اس دستہ میں ہر علاقہ کے لوگوں کو شامل کیا جائے اور اس کا صدر مقام قوالہ ہو۔ آخر

میں حاکم نے محمد علی کی خدمات کے بدلے میں اُسے بلک باشی (میجر) کا عہدہ دیا۔ نئے دستے کی تشکیل کا کام اُسی کے سپرد کیا اور ہدایت کی کہ خزانچی کے پاس جاکر اپنی خاص وردی تیار کرالے۔

محمد علی نے حاکم کے الفاظ سنے تو بہت خوش ہوا اور خیال ہی خیال میں خود اپنے ساتھیوں کے آگے قدم بڑھاتے ہوئے انتقام لینے کے لئے اپنے آپ کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے حاکم کا شکریہ ادا کیا۔ عثمان نے بلک باشی کا عہدہ ملنے پر اپنے دوست کو مبارک باد دی اور اپنی وہ طلائی تلوار پیش کرنے کا اعلان کیا جو اُسے صدر اعظم نے عطا کی تھی۔ پھر اس نے محمد علی سے کہا کہ اب اُس میں کھڑے ہونے کی سکت باقی نہیں رہی۔ اس لئے وہ اس کے ہمراہ قصر میں چل کر آرام کرے کیونکہ وہ بھی شب بیداری اور دن بھر کی بھاگ دوڑ سے تھک گیا ہوگا۔ حاکم کے خیال میں سب کے جسم و ذہن تھک چکے تھے اس لئے سب کو آرام کی ضرورت تھی۔ خسرو پاشا کا خیال تھا کہ اس کامیابی پر ہم سب لوگ خوش ہیں لیکن محمد علی کو کوئی خوشی حاصل نہیں ہوئی کیونکہ حقدار نہ ہوتے ہوئے بھی آسانی سے ہاتھ آتے ہوئے اُس بڑے عہدہ کے حصول پر فخر کرنے کی بجائے وہ ہم سب کو قہر بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ خسرو کے طنز پر محمد علی خاموش نہ رہ سکا۔ اُسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھ کر بولا:

"میں اس وقت انتہائی مسرور ہوں۔ چہرے کے تفکرات کا باعث محض یہ ہے کہ میں ان بڑے عظیم المرتبت عہدہ داروں کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو دغا و فریب، مکاری و ریاکاری، جعل سازی اور غلامی کے بل بوتے پر خود تو بڑے بڑے عہدے دبائے بیٹھے ہیں اور بے چارے شریف، غیرت مند اور مستحق انسان در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔"

خسرو پاشا نے جواب دیا۔ "میں تمہاری ان فضول باتوں کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

پھر خسرو نے حاکم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بارہا میں نے چاہا کہ تمہاری اور عثمان کی معیت میں اپنے وقت کو خوش گپیوں میں

گزاروں لیکن ہر بار اُس بے رحم غلام نے میری اس خواہش کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ یہ کم ظرف پہلے ہی سے کچھ کم ظالم نہ تھا۔ اب تمہاری مہربانی سے اسے ایک عہدہ بھی مل گیا ہے۔ اس لئے اب اس کے ظلم وجور کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ میرا خیال ہے کہ عہدہ دار ہونے کی مسرت نے اس کمینہ صفت انسان کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب کر لی ہیں اور یہ پاگلوں کی طرح احمقانہ باتیں کر رہا ہے۔"

محمد علی نے خسرو پر آتی تیز تیز گرم نگاہیں جما کر کہا۔ "میری باتوں کا مطلب واضح ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تم انہیں سمجھنا نہیں چاہتے۔" پھر محمد علی نے حاکم اور عثمان سے اجازت طلب کی اور آرام کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔

خسرو پاشا اُسے کھا جانے والی نگاہوں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بغض و حسد نے اس کی حالت غیر کر رکھی تھی۔ وہ بولا:

"یہ ناہنجار ہمیشہ میری ذات پر طنز کرتا رہتا ہے اور میں محض تمہاری وجہ سے خاموش رہتا ہوں۔ خدا کی قسم اگر یہ اس وقت چلا نہ جاتا تو آج میں اُسے اپنی بے عزتی کا مزہ چکھا کر رہتا۔ خیر آئندہ اس نے میرے منہ آنے کی جرأت کی تو میں اُسے کبھی معاف نہ کروں گا۔ اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور یہ اپنی غلطیوں پر اس وقت پشیمان ہو گا۔ جب پشیمانی کا موقع گزر چکا ہو گا اور اُسے کوئی بھی میرے فولادی پنجہ سے بچا نہ سکے گا۔"

(۲۰)

جوہرہ کا پیغام

لوگ اپنے نمبردار اور رہنما دس کو لے کر شہر گئے اور ایک بڑی حویلی میں جشن مسرت منعقد کیا۔ سب نے خسرو پاشا کی مہربانی، حاکم کے برتاؤ اور عثمان کی رحمدلی کو سراہا اور محمد علی کو بُرے الفاظ سے یاد کیا۔ لوگ ان دنوں کو یاد کرکے افسوس کر رہے تھے جب وہ محمد علی کو اپنے شہر میں لاکر جہازرانی اور مچھلیوں کا شکار سکھایا کرتے تھے اور اکثر اس کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ محمد علی لوگوں کی باتوں سے ناواقف تھا۔ اگر وہ لوگوں کے دلوں کا حال جان لیتا تو بھی کوئی پرواہ نہ کرتا کیونکہ وہ اس وقت اپنے ہی غموں کے سیلاب میں بہہ رہا تھا اور اسے کسی دوسری طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی۔ وہ عثمان کو الوداع کہہ کر پہاڑ کی چوٹی پر آگیا اور غموں، سسکیوں اور آہوں کے چنگل میں گرفتار ہوکر جوہرہ کی بے وفائی پر غور کرنے لگا۔ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا اور وہ اپنی زندگی سے نفرت کرنے لگا تھا۔ اس نے سوچا۔ میں جوہرہ کی محبت کو اپنے دل سے نوچ کر پھینک دوں گا۔ جوہرہ کی آرزو کو اپنے ہاتھوں سے دفن کر دوں گا۔ جوہرہ نے اپنی ماں کی قسم کھائی تھی کہ میرے سوا کوئی دوسرا اس کے چہرے کو نہ دیکھے گا لیکن افسوس اُس نے اپنی قسم کا احترام نہ کیا میری امانت میں خیانت کی۔ میں اسے نیکی کا فرشتہ سمجھتا تھا لیکن وہ تو مکروفریب کی چڑیل ثابت ہوئی جو مجھے تکلیف پہنچانے کے لئے نازل ہوئی تھی۔ آہ! میں کس قدر بدقسمت ہوں۔ میں جوہرہ کو کیونکر فراموش کر سکتا ہوں۔ گو میں دن بھر دنیاوی مصروفیات میں اس کے خیال کو اپنے دل سے دور رکھوں گا لیکن رات کی تنہائیوں میں اس کی یاد مجھے چین نہ لینے دے گی۔ میں رات بھر انگاروں پر لوٹتا رہوں گا۔ آہ، بے وفا جوہرہ! محمد علی نے ایک ہی دن میں تصویر کے دو رُخ دیکھے تھے۔ طلوع آفتاب نے اسے مسرت کا پیام

دیا تھا تو غروب آفتاب نے اُسے تمناؤں کی بربادی سے مطلع کیا تھا۔ اُسے صبح جس قدر خوشی ہوئی تھی اب اسی قدر تکلیف ہو رہی تھی اور وہ درد سے تڑپ رہا تھا۔

واقعات کے بہاؤ نے اُسے ایک نیا انسان بنا دیا تھا۔ صبح کے وقت جوہرہ کے قدموں نے جس زمین کو سرفراز فرمایا تھا۔ محمد علی گر کر اُس زمین کو چوم چوم کر رونے لگا۔ زمین کو بار بار چومتے اور چیختے چلاتے ہوئے ابھی اُسے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اُس نے اپنے قریب سے ایک نئی آواز سنی۔

کسی نے کہا :

"محمد علی! مرد آنسو نہیں بہایا کرتے۔"

محمد علی نے دیکھا تو ایک سفید پوش اس کے قریب کھڑا تھا۔ اُس نے جواب دیا۔

"اے سفید پوش! میں تباہ و برباد ہو چکا ہوں۔ اس لئے اب میرے دامن میں آنسوؤں کے سوا کچھ بھی نہیں رہا۔"

"میں نے کئی لوگوں کو تم سے زیادہ غمگین دیکھا ہے لیکن اُن میں سے کوئی بھی آنسو نہ بہا رہا تھا۔ میں ایک ایسی باعصمت لڑکی سے واقف ہوں جسے ایک مرد سے محبت ہے جو اپنی زندگی کو اُس کے لئے وقف کر چکی ہے جو مرد کو اپنا مجازی خدا مان چکی ہے لیکن افسوس ابھی ایک مکمل دن بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ مرد نے لڑکی کو بدگمانی کی نظر سے دیکھا۔ اس پر بے وفائی کا الزام لگایا اور خواہ مخواہ اس کی پاکدامنی پر شبہ کیا۔"

"اگر کوئی لڑکی تمہاری بیان کی ہوئی صفات کی حامل ہے اور تم اسے دیکھ چکے ہو۔ تو تمہاری خوش قسمتی پر جس قدر رشک کیا جائے کم ہے لیکن میں کسی ایسی لڑکی سے واقف نہیں ہوں جو بے غیرت، بے حیا، فریبی اور بے ایمان نہ ہو۔"

"میں متعجب ہوں کہ تم اس حور چہرہ، پاکدامن اور باحیا لڑکی سے کیونکر واقف نہیں ہو جسے جوہرہ کہتے ہیں۔"

یہ سن کر محمد علی کو قدرے مسرت ہوئی۔ اُس نے آہستہ سے جوہرہ .... جوہرہ .... کہا۔ پھر جلد ہی اُسے غصہ آ گیا اور وہ چلّا کر بولا :

"اے ہاتف! تو شدید غلط فہمی میں مبتلا ہے تو جسے باعصمت اور باوفا کہہ رہا ہے۔ وہ مکر و فریب اور بے غیرتی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ یہ سنی سنائی باتیں نہیں۔ میری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے۔ میں خود اس کا زخم خوردہ ہوں۔ تم مجھے اس کی پاکدامنی کا یقین نہیں دلا سکتے۔ اب مجھے کوئی بھی دھوکہ نہیں دے سکتا۔"

گفتگو کے اس مرحلہ پر سفید پوش نے اپنے چہرے کو بے نقاب کیا تو محمد علی نے دیکھا کہ اس کی نظروں کے سامنے ایک جوان عورت کھڑی ہے۔ عورت نے کہا۔

"میری درخواست ہے کہ تم اپنے رویّہ پر نظرِ ثانی کرو اور اس لڑکی کو زندگی بخشو جو مجھے اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ میں جمیلہ ہوں اور مجھے جوہرہ کی خادمہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ جوہرہ کی ماں اپنی موت کے وقت جوہرہ کو میرے سپرد کر گئی تھی اور میں نے اُس وقت قسم کھائی تھی کہ جوہرہ کی دیکھ بھال میں غفلت نہ کروں گی اور اُسے دنیا کی ہر برائی سے بچاتی رہوں گی۔ میں نے اس روز سے آج تک اپنی قسم کا احترام کیا ہے۔ آج جب بروستا کے لوگ لوٹ کر خوشیاں منا رہے تھے تو میں نے جوہرہ کو الگ تھلگ کمرے میں بیٹھی آنسو بہاتے دیکھا۔ وہ موت کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ میں نے اسے اس حال میں دیکھا تو تسلی دی اور اپنی مدد کا یقین دلا کر آنسو بہانے کی وجہ پوچھی۔ پہلے تو وہ ٹالتی رہی۔ پھر میرے اصرار پر ضبط نہ کر سکی اور مجھ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اُن تمام واقعات کو بیان کر دیا جو آج طلوعِ آفتاب سے قبل تا غروبِ آفتاب کے بعد تک پیش آئے تھے۔ میں تم دونوں کی سچی محبت سے واقف ہو چکی ہوں اور اس کے رُوبرو قسم کھا چکی ہوں کہ اس کے راز کو کبھی افشا نہ کروں گی اور اس کی محبت کو کامیاب بنانے کے لئے پوری کوشش کروں گی۔ حتیٰ کہ میں خود قاصد کے فرائض سرانجام دوں گی اور اُس کے محبوب کے پاس جاؤں گی۔"۔۔۔۔

محمد علی نے فوراً کہا ـــ "تم غلط جگہ آ گئی ہو۔ تمہیں جوہرہ کے محبوب سے ملنے حسان شوربجی کے قصر میں جانا چاہیئے تھا۔ وہ تمہیں شاندار مسند بچھائے تکیہ لگا کر بیگمات کے درمیان بیٹھا ہوا نظر آئے گا۔ بیگمات کے اس جھرمٹ میں جلد ہی تمہاری بیٹی بھی شامل

ہو جائے گی۔ تم فوراً وہاں پہنچو اور اسے اپنی بیٹی کا پیغام دو۔ وہ تمہاری آمد پہ اظہارِ مسرت کرے گا اور تمہیں انعام واکرام سے بھی مالا مال کر دے گا۔"

"میں جوہرہ کے محبوب سے بخوبی واقف ہوں اور اس کا پیغام پہنچانے صحیح آدمی کے پاس آئی ہوں۔ وہ جانتی تھی کہ تم اسی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھے ہوگے اور صبح کی ملاقات کو یاد کرکے آنسو بہا بہا کر اس کے نام پر لعنت بھیج رہے ہوگے۔ میں اس کی حسب ہدایت یہاں پہنچی تو تم واقعی اس کی بتائی ہوئی جگہ بیٹھے ہوئے آنسو بہا بہا کر اپنا بُرا حال کر رہے تھے۔ واقعی محبت کرنے والوں کی نگاہیں تیز ہوتی ہیں اور وہ ایسی چیزیں بھی دیکھ لیتے ہیں جو دوسروں کو نظر نہیں آتیں۔ محمد علی سنو۔ میں تمہیں جوہرہ کا خاص پیغام دینے آئی ہوں وہ جب سے گھر پہنچی ہے مسلسل رونے دھونے میں مصروف ہے۔ اُس نے قسم کھائی ہے کہ اگر اس بڑے خطرے سے جو اُسے درپیش ہے۔ بچاؤ کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تو آج رات اپنے آپ کو سمندر کی لہروں کے سپرد کر دے گی اور اس دنیا سے اس طرح منہ موڑے گی جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔ اگر تم اس کی درخواست کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں حالات سے مطلع کروں۔"

محمد علی نے قدرے ہچکچا کر کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں لیکن یاد رہے اگر تم نے مجھے باتوں کے الجھاؤ میں لا کر کسی قسم کا دھوکہ دینا چاہا تو میں تمہیں کبھی معاف نہ کروں گا۔ میرے انتقام کی آگ تمہیں جلا کر خاک کر دے گی۔"

"کچھ دیر بعد تم خود میری سچائی کی داد دو گے۔ ہاں ذرا میرے قریب تو آنا کیونکہ جوہرہ کا پیغام انتہائی اہم اور پوشیدہ ہے اور اس سلسلہ میں انتہائی رازداری کی ضرورت ہے۔"

یہ کہتے ہی جمیلہ، محمد علی کے قریب ہو گئی اور اُس کے کان سے اپنا منہ لگا کر آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگی۔ جمیلہ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ بات کی اہمیت واضح کر رہا تھا جسے سن کر محمد علی کا چہرہ گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا تھا۔ کبھی اُس کے چہرے پر زردی اُبھر آتی تھی تو کبھی سرخی رقصاں دکھائی دیتی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں غصّہ کی چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ جمیلہ کی بات جاری تھی کہ آہستہ آہستہ محمد علی کی حالت میں تبدیلی ہونے لگی اور مسرت وشادمانی کے

جذبات چہرے پر ناچنے لگے۔ پھر جب جمیلہ نے اپنی بات کو مکمل کر کے اپنے منہ کو الگ کیا تو محمد علی کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس کے چہرے پر رونق آگئی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ چیخ کر اپنی مسرت کا اعلان کرے لیکن اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو روکا اور یوں ہاتھ پھیلا دیئے جیسے اُس کی صبح والی پاکدامن اور مخلص محبوبہ اس کی سمت چلی آرہی ہو اور وہ اسے اپنے آغوش میں سمیٹنا چاہتا ہو۔ قدرے توقف کے بعد محمد علی نے اپنے دل سے کہا۔ آہ! یہ دنیا کس قدر حسین ہے۔ کس قدر عجیب وغریب ہے۔ اسرار ورموز کا ایک مجموعہ۔ کبھی دوزخ، کبھی بہشت اور میں کس قدر خوش قسمت ہوں۔ میں بہشت کو پالوں گا۔ بہشت میری ہوگی اور میں لوگوں کے اس اعتقاد کو غلط ثابت کر دوں گا کہ بہشت موت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

محمد علی کچھ دیر اپنے دل سے محوِ تکلّم رہا۔ پھر جمیلہ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "اے اچھے پیغامبر! آج صبح میں اور جوہرہ اسی جگہ کھڑے ہو کر باہمی محبت اور وفاشعاری کے عہدوپیمان باندھ چکے ہیں۔ اس لیۓ میں اس جگہ کو مقدّس سمجھتا ہوں۔ میں نے اسی مقام پر بلندی و برتری حاصل کی تھی اور اسی جگہ اپنی ناکامی ونامرادی پر رویا تھا۔ آہ! آج مجھے بہت دکھ ہوا لیکن یہ میری ہی بدگمانی کا نتیجہ تھا۔ میں کس قدر بے وقوف ثابت ہوا۔ میں اپنی جلد بازی پر شرمندہ ہوں اور جوہرہ سے معافی کا طلبگار ہوں۔ میں جلد ہی اپنی غلطی پر نادم ہونے کا عملی ثبوت دوں گا۔ جوہرہ میری زندگی کی مالک ہوگی۔ میں زندگی بھر جوہرہ سے پیار کرتا رہوں گا۔ اے جمیلہ جا اور جوہرہ کو میرا پیغام محبت پہنچا دے۔"

❁

۲۱

فراری

بروستا کے لوگ اپنے شیخ کی رہائی سے بڑے خوش تھے۔ اس لئے دن بھر جشن مسرت مناتے رہے۔ شام کے وقت لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ شیخ عشاء کے قریب لوگوں سے رخصت ہوکر اپنے گھر پہنچا۔ سب سے پہلے نماز پڑھی اور آرام کرنے سے قبل اپنی بیٹی جوہرہ سے ملاقات کے لئے اس کے کمرے کی سمت چلا۔ جوہرہ کے کمرے کے سامنے پہنچا تو جوہرہ کی خادمہ جمیلہ دروازے پر کھڑی نظر آئی۔ جمیلہ نے شیخ کو اشارے سے سمجھایا کہ جوہرہ آرام کر رہی ہے۔ اس لئے وہ ہولے ہولے قدم اٹھائے تاکہ کسی قسم کی آہٹ سے جوہرہ کی نیند میں خلل نہ پڑے جمیلہ نے چند قدم آگے بڑھ کر شیخ سے مخاطب ہوکر آہستہ سے کہا۔

"جوہرہ گذشتہ کئی روز سے انتہائی پریشان رہی ہے۔ اس لئے اس کے قویٰ انتہائی کمزور ہو چکے ہیں۔ اس وقت اسے آرام کی شدید ضرورت ہے۔ اُس نے سونے سے پہلے مجھے کہا تھا کہ میں آپ کا انتظار کرتی رہوں۔ آپ تشریف لے آئیں تو اس کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام اور معذرت پیش کروں۔ آقا! آپ تو واقف ہی ہیں کہ گذشتہ کل کا دن وہ مسلسل روتی رہی ہے اور اس قدر بے چین رہی ہے کہ اس وقت بھی بھوکی سو رہی ہے۔ اس وقت آپ اُسے آرام کرنے دیں۔ صبح کے وقت جب میں اُسے بیدار کروں گی تو وہ خود ہی آپ کے لئے قہوہ اور حقہ لے کر حاضر خدمت ہوگی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ جوہرہ کو آرام کی ضرورت ہے۔ اُسے اطمینان سے سونے دو۔ جب تک خود بیدار نہ ہو اُسے کوئی بھی نہ جگائے۔ اب ہم سب کو اطمینان سے سو جانا چاہئے اگر تمہارے بیدار ہونے سے قبل میری آنکھ کھل گئی تو میں خود ہی اپنی بیٹی کو آکر دیکھ جاؤں گا۔"

شیخ نے کہا اور ہولے ہولے قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی سمت چلا گیا۔ جلد ہی شیخ کے مکان میں خاموشی چھا گئی۔ اس وقت پورا بروستا شہر خموشاں بن گیا تھا۔ کیونکہ گذشتہ دو روز کے واقعات نے اہل شہر کو اس قدر تھکا دیا تھا کہ اس وقت سب بڑے اطمینان سے خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

قوالہ میں بھی ہنگامے سرد پڑ چکے تھے اور رات کی گہری تاریکی نے قوالہ کو خاموشی کی چادر اوڑھا رکھی تھی۔ قوالہ بھر میں کسی مکان میں زندگی کے آثار نظر آ رہے تھے تو وہ صرف حاکم کا قصر تھا۔ خسرو پاشا کی آرام گاہ کے ایک جھروکے سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ خسرو پاشا بیدار تھا اور میز کے کنارے کھڑا ہوا کسی خیال میں کھویا ہوا تھا۔ میز پر چاندی کے شمع دان میں ایک شمع جگمگا رہی تھی جس کی روشنی میں خسرو پاشا کا متفکر چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اُس کی بے چینی کی کوئی حد نہ رہی تھی اور وہ دیوانہ وار کمرے میں ٹہلتا ہوا اُس لڑکی کا منتظر تھا جسے اس کے باپ کی رہائی کے صلہ میں خرید چکا تھا۔ ذرا سی آہٹ پا کر اُس کے کان کھڑے ہو جاتے تھے اور وہ بھاگ کر اس اُمید پر جھروکے کے قریب آ جاتا تھا کہ وہ حسب وعدہ آ گئی ہے لیکن جب اسے نا اُمیدی ہوتی اور لڑکی کی صورت نظر نہ آتی تو وہ لڑکی کی آمد میں تاخیر پر غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگتا اور اپنے دل کو یہ کہہ کر تسکین دینے کی کوشش کرتا کہ اس نے اپنی ماں کی قسم کھا کر آنے کا عہد کیا تھا اس لئے وہ اپنی قسم کو کسی صورت نہ توڑے گی۔ جب شدید انتظار نے اسے تھکا دیا تو اس نے کھڑکی کھول دی اور بیٹھ کر راہ پر نظریں جما لیں تا کہ ابھی وہ کافی فاصلہ پر ہی ہو تو یہ اس کی آمد سے مطلع ہو جائے۔

جلد ہی ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور شمع گل کر کے اُس کے غصہ کی آگ کو اور بھی بھڑکا گیا۔ خسرو پاشا نے دل ہی دل میں سوچا۔ اگر لڑکی نے اپنا وعدہ ایفا نہ کیا تو میں اسے وعدہ خلافی کا مزہ چکھاؤں گا۔ میں صبح ہی اپنے غلاموں کے ہمراہ شیخ بروستا کے مکان پر پہنچوں گا اور مکان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اس بے وفا کو اپنے قبضہ میں کروں گا۔ میں اُسے قیمت ادا کر کے خرید چکا ہوں۔ میں اُس کا آقا ہوں۔ اُس لونڈی کی کیا مجال ہے کہ میرے منہ آ سکے۔ میں اُس سے کہہ چکا تھا کہ وہ میری آقا بن کر مجھ پر حکمرانی کرے گی لیکن اب میں اس پر ثابت کروں گا

کہ وہ محض میری مملوک اور لونڈی کی حیثیت سے زندہ رہ سکتی ہے۔ خسرو پاشا اپنے دل سے تو یہ باتیں کر رہا لیکن اسے اب بھی یقین تھا کہ جوہرہ اگلے چند لمحوں بعد سامنے سے آتی ہوئی نظر آجائے گی۔ نسیم بادِ بہاری کے ہر جھونکے پر اُسے جوہرہ کی آمد کا گمان ہوتا تھا اور وہ ہر بار مایوس ہو کر رہ جاتا تھا۔ حتیٰ کہ اُس کی قوتِ برداشت جواب دے گئی اور وہ اس بھوکے بھیڑیئے کی طرح جس کا شکار بچ کر نکل گیا ہو غصہ سے کانپنے لگا۔ اسی حالت میں وقت دبے پاؤں گزرتا رہا۔ حتیٰ کہ صبح کی سپیدی نے جھانکنا شروع کر دیا اور مشرق کے شہنشاہ کے ہراول دستوں نے انجم کی فوجوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ خسرو پاشا کے کانوں میں قدموں کی چاپ آئی اور وہ بڑے ذوق و شوق سے بھاگ کر آگے آیا۔ اس نے دیکھا کہ دو خواجہ سراؤں میں سے جو باغیچہ کے دروازہ پر جوہرہ کے انتظار پر مامور تھے ایک اُس کی سمت بڑھا آ رہا تھا۔ خسرو نے اُسے دیکھتے ہی چلاّ کر پوچھا:

"کیا بات ہے؟"

"حضور! اب تک کوئی نہیں آیا۔ دُور دُور تک راستہ سُونا پڑا ہے۔ کیا مجھے اب بھی منتظر رہنے کا حکم دیا جاتا ہے؟"

خسرو پاشا اپنے غصہ پر قابو پا کر بولا:

"اب کسی کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ تم حرم سرا میں اپنی خدمت پر چلے جاؤ۔ یقیناً اس لڑکی کو میری بات سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ آنے والی کل کی رات کو وعدہ کی شب سمجھ بیٹھی ہے۔"

خواجہ سرا جھکا اور سلام کر کے پاشا کی ناکامی پر مسکراتا ہوا اپنے ساتھی کے قریب آ کر بولا:

"ہمارا پاشا سارات بھر بیدار رہ کر انگاروں پر لوٹتا رہا ہے۔ وہ لڑکی اسے بیوقوف بنانے میں پوری طرح کامیاب رہی ہے۔"

یہ سُن کر دوسرے خواجہ سرا کو خوشی ہوئی اور وہ بھی مسکراتے بنا نہ رہ سکا۔ اُسے اس بات پر مسرت ہو رہی تھی کہ آج کی رات پاشا اور ان دونوں میں بیدار رہ کر رات بسر کرنے میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا تھا۔

مشرق کا شہنشاہ گردوں کے تخت پر رونق افروز ہوا تو لوگ بیدار ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ شیخ بردستا کی آنکھ کھلی تو وہ بھی اٹھ کر اپنی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ وہ منتظر تھا کہ جوہرہ قہوہ لے کر آئے تو اس سے دو دو باتیں کر کے گھر سے باہر کی راہ لے۔ شیخ کو خلافِ معمول آج انتظار کرتے کرتے دیر ہو گئی اور جوہرہ کی صورت نظر نہ آئی تو وہ اپنی بیٹی کو دیکھنے کے شوق میں اپنی چارپائی سے اٹھ کر اس کے کمرے کی جانب روانہ ہوا اور دروازے پر پہنچ کر اپنی بیٹی کو پکارنے لگا مگر کمرے سے کوئی جواب نہ ملا۔ شیخ نے کمرے میں داخل ہو کر دیکھا تو کمرہ خالی تھا اور جوہرہ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ یہ دیکھ کر شیخ کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ پھر اس نے سوچا، شاید جوہرہ قہوہ تیار کر رہی ہو۔ اسے دور ہی سے پکارتا ہوا وہ صحن میں آگیا لیکن جوہرہ یہاں بھی نہ تھی۔ فوراً ہی شیخ کی جمیلہ پر نظر پڑی جو سامنے سے آرہی تھی۔ شیخ نے بیتاب ہو کر جمیلہ سے جوہرہ کا حال پوچھا۔ جمیلہ نے علی الصبح بیدار ہوتے ہی دودھ دوہنے کے لئے باہر چلے جانے کا بہانہ کیا اور لاعلمی کا اظہار کر کے فرط رنج و غم سے دودھ کا برتن ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ پھر جمیلہ اپنے بالوں کو نوچتی، روتی دھوتی میری سیدہ .... میری جوہرہ .... میری پیاری پکارتی ہوئی جوہرہ کے کمرے کی سمت بھاگ گئی۔ شیخ بھی اس کے پیچھے پیچھے گھر کے ہر کمرے اور ہر کوٹھڑی میں گھوما لیکن جوہرہ کا نام و نشان تک نہ ملا۔ شیخ نے خیال کیا۔ جوہرہ علی الصبح جاگی ہو گی اور ہوا خوری کے لئے سمندر کے کنارے یا نماز شکرانہ کی ادائیگی کے لئے جامع مسجد گئی ہو گی۔ یہ سوچتے ہی وہ پر لگا کر جامع مسجد پہنچا لیکن یہاں کوئی دکھائی نہ دیا تو ساحل کی طرف بھاگا۔ تمام راہ بلند آواز میں جوہرہ .... جوہرہ .... پکارتا رہا لیکن جوہرہ نظر نہ آئی۔ سمندر کے قریب پہنچ کر شیخ کے کانوں میں سمندر کے شور و غل کی آوازیں آئیں تو اس نے سوچا کہ جوہرہ نہانے کی نیت سے سمندر کے کنارے پہنچی ہو گی اور پاؤں پھسل جانے سے سمندر کی لہروں کا شکار ہو چکی ہو گی۔ یہ سوچ کر شیخ دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے پتھر کی چٹانوں اور سمندر کی لہروں سے اپنی جوہرہ کا پتہ دریافت کرنے لگا۔ کافی دیر تک رو رو کر دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد شیخ کی طبیعت قدرے سنبھلی اور وہ سمندر کے کنارے مزید ٹھہرنا بے سود خیال کر کے شہر کی طرف لوٹ آیا۔ اب بھی اس کا خیال تھا کہ جوہرہ شہر میں کسی سہیلی سے ملنے گئی ہو گی اور اب اپنے گھر لوٹ آئی ہو گی لیکن جب وہ اپنے گھر کے

قریب پہنچا تو جمیلہ کو اپنے بال نوچتے، کپڑے پھاڑتے، سینہ کوبی کرتے جوہرہ جوہرہ پکارتے ہوئے گھر کے دروازے پر آنسو بہاتی دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ حیران و پریشان ہمسایوں نے جمیلہ کو گھیر رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر شیخ نے بخوبی سمجھ لیا کہ اب جوہرہ کی تلاش بے سود ہے اور وہ واقعی گم ہو چکی ہے۔ شیخ اس صدمے کی تاب نہ لاسکا اور بے سدھ ہو کر زمین پر آرہا۔ کچھ لوگوں نے شیخ کو ہوش میں لانے کی کوششیں شروع کردیں اور باقی مردوں، عورتوں اور بچوں نے راستوں اور چٹانوں پر پھیل کر جوہرہ کی تلاش شروع کر دی۔ لوگ ہر غار، ہر چٹان اور ہر کونے میں جوہرہ کی تلاش میں سرگرم عمل ہو گئے۔

طلوعِ آفتاب کے بعد محمد علی نے قوالہ کے ان لوگوں کو اکٹھا کیا جو اس کے ہمراہ فوج میں شامل ہونے کے لئے تیار تھے۔ محمد علی اپنی نئی وردی میں ملبوس اپنے فرطِ مسرت سے گاتے بجاتے ہوئے آدمیوں کے آگے آگے چلتا ہوا حاکم کے قصر پر پہنچا تاکہ اپنے سپاہیوں کے ہمراہ حاکم کی مہربانی کا شکریہ ادا کرسکے۔ حسان شوربجی کے کانوں میں گانے کی آوازیں ابھریں اور اسے محمد علی کی آمد کا سبب معلوم ہوا تو اُس نے اپنے بیٹے عثمان کو ساتھ لیا اور خسرو پاشا کی خدمت میں درخواست کرکے اُسے بھی محمد علی کے سپاہیوں کو دیکھنے کے لئے اپنے ہمراہ چلنے پر آمادہ کر لیا۔ پاشا تہر درویش برجانِ درویش کی منہ بولتی تصویر بن کر ساتھ ہو لیا۔ پاشا کو اپنی کوشش کی ناکامی اور شب بیداری کے رنج و غم کو چھپانے کے لئے بڑی جدوجہد کرنی پڑی تھی لیکن اس وقت بھی اُس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ محمد علی نے قصر کے سامنے پہنچ کر تلوار بلند کرکے حاکم کو سلام کیا اور اپنے دوست عثمان کی طرف رخ کرکے سر کو جھکایا۔ ان دونوں نے مسرت بھرے لہجے میں جواب دیا۔ عثمان، محمد علی کے حالات سے واقف تھا۔ محمد علی کا چہرہ اس کی بے پایاں خوشی کا اعلان کر رہا تھا۔ خسرو پاشا، محمد علی کی مسرت دیکھ کر غم و غصہ سے بھڑک اٹھا اور چاہا کہ محمد علی کو طنز کا نشانہ بنائے لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پا کر لاپرواہی ظاہر کی۔

محمد علی اپنے آدمیوں کو اپنے گرد صف باندھ کر کھڑا کرنے کے بعد سپاہیوں کے مانند قدم اٹھانے، تیز چلنے اور دائیں بائیں گھومنے کے طریقے سمجھانے لگا۔

خسرو پاشا بلند آواز سے تاکہ محمد علی سن سکے بولا:

"واقعی بازاری لڑکے قواعد داں سپاہیوں کو دیکھ کر اُن کی نقل کر لیتے ہیں۔ اس کا ثبوت محمد علی ہے۔" یہ کہہ کر پاشا فوراً اپنے کمرے کی طرف چل پڑا تاکہ محمد علی کا کوئی سخت جملہ اُس کے کان میں نہ پڑے۔ دونوں خواجہ سراؤں کو طلب کر کے پاشا بولا۔

"جب یہ لڑکا محمد علی آدمیوں کو فارغ کر دے تو تم فوراً اُن آدمیوں سے ملو اور حاکم کے نام پر انہیں مسلح ہونے کا حکم دو اور اپنے ساتھ لے کر بردستا پہنچو۔ شیخ بردستا سے مل کر کہو کہ تم خسرو پاشا کے حکم سے اس کی لونڈی لینے آئے ہو۔ اگر وہ تمہارا حکم ملنے سے انکار کر دے اور لڑکی کو چھپالے تو اس کے گھر کو مسمار کر دو۔ اسے اندر بند کر آگ لگا کر زندہ جلا دو۔ میں اُس لڑکی کو حاصل کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ تمہیں ایک ہفتہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس عرصہ میں لڑکی کو بردستا کے ہر گھر میں ڈھونڈو اور زندہ یا مردہ میرے سامنے پیش کرو۔ اگر تم لڑکی کی تلاش میں کامیاب نہ ہوئے تو موت کی سزا پاؤ گے۔ ہاں نئے بلک باشی (میجر) چھوکرے سے ہوشیار رہنا۔ میرا خیال ہے وہ اس لڑکی کے سلسلہ میں دخل رکھتا ہے۔ تمہیں چاہیے کچھ آدمیوں کو دن رات اُس کی حرکات و سکنات پر گہری نظر رکھنے کے لئے مقرر کر دو۔ وہ بڑا چالاک لڑکا ہے۔ اُسے کوئی شک نہیں ہونا چاہیئے۔ جاؤ۔ اب یہ تمہاری کوششوں پر منحصر ہے کہ اپنی سستی اور مجہولیت کی سزا پاؤ یا انعام کے مستحق ٹھہرو۔"

ادھر تو خسرو پاشا خواجہ سراؤں کو جوہرہ کے سلسلہ میں ہدایات دے رہا تھا۔ اُدھر حسان محمد علی کو اپنے قریب بٹھا کر بولا:

"تم ایک بہادر انسان ہو۔ اگر تم نے اپنے دل پر قابو رکھا تو یقیناً دوسروں پر حکومت کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ آج سے تمہارا حکومت کے آدمیوں میں شمار ہے۔ اس لئے تم تنخواہ کے بھی حقدار ہو۔ میں تمہیں تین ماہ کی پیشگی تنخواہ دے رہا ہوں۔ تمہیں اپنی ذات کے لئے روپے کی ضرورت ہوگی۔ لو یہ تھیلی سنبھالو۔"

یہ کہہ کر حسان نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا تاکہ محمد علی کو اظہار تشکر کرتے ہوئے نہ دیکھ سکے لیکن محمد علی تھیلی کو ہاتھ میں لے کر شکریہ ادا کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس وقت محمد علی کی

مسرّت کا باعث روپے کا حصول نہ تھا بلکہ اس کی خوشی کسی پوشیدہ آرزو کی کامیابی کے طفیل تھی۔ جس سے صرف اس کا مخلص دوست عثمان واقف تھا۔ عثمان گہری نظروں سے محمد علی کے چہرے پر ابھرے ہوئے جذبات و احساسات کو غور سے پڑھ رہا تھا۔ جب حاکم روانہ ہو گیا تو عثمان اپنے دوست محمد علی کے قریب ہو کر آہستہ سے بولا:

"میرے بہادر دوست! تم واقعی اپنے دلی راز کو چھپانے پر قادر ہو۔ تم رنج و الم کو چھپانے کے ساتھ اپنی مسرّت و شادمانی کو بھی چھپانے کی اہلیت رکھتے ہو لیکن مسرّت اُس چڑھتے سورج کی ہوتی ہے جس کی روشنی کو چھپانا ناممکن ہوتا ہے۔ اس لئے میں تمہیں یہ بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ بعض اوقات دشمن اپنے حریف کی شجاعت و مسرّت سے بخوبی اندازہ لگا لیتا ہے کہ میرا مدِمقابل مستقبل میں بڑی قوت حاصل کرے گا۔ اس لئے دشمن اپنے حریف کو کمزور رکھنے اور انتقام لینے کی تدابیر سوچنے لگتا ہے۔ میرے دوست محمد علی! یاد رکھو اگر تمہارے چہرے نے تمہاری مسرّت کی چغلی کھائی تو تمہیں نقصان پہنچے گا۔"

۲۲

جوہرہ کی تلاش

اہل بردستنا کے لیے یہ سال انتہائی منحوس ثابت ہوا۔ ابھی وہ مالگذاری کی ادائگی کے ہلاکت خیز چکر سے نکل کر سکھ کا سانس نہ لے سکے تھے کہ جوہرہ کی اچانک گمشدگی نے اُن کے سروں پر غم کا پہاڑ گرا دیا۔ پھر یہ غم بھی آخری غم ثابت نہ ہوا۔ دوپہر دور تھی کہ انہیں آگے آگے خسرو پاشا کے خواجہ سرا اور ان کے عقب میں محمد علی کے سپاہی شہر کی طرف بڑھتے دکھائی دیئے۔

محمد علی اپنے سپاہیوں کو چھوڑ کر اپنے دوست عثمان کی طرف روانہ ہوا تو خواجہ سرا مناسب موقعہ دیکھ کر فوراً سپاہیوں کی طرف آگئے اور خسرو پاشا کے حکم کو حاکم حسان شوربجی کا حکم ثابت کر کے سپاہیوں کو اپنے ہمراہ لے کر بردستنا کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ لوگ شیخ بردستا کے مکان پر پہنچے تو رو رو کر ہلکان ہوتی ہوئی جمیلہ نے انہیں مکان میں داخل ہونے سے روکنا چاہا۔ انہوں نے اسے بالوں سے پکڑ کر پرے پھینکا اور مکان میں داخل ہو کر شیخ کو چارپائی سے اٹھا کر کھڑا کرتے ہوئے کہا کہ اپنی بیٹی کو جو ہمارے آقا خسرو پاشا کی لونڈی ہے فوراً ہمارے ساتھ روانہ کر دو۔ یہ سن کر شیخ کو بڑا غصہ آیا اور وہ بولا:

"میری بیٹی کسی بزدل کی لونڈی نہیں ہو سکتی تم بہک گئے ہو۔"

"ہمارے آقا خسرو پاشا نے تمہاری بیٹی کی مرضی سے اُسے اس روپے کے عوض خرید لیا ہے جس سے خراج ادا کرنے کے بعد تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ دولت دے کر پاشا نے تم لوگوں پر احسان نہیں کیا بلکہ وہ دولت تو تمہاری لڑکی کی قیمت تھی۔" ایک خواجہ سرا نے کہا۔

"ذلیل کتو! تم اور تمہارا آقا دروغ گو ہیں۔ میری بیٹی غلاموں کی طرح فروخت نہیں ہو سکتی۔ جاؤ اپنے بزدل آقا سے کہہ دو کہ خداوند کریم اسے غریبوں پر ظلم کرنے کی بھرپور سزا دے گا۔" شیخ نے جواب دیا۔

یہ سن کر خواجہ سرائیں نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ جنہوں نے فوراً ہی شیخ کے ہاتھ پاؤں باندھنے کے بعد اسے ایک کونے میں پھینک دیا۔ شیخ بڑا متعجب ہو کر اس واقعہ پر غور کرنے لگا۔

سپاہیوں نے شیخ کے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن جوہرہ ہاتھ نہ آئی۔ سپاہی گھر کے احاطہ میں آئے تو اہل بروستا کی کثیر تعداد جمع تھی۔ لوگوں سے جوہرہ کا پتہ پوچھا گیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر سپاہیوں نے بروستا کے ہر گھر کی تلاشی لی۔ ہر شخص کی عزت و آبرو کو پاؤں تلے مسلا۔ جی بھر کر دین و شریعت کے احکامات کی خلاف ورزی کی۔ جب جوہرہ کی تلاش میں مکمل ناکامی ہوئی تو خواجہ سرا تھک ہار کر سپاہیوں کے ہمراہ قوالہ لوٹ آئے اور خسرو پاشا کو اپنی کارگزاری سنائی۔ پاشا نے غصہ میں پیچ و تاب کھا کر کہا کہ انہوں نے بلک باشی محمد علی کی نگرانی بھی کی ہے یا نہیں۔ خواجہ سراؤں نے بتایا کہ وہ اب تک تو محمد علی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے لیکن کل صبح تک اس کی سرگرمیوں کا پورا حال بیان کر سکیں گے۔

محمد علی سپاہیوں کو بھیج کر اپنے دوست عثمان سے ملا۔ پھر اپنے دوست موسیو لیون کے گھر پہنچا۔ لیون نے اسے دیکھتے ہی مبارکباد دی اور کہا۔

"آج تمہاری ماں تمہیں اس لباس میں دیکھتی تو بڑی خوش ہوتی۔"

"واقعی آج وہ زندہ ہوتیں تو مجھے بھی بڑی خوشی ہوتی لیکن اس فانی دنیا میں کوئی بھی زندہ نہیں رہا۔ اگر موت کا فکر نہ ہوتا تو زندگی بہت ہی اچھی شئے ہوتی۔" محمد علی نے کہا۔

لیون نے محمد علی کے خوش و خرم چہرے کو دیکھ کر اس کی مسرت کی وجہ پوچھی تو محمد علی نے اپنے نئے منصب کی آڑ لی۔ اس سے لیون کی تسلی تو نہ ہوئی لیکن وہ اس موضوع کو ٹال کر محمد علی کو اپنے کمرے میں لے آیا اور دونوں قہوہ نوشی میں مصروف ہو گئے۔

محمد علی نے لیون کو بتایا کہ وہ اس وقت بڑی عجلت میں ہے۔ اس لئے ایک خوبصورت قالین خرید کر فوراً لوٹ جانا چاہتا ہے۔

"غالباً تم قالین اس خاتون کو تحفہ دینا چاہتے ہو جس کا میں تے بھی ذکر سنا ہے"۔ لیون نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کس خاتون کا ذکر کر رہے ہیں۔ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آیا۔ بتایئے یہ کیا راز ہے؟" محمد علی نے متعجب ہو کر کہا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ حسان شوربجی اور اُن کا بیٹا عثمان تمہیں اس لئے چاہتے ہیں کہ حسان اپنی بھتیجی عائدہ خانم کو تمہاری شریک زندگی بنانا چاہتے ہیں۔ سنا ہے عائدہ خانم حسین بھی ہے اور مالدار بھی۔ پھر وہ تمہیں دیکھ کر تمہاری محبت میں گرفتار بھی ہو چکی ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ تمہیں دیکھنے کے لئے گھنٹوں اپنی کھڑکی کھول کر کھڑی رہتی ہے۔ گو اس وقت وہ شادی شدہ ہے لیکن وہ اپنے ظالم شوہر کو ناپسند کرتی ہے۔ شوربجی اس کے شوہر کے ظلم و ستم سے واقف ہے۔ اس لئے عائدہ کو اس کے شوہر سے طلاق دلوا کر تمہاری زوجیت میں دے دینا چاہتا ہے۔ محمد علی بیٹا! تم میری مانو تو عائدہ سے ضرور شادی کر لو۔ حسین و جمیل بیوی کے ساتھ ہی مال و دولت بھی تمہارے ہاتھ آ جائیں گے۔ تمہارے ارادے بلند ہیں۔ ان کی تکمیل کے لئے دولت کی ضرورت ہے۔ تم دولت کی مدد سے یقیناً بڑے آدمی بن جاؤ گے"۔ لیون نے جواب دیا۔

"سنی سنائی باتوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیئے۔ گو میں اپنے دوست عثمان کی معیت میں کھڑے کھڑے کئی بار عائدہ کو اپنے شوہر کے ہمراہ جاتے دیکھ چکا ہوں اور یہ سچ ہے کہ وہ بار بار رک کر مجھے بھی دیکھتی رہی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اس قدر امیر کبیر عورت مجھ سے مفلس انسان کو خاطر میں نہیں لا سکتی۔ اُس سے شادی کا خیال بھی میرے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ میں تو اپنی ضروریات کے لئے چند چیزیں خریدنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر کی سجاوٹ کے لئے قالین درکار ہے۔ کھانے کے برتن مطلوب ہیں اور چند چیزیں ایک ہمسائی کے لئے خریدنی ہیں۔ میری یہ ہمسائی میری والدہ مرحومہ کی منہ بولی بہن ہیں"۔ محمد علی نے کہا۔

لیون نے ہلکے رنگ کے اونی کپڑے دکھائے جو بوڑھی عورتیں پہنتی ہیں۔ محمد علی نے بیش قیمت شوخ رنگ کے ریشمین کپڑے دکھانے کے لئے کہا۔ لیون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ گو محمد علی مجھ سے چھپا رہا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اپنی شادی کے لئے کپڑے اور دوسری اشیاء خرید رہا ہے۔ اس نے نوجوان عورتوں کی ضروریات کی کئی چیزیں دکھائیں۔ محمد علی نے کئی ایسی چیزیں پسند کیں جو نوجوان اپنی بیویوں یا محبوباؤں کو پیش کرتے ہیں۔ لیون مسلسل مسکراتا رہا لیکن محمد علی نے کوئی نوٹس نہ لیا۔ لیون نے بہت کم قیمت پر تمام چیزیں محمد علی کے ہاتھ فروخت کر دیں تو محمد علی شکریہ ادا کر کے بولا:

"میری تمام چیزیں اپنے ملازم کے ہاتھ میری جھونپڑی پر بھجوا دیجئے گا اور براہ کرم میری آمد اور ان چیزوں کی خرید کا کسی سے بھی ذکر نہ کیجئے گا۔"

پھر محمد علی نے بازار میں پھر کر کھانے پینے اور دوسری ضروریات کی کئی چیزیں خریدیں۔ ان تمام چیزوں کو ایک لڑکے کے سر پر رکھوایا اور اپنی جھونپڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اس لڑکے سے بالکل بے خبر تھا جو سایہ کی طرح اس کا تعاقب کرتا ہوا اس کی ہر حرکت پر گہری نظر رکھ رہا تھا۔ جب محمد علی اپنی جھونپڑی کے دروازے پر پہنچا تو ایک بوڑھی فقیرنی نے اس کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ محمد علی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ سکے نکالے اور آنکھ اٹھائے بغیر بڑھیا کی طرف بڑھا دیئے۔ اُسے بالکل پتہ نہ چل سکا کہ بڑھیا بڑے غور سے اُس کے چہرے کا جائزہ لینے کے بعد گردن اٹھا اٹھا کر ٹوکرے میں رکھی ہوئی چیزوں کو بھی دیکھ چکی ہے۔ وہ بڑھیا کو نظر انداز کر کے جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد لیون کے دو ملازم لڑکے قالین اور دوسری چیزیں لے کر آ گئے۔ جب محمد علی ان لڑکوں کو انعام دے کر گھر کے باہر چھوڑنے آیا تو پھر بھی اُس بڑھیا کو نہ دیکھ سکا جو جھونپڑی کے بالکل قریب ہی زمین پر پڑی ہوئی زبردستی کی نیند کے جھوٹے مزے سے لے رہی تھی۔

(۲۳)

پُرخلوص عائدہ

●

دوسرے دن قوالہ کی بندرگاہ پر دارالسلطنت سے آئے ہوئے ایک عظیم الشان آراستہ د پیراستہ جہاز نے لنگر ڈالا۔ جہاز کے کپتان نے ساحل پر پاؤں رکھتے ہی حاکم کے مکان کا پتہ پوچھا۔ پھر خسرو پاشا کے سامنے پیش ہو کر بتایا کہ ان کے دوست حسین قبطان پاشی نے اپنی کوششوں سے سلطانی عتاب کو فرو کر دیا ہے اور اب سلطان نے ان کی بحالی کا حکم دے کر یہ جہاز اُن کو دارالسلطنت واپس لانے کے لئے بھیجا ہے۔ پھر کپتان نے خسرو پاشا کے سامنے اس کی معافی اور بحالی کا فرمان پیش کیا جسے دیکھ کر متکبر خسرو پاشا نے لاپروائی کا اظہار کیا اور کپتان سے مخاطب ہو کر کہا۔

" درست ہے لیکن میں بعض وجوہات کے پیش نظر فی الحال سفر کرنے سے قاصر ہوں۔ ممکن ہے میں مزید ایک ہفتہ تک یہیں قیام پذیر رہوں لیکن تمہیں ہر لمحہ تیار اور میرے حکم کا منتظر رہنا چاہیئے تاکہ میں جب بھی چاہوں روانگی میں تاخیر نہ ہو۔"

یہ سن کر کپتان جھکا اور پاشا کو سلام کر کے جہاز میں آ گیا۔ خسرو پاشا نے دونوں خواجہ سراؤں کو بلا کر جوہرہ اور محمد علی کے بارے میں پوچھا تو خواجہ سراؤں نے بتایا کہ وہ کوئی نئی بات تو معلوم نہیں کر سکے۔ ہاں ایک جاسوس لڑکے اور ایک جاسوس بڑھیا کی زبانی یہ معلوم کر سکے ہیں کہ محمد علی نے کل فرنگی سوداگر لیون کی دوکان سے قالین اور دوسری عورتوں کی ضروریات کی کئی چیزیں اور کھانے پینے کا سامان خریدا ہے۔ پاشا نے یہ سنا تو غصے سے کانپنے لگا اور جوشِ انتقام میں بھر کر بولا:

" محمد علی گذشتہ رات کیا کرتا رہا ہے۔ رات بھر اکیلا رہا ہے یا اُس کے ساتھ کوئی ہمراہی بھی تھا؟"

"آقا! ہمیں اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"اگر تم نے آج شام تک پوری اطلاعات مہیا نہ کیں تو میں تمہاری کھال کھنچوالوں گا۔"

شام کے وقت دونوں خواجہ سرا محمد علی کی جھونپڑی پر پہنچے اور اُسے مقفل دیکھ کر بڑے مایوس ہوئے۔ پھر دونوں نے قریب کی ایک خالی اور بوسیدہ جھونپڑی میں آگ لگا دی اور باآواز بلند چیخ و پکار شروع کر دی۔ لوگ اس جلتی ہوئی جھونپڑی پر جمع ہوئے تو دونوں خواجہ سرا محمد علی کی جھونپڑی کے دروازے پر جا کر بلند آواز سے آوازیں دینے لگے کہ اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو باہر نکل کر اپنی جان بچاؤ۔ بصورت دیگر آگ تمہاری جھونپڑی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ خواجہ سراؤں نے کئی بار پکار پکار کر کہا لیکن جھونپڑی سے نہ تو کسی نے جواب دیا نہ ہی کوئی باہر نکلا۔ صاف ظاہر تھا کہ محمد علی اس چال کو سمجھ گیا ہے یا پھر جھونپڑی میں موجود نہیں ہے بلکہ کسی ایسی جگہ چھپا ہوا ہے جس کا علم اس کی ذات کے سوا کسی دوسرے انسان کو نہیں ہے۔

دوسرے روز عثمان باغ کے اس حصّے میں گھوم رہا تھا جو اس کی سیر کے لئے خسرو پاشا کی دستبرد سے بچ گیا تھا۔ عثمان کے کانوں میں خواجہ سراؤں کے رونے دھونے کی آوازیں آئیں تو اسے بڑا رنج ہوا۔ اسے ان بے گناہوں کی سزا کی وجہ معلوم تھی۔ اس لئے وہ بڑا متاثر ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں محمد علی باغ میں آگیا جسے دیکھ کر عثمان کے چہرے پر مسرت دوڑ گئی۔ عثمان نے محمد علی کے کئی روز تک غائب رہنے کی شکایت کی محمد علی نے معذرت کر کے اپنے سپاہیوں کے لئے ضروری فوجی سامان اکٹھا کرنے میں مصروف رہنے کا بہانہ کیا لیکن محمد علی جو راز اپنے دوست سے چھپا رہا تھا۔ اس کا دوست اس راز سے خوب واقف تھا۔ عثمان محمد علی کا بہانہ سُن کر مسکرایا اور محمد علی کو اپنے قریب بٹھا کر اُس کے گلے میں باہیں حمائل کر کے ہولے ہولے بولا:

"محمد علی! غور سے میری باتیں سنو۔ خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ ان دنوں ہماری نگرانی پر کئی لوگ مامور ہیں جو دن رات سایہ کی طرح ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ میں تمہارے ہر راز سے واقف ہوں۔ ابھی ابھی پاشا نے اپنے دو خواجہ سراؤں کو اس بنا پر سزا دی ہے

کہ وہ یہ بتا نہیں سکے کہ تم نے کل رات کہاں بسر کی ہے۔ مجھے علم ہے کہ تم اپنی جھونپڑی میں موجود نہیں تھے۔ خواجہ سراؤں نے تمہاری قریبی جھونپڑی کو آگ لگا کر چیخ چیخ کر پورے شہر کو اکٹھا کر لیا تھا۔ وہ اس چال سے معلوم کرنا چاہتے تھے کہ تم جھونپڑی میں موجود ہو یا نہیں۔ تم غروب آفتاب کے بعد تقریباً بھاگتے ہوئے بروستا کی سمت جا رہے تھے۔ تم نے راستہ میں ایک کمزور آدمی کی سنی ان سنی کر کے اُسے دھکا دے کر زمین پر گرا بھی دیا تھا۔ تم ساحل پر پہنچے۔ پھر چٹانوں پر چڑھ کر اس غار میں داخل ہوئے جس سے صرف میں اور ریبون واقف ہیں۔ کیونکہ جب تمہیں اپنی ماں کی موت کی اطلاع ملی تھی تو تم بھوکے پیاسے رہ کر خودکشی پر تلے ہوئے تھے اور ہم تمہیں اُس غار کے دروازے سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔ تم نے گذشتہ رات اُسی سجے سجائے غار میں بسر کی ہے۔"

یہ سن کر محمد علی نے گھبرا کر عثمان سے پوچھا:

"میرے دوست! براہ کرم دھیمی آواز میں باتیں کرو۔ تمہیں ان باتوں کا کیونکر پتہ چلا ہے؟"

"میں تمہارا سچا رفیق ہوں۔ تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اور تمہاری محبوبہ کسی تکلیف میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ میں تمہاری ہر حرکت پر نظر رکھتا ہوں۔ گو تم ایک بہادر آدمی ہو لیکن تم دانا انسان نہیں ہو۔ خواہ مخواہ خطرات کے سمندر میں کود پڑتے ہو۔ خسرو پاشا کے جاسوسوں نے تمہیں گھیر رکھا ہے۔ خسرو جو جان کی بازی لگا کر بھی معافی کے پروانہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پروانہ معافی پا چکا ہے اور اسے لے جانے کے لئے ساحل پر جہاز بھی کھڑا ہے مگر اس وقت وہ نہ تو معافی پا کر خوش ہوا ہے اور نہ ہی واپس جانے کے لئے مستعد ہے۔ اس نے کپتان سے کہا ہے کہ شاید مزید ایک ہفتہ تک سفر نہ کر سکے۔ وہ تمہیں سخت ناپسند کرتا ہے۔ ایسے صاحب اختیار ہوشیار آدمی کی ناراضی مول لینا موت کو دعوت دینا ہے۔ اُسے جوہرہ کی گمشدگی میں تمہارا ہاتھ نظر آتا ہے۔ وہ تمہاری تاک میں ہے۔ اُس نے جوہرہ کو ڈھونڈ نکالا تو اسے اپنے وحشیانہ انتقام کا نشانہ بنا کر چھوڑے گا تاکہ تم دونوں کو اذیت پہنچا کر اپنے دل کو ٹھنڈا کرے۔"

محمد علی نے سنا تو خوفزدہ ہو کر بولا:

"خسرو کو اس شہر کے لوگوں پر ظلم و ستم کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔"

"اپنے منصب پر بحال ہونے کے بعد پوری سلطنت میں خسرو کے احکامات کی تعمیل ضروری قرار پا جاتی ہے۔ سنو! مجھے اور میرے والد کو اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ جوہرہ نے اپنے والد اور شہر کے فقہا کی رہائی کے لئے خود کو خسرو کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ اس نے خود کو خسرو کی سپردگی میں دینے کا وعدہ کیا اور اپنا وعدہ ایفا کرنے سے قبل ہی چھپ گئی۔ اب تمہیں بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ دونوں خواجہ سرا جوہرہ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اگر ہفتہ ختم ہونے تک اُسے تلاش نہ کر سکے تو موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔ تمہیں آج کی رات غار کا رُخ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی جھونپڑی میں رہنا چاہیے تاکہ جاسوس دھوکہ کھا جائیں۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہاری جوہرہ کے سر پر موت منڈلا رہی ہے۔ تمہاری ذرا سی غفلت بھی اس کی جان لینے کے لئے کافی ہوگی۔ میں خسرو پاشا کی ہر بات سے مطلع ہو جاتا ہوں۔ میری بہن عائدہ کا خسرو کے حرم سرا میں آنا جانا ہے۔ عائدہ کو تم سے بڑی محبت ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اپنے شوہر سے طلاق لے کر تم سے شادی کر لے۔ گو میں اسے بتا چکا ہوں کہ تم کسی اور کی محبت میں مبتلا ہو لیکن اس سے اُس کی محبت کم ہونے کی بجائے بڑھ گئی ہے اور وہ تمہارا دل جیتنے کے لئے پہلے سے بھی زیادہ سرگرم ہو گئی ہے۔ اُس نے مجھے بتایا ہے کہ وہ تمہیں اپنانے میں کامیاب نہ بھی ہو سکی تو تمہیں صاحب اقبال بنانے کی کوشش میں بدستور مصروف رہے گی۔"

محمد علی عائدہ کی فراخ دلی اور خلوص سے متعجب ہو کر بولا:

"عائدہ کو میرا سلام اور شکریہ پہنچا دو مگر براہ کرم اس پر میرے اس راز کو افشا نہ کرو۔"

"تمہیں مطمئن رہنا چاہیے عائدہ تمہارے غار کے راز سے واقف نہیں ہے۔ وہ جانتی ہے جب سے تم نے خسرو پاشا کو سخت سست کہا ہے۔ وہ تمہارا جانی دشمن ہو گیا ہے۔ عائدہ کو یہ جان کر تم پر رحم آ گیا تھا اور اس نے اُسی وقت سے خسرو کے حرم سرا میں آمد و رفت شروع کر کے تمہارے بارے میں خبریں لینا شروع کر دی تھیں۔ اب وہ پاشا کے حرم سرا کی ہر اس خبر سے واقف ہوتی ہے جس میں تمہارا ذکر ہو۔"

"خسرو پاشا میری اور جوہرہ کی محبت سے واقف ہے ؟"

"یقیناً ۔ پاشا کو تمہارے چہرے پر مسرت و اطمینان کی جھلک دیکھ کر یقین ہو گیا ہے کہ تمہیں جوہرہ کے موجودہ ٹھکانے کا علم ہے ۔ تمہاری کل اور آج کی حالت کا فرق اُس کی نگاہوں سے نہیں چھپ سکا ۔ میری نصیحت مانو تو آج غار میں ہرگز نہ جاؤ ۔ بہتر یہی ہے کہ آج رات گھر پر بسر کرو ۔"

"یہ ناممکن ہے کہ میں آج رات غار میں نہ جاؤں ۔ ہاں میں تمہارے حکم کی تعمیل میں ضرور چوکنّا رہوں گا ۔ میں تمہاری محبت اور احسانات کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ اچھا کل تک کے لئے خدا حافظ !"

"جاؤ ! ہوشیار رہنا کیونکہ انسان محبت میں دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتا ہے ۔ خیر میں تمہارے لئے آج شب بھر بیدار رہوں گا اور جب کوئی تشویش ناک بات ہوئی تو مکان کی بالائی منزل سے ایک ہوائی فائر کروں گا ۔ اگر صورت حال زیادہ خطرناک ہوئی تو میں پہلے یکے بعد دیگرے دو فائر کروں گا پھر مزید دو فائر کروں گا ۔ تم پہلے دو فائروں کی آواز سنو تو چوکنے ہو جاؤ ۔ جب تمہارے کانوں میں دوسری بار دو فائروں کی آواز آئے تو تمہیں چاہیئے کہ مزید وقت ضائع کئے بغیر فوراً اپنی جگہ کو چھوڑ کر میرے پاس پہنچ جاؤ ۔ اچھا خدا حافظ !"

(۲۴)
خسرو پاشا کی قسم

محمد علی کی روانگی کے بعد عثمان اپنے دوست کی حفاظت کی تدابیر پر غور کرتا رہا۔ گو عثمان کو متکبر اور احسان فراموش خسرو پاشا سے نفرت تھی لیکن گہری سوچ بچار کے بعد عثمان نے فیصلہ کیا کہ اپنے دوست کی خاطر اپنے باپ کو ہمراہ لے کر خسرو پاشا کے پاس جائے اور اس سے اس بات کا وعدہ لے کہ وہ محمد علی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ یہ سوچ کر عثمان اپنے والد کے پاس پہنچا۔ انہوں نے عثمان کی اس تدبیر سے اتفاق کیا اور دونوں خسرو پاشا کے کمرے کی سمت چل پڑے۔ حسان نے کمرے میں داخل ہو کر گفتگو کی ابتدا کی اور پاشا کی اس قدر جلد واپسی اور اس کی مہمان نوازی سے محروم ہو جانے پر افسوس کا اظہار کیا۔ پھر اپنے بیٹے عثمان کا ذکر کر کے بتایا کہ وہ کمزور ہونے کے باوجود اُس کے ہمراہ آیا ہے اور پاشا کی اجازت کے انتظار میں دروازے پر کھڑا ہے تاکہ پاشا کی خدمت میں حاضر ہو کر پاشا کی واپسی پر اپنے رنج و غم کو بیان کر سکے۔ خسرو پاشا نے حسان کی چاپلوسی کی باتیں سنیں تو بڑا خوش ہوا اور خود دروازے پر جا کر عثمان کو کمرے میں لا کر اپنے قریب بٹھا لیا۔ عثمان نے کہا:

"جناب عالی! میں آپ کی واپسی کی خبر سن کر اپنے دلی صدمے کا اظہار کئے بنا نہیں رہ سکا۔ گو آپ کی واپسی خوش نصیبی کی نشانی ہے لیکن ہمارے غریب خانے پر آپ کا قیام ہماری عزت افزائی کا باعث ہے اور ہمارے اس فخر و افتخار پر زمانہ رشک کر رہا ہے۔"

"فی الحال میں اپنے سفر کے بارے میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ کل واپس جاؤں گا یا پرسوں۔ بہرحال میں جاہل لوگوں کے اس شہر میں مزید قیام پسند نہیں کرتا عثمان!

اس فضول شہر کا قیام تمہاری صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے میں دارالسلطنت پہنچ جاؤں تو تم بھی فوراً میرے پاس آجاؤ۔ تمہیں وہاں بڑا آرام ملے گا اور تم آئندہ ترقی بھی کرسکو گے۔ اگر تم اپنے والد سے جدا نہ ہونا چاہو تو میں انہیں ان کی حسب پسند کسی دوسرے شہر کا حاکم مقرر کروا دوں گا تاکہ تمہاری مہمان نوازی کا بدلہ چکا سکوں۔ اگر تمہیں یہ دونوں باتیں ناپسند ہوں تو مجھے اپنی کوئی خواہش کوئی تمنّا بتاؤ تاکہ میں اُسے پورا کرکے تمہارے احسان کا صلہ ادا کرسکوں۔ مجھے ازسرِ نو اختیارات حاصل ہو گئے ہیں اور تم میری طاقت سے واقف ہی ہو۔ اس لیے تم جو مانگو گے وہی پاؤ گے۔" خسرو پاشا نے مسکرا کر کہا۔

"حضور! میں اپنی موجودہ حالت پر قانع ہوں۔ اگر میرے بیٹے عثمان کی کوئی تمنّا ہے تو اسے پورا کردیا جائے کیونکہ اس کی تمنّا میری تمنّا ہے۔" حسان شور بجی نے جواب دیا۔

"عثمان! اگر تمہاری کوئی آرزو ہے تو بیان کرو۔ میں خدا اور اس کے رسول اکرم اور اپنے سر کی قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری جو بھی آرزو ہوگی۔ اسے ضرور پورا کروں گا۔" خسرو پاشا نے عثمان کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے شفقت بھرے لہجہ میں کہا۔

عثمان نے خسرو سے دو بار قسم لی اور اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"حضور عالی! میری صرف یہی آرزو ہے کہ محمد علی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے۔ میں بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ رہا ہوں۔ اس وقت میری تاریک زندگی میں محمد علی روشنی کی کرن ہے۔ مجھے اس کی رفاقت کی شدید ضرورت ہے۔ وہ ایک نادان نوجوان ہے جو بزرگوں کے احترام سے ناواقف ہے۔ میری درخواست ہے۔ اس نے آپ کی شان میں جو گستاخی کی تھی۔ آپ اسے فراموش کردیں اور میری اس درخواست کو میری اور اپنی مقدّس قسم کی خاطر شرف قبولیّت بخشیں۔"

"گو میں تمہارے دوست کے گستاخانہ روّیہ سے اسے ناپسند کرتا تھا لیکن اب خدا کو

اس بارے میں گواہ کر کے تمہاری درخواست کے پیش نظر اُسے معاف کر دیتا ہوں۔ ہاں اگر وہ کسی اور شہر میں میرے ساتھ گستاخی سے پیش آیا اور مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو میں اسے قتل کرنے سے دریغ نہ کروں گا۔ عثمان یہ تمہارے احسان کا صلہ ہے کہ میں تمہاری خاطر قسم کھانے پر مجبور ہوا ہوں۔ تاکہ تمہاری تسلی ہو جائے۔" خسرو پاشا نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔

عثمان نے بڑے ادب سے جھک کر پاشا کا شکریہ ادا کیا اور اجازت طلب کر کے دونوں باپ بیٹا دعائیں دیتے ہوئے باہر آ گئے۔ ان کی روانگی کے بعد خسرو پاشا نے عثمان کی ذہانت، اپنی قسم اور محمد علی کے صاف بچ کر نکل جانے پر غور کیا تو اُسے بڑا غصہ آیا۔ اس نے خواجہ سراؤں کو بلا کر ان کی کارگزاری پوچھی تو انہوں نے عاجزی سے بتایا کہ وہ جوہرہ کے کھوج لگانے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں اور جلد ہی کامیاب ہو کر پورا حال گوش گزار کریں گے۔ خسرو نے انہیں واضح الفاظ میں کہا کہ صرف چار روز باقی ہیں۔ جوہرہ کی تلاش میں ناکامی ہوئی تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ پھر پاشا نے انہیں خاص طور پر ہدایت کی کہ محمد علی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں اور اگر کوئی اس کی واپسی کا پوچھے تو کہہ دیں کہ وہ کل شام دارالسلطنت کی طرف لوٹ جائے گا۔ انہیں بھیجنے کے بعد خسرو پاشا کو محمد علی کی جان کی حفاظت کا وعدہ کرنے پر افسوس ہوا۔ پھر اُس نے سوچا، خیر اگر واقعی اس ذلیل چھوکرے کا جوہرہ سے تعلق ہے تو جوہرہ کو سزا دینا دراصل اسی کو سزا دینا ہے۔ میں جوہرہ کو تلاش کر کے محمد علی کی آنکھوں کے سامنے قتل کروں گا جو محمد علی کو موت کی سزا سے بھی زیادہ سنگین سزا دینے کے مترادف ہو گا۔

خسرو پاشا کی روانگی کی خبر پھیلی تو بروستا کے لوگوں کو بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ وہ جوہرہ کی گمشدگی کا باعث پاشا کو سمجھتے تھے۔ اگر وہ نہ آتا تو حاکم کو دوگنا خراج مانگنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ نہ ان کے شیخ فقہا کو قید کیا جاتا۔ نہ پاشا آزاد جوہرہ کو اس کے باپ کی رہائی میں خرید سکتا اور نہ ہی شریف جوہرہ کو اس بدمعاش کے پھندے سے نکلنے کے لئے خودکشی کرنے پر مجبور ہونا پڑتا۔ بروستا کے بعض لڑکوں نے جوہرہ کو یوسف ثانی

کی چوٹی پر چڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ وہ یوسفیانوس کی چوٹی سے سمندر میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر چکی تھی ۔ شیخ بروستا کو بیٹی کی گمشدگی کے غم نے بستر مرگ پر ڈال رکھا تھا اور وہ ہر لمحہ موت کا خواہشمند تھا۔

شام ہو گئی۔ پھر رات آگئی۔ تاریکی اور سناٹے کا دور دورہ ہوا تو لوگ نیند کے مزے لینے لگے۔ محمد علی بیدار رہا۔ حتیٰ کہ جب گہری تاریکی چھا گئی تو وہ اپنی جھونپڑی سے باہر آکر پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے کے لئے تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ دشمنوں کے خوف سے چاروں طرف دیکھتا ہوا محمد علی چوٹی پر پہنچا تو اچانک چاند نے بادلوں میں سے سر نکال کر جھانکا۔ چاندنی پھیلی تو وہ چاروں طرف غور سے دیکھ کر غار کے دروازے پر آگیا اور دم سادھ کر اپنی اشاراتی آوازیں پکارنے لگا۔ کچھ دیر بعد اُسے اپنی پکار کے جواب میں نرم شیریں آواز سنائی دی۔ محمد علی خوشی سے بیتاب ہو کر تقریباً چیخ اٹھا اور فوراً ہی غار میں داخل ہو کر غائب ہو گیا۔

(۲۵)

الوداع ! الوداع ! الوداع

غار میں دو بچھڑے ہوئے انسانوں کا ملاپ ہوا تو دونوں نے یہی سمجھا کہ وہ سالہا سال کی جدائی کے بعد اکٹھے ہوئے ہیں۔ پہلے تو محمد علی اور جوہرہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو کر ایک دوسرے میں کھو گئے۔ پھر دونوں نے قریب قریب بیٹھ کر ایک دوسرے پر نظریں گاڑ دیں۔ محمد علی ندامت بھرے لہجے میں بولا:

"میں تم پر بے وفائی کا بہتان لگا کر شرمندہ ہوں۔ اب میں اس وقت کو یاد کر کے شرمندہ ہو رہا ہوں جب میں نے تمہارے پیار کو فریب سمجھ کر سب عورتوں کو قصور وار ٹھہرایا اور بھول گیا کہ ان عورتوں میں تم سی نیک اور شریف النفس عورت کا شمار بھی ہے۔ اس وقت میں محبت پر لعنت بھیجتا تھا۔ میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ سنگدلی اور موت سے دو دو ہاتھ کر کے عزت و وفاداری کو پالوں اور اس طرح اپنے دکھ درد کو بھول جاؤں یا موت کے آغوش میں چلا جاؤں تاکہ سکون میسر آ جائے لیکن اب تمہارا قُرب میری تمناؤں کی معراج ہے۔ مجھے قارون کا خزانہ بھی دیا جائے تو میں تمہارے قُرب کے اس ایک لمحہ کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تمہارے ہاتھ میرے گلے میں جواہرات کے ایک ہار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تمہاری محبت بھری نظر میرے اقبال کا درخشندہ آفتاب ہے جس کی شعاعیں مجھ پر رقص کر کے مجھے مسرّت بخش رہی ہیں۔ تمہارے دہن کی خوشبو میرے لئے عطر ہے۔ تمہاری سچّی محبت میری سلطنت کا تاج ہے جو میرے سر پر رکھا ہے اور یہ غار جس میں ہم پہلو بہ پہلو بیٹھے ہیں۔ میرا تخت ہے۔ میری زندگی تم ہو۔"

"افسوس! مجھے الفاظ پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ میں اپنے دلی جذبات و احساسات کو ظاہر کرنے سے قاصر ہوں۔ اس وقت میں خود کو جنت میں محسوس کر رہی ہوں اور خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے ہمیشہ اسی جگہ رکھے۔ ہم اسی غار میں رہیں اور کبھی دنیا میں واپس نہ جائیں۔"

"میری بھی یہی خواہش ہے کہ ہم اس دنیاوی بہشت میں اکٹھے رہیں اور یہیں سے ایک ساتھ آسمانی بہشت کی طرف پرواز کریں۔ ہاں اگر ہم مجبور ہو کر کبھی دنیا میں چلے گئے تو قسم کھاؤ کہ تم میری محبت میں ثابت قدم رہو گی۔"

"میرے محبوب! زندگی ایک دن کا نام ہے اور یقین رکھو جوہرہ صبح کھائی ہوئی قسم شام کو نہیں توڑتی۔"

"جوہرہ! تمہارا خیال صحیح ہے مگر شاید ہماری قسمت ہمیں ایک دن بھی آرام سے نہ بسر کرنے دے۔ اگر تمہارے منور چہرے کی شعاعیں میری زندگی میں جگمگاہٹ پیدا نہ کریں تو میری زندگی تاریک ہو کر رہ جائے۔ لو چاند کو دیکھو وہ ہمارے اس غار میں آسمان سے اپنی کرنوں کو یوں داخل کر رہا ہے جیسے وہ بھی کوئی جاسوس ہے جو ہماری نگرانی پر مامور ہے۔ اے چاند! ہماری نظروں سے دُور ہو جا۔ ہماری ملاقات کی شیرینی میں زہر نہ گھول۔ اگر میری جوہرہ کو چھین لیا گیا تو میں مر جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر محمد علی نے جوہرہ کو یوں اپنے آغوش میں لے لیا۔ جیسے اُسے خوف تھا کہ کوئی جوہرہ کو اس سے چھین کر الگ کر دے گا۔ ابھی محمد علی اور جوہرہ کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی کہ رات کی خاموشی میں ایک آواز گونجی۔ محمد علی گھبراہٹ کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جوہرہ چونک کر محمد علی کا ہاتھ پکڑ کر بولی:

"میرے محبوب! کیا بات ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو؟"

"میں عثمان کی بندوق کی آواز سن چکا ہوں جو عثمان نے ہم دونوں کو گھر سے ہوئے خطرہ سے مطلع کرنے کے لئے بلند کی ہے۔ اب مجھے تم سے رخصت ہونا پڑے گا۔ افسوس! حالات نے ہمیں جی بھر کر ایک دوسرے کو دیکھنے بھی نہ دیا۔ خسرو پاشا دارالسلطنت لوٹنے کے لئے تیار ہے۔ اس کے مقرر کردہ جاسوس تمہیں تلاش کر رہے ہیں اور میری نگرانی ہو رہی ہے تاکہ میری نقل و حرکت سے تمہارا سراغ مل سکے۔ خسرو کے جاسوسوں کو اس کا علم نہیں ہونا چاہئے کہ میں نے پوری رات اپنی جھونپڑی سے باہر بسر کی ہے۔ مناسب یہی ہے کہ میں اپنی جھونپڑی میں لوٹ جاؤں۔ طلوع آفتاب کے وقت یہ سنگدل پاشا سمندر میں دارالسلطنت کی طرف لوٹ رہا

ہوگا۔ یہیں کوئی خطرہ درپیش نہ ہوگا اور ہم یکجا ہو جائیں گے۔ اس وقت یہ غار ہی نہیں بلکہ پوری کائنات ہمارے لیے بہشت بن جائے گی۔"

"کیا تم مجھے اکیلی چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟" جوہرہ گھبرا کر بولی۔

"مناسب تو یہی ہے کہ تم یہیں رہو۔ ممکن ہے خسرو نے ہمارا راز معلوم کرنے کے لئے اپنے سفر کی افواہ اڑا دی ہو۔ تم یہیں میرا انتظار کرو۔ میں اس افواہ کی تحقیق کر کے واپس آجاتا ہوں۔" محمد علی نے جواب دیا۔

"تمہاری آمد سے قبل میں اس غار سے خوفزدہ نہ تھی لیکن اب میں ڈرتی ہوں۔" جوہرہ نے کہا۔ پھر اپنے باپ کی یاد آجانے سے روتے ہوئے بولی:

"کیا تم میرے باپ کے حال سے واقف ہو؟ میں ان کے لئے فکرمند ہوں اور ڈرتی ہوں کہ خدانخواستہ کہیں میرے غم میں وہ اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔"

"تمہارے والد خیر و عافیت سے ہیں۔ مطمئن رہو۔ جب ہم دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو تمہیں دیکھ کر انہیں بڑی مسرت ہوگی۔" محمد علی نے کہا اور غار سے باہر نکلنے کے لئے قدم اٹھایا۔ جوہرہ نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔

"میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ مجھے اس ہولناک غار میں اکیلی چھوڑ کر نہ جاؤ۔ میں اس وقت غار میں چاروں طرف ایسے خوفناک چہروں کو دیکھ رہی ہوں جو مجھے موت کی گہری نیند سلانے کے لئے بڑھ رہے ہیں۔ میں تمہاری رفاقت میں موت سے بھی مقابلہ کر سکتی ہوں لیکن تم سے الگ ہو کر خوف کی وجہ سے میں زندہ نہیں رہ سکتی۔"

محمد علی کے اٹھے ہوئے قدم رک گئے۔ ایک طرف تو عقل کا تقاضا تھا کہ وہ غار سے باہر آ کر اپنے سروں پر منڈلاتے ہوئے خطرہ سے واقف ہو اور اس کی روک تھام کرے۔ دوسری طرف اس کا محبوب اسے روک رہا تھا۔ خواہ اس سے ان دونوں کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ محمد علی نے سوچا کسی کو پتہ نہیں کہ وہ اس غار میں موجود ہیں۔ اس لئے انہیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر خدانخواستہ خسرو کو غار میں اُن کی موجودگی کا علم ہو جائے تو وہ جوہرہ کو اپنے ہمراہ لے کر چور راستہ سے ساحل پر چلا جائے گا اور کسی شکاری کی کشتی کھول کر اس میں دونوں

سوار ہو جائیں گے اور وہ دونوں جس طرح اس غار میں ہنسی خوشی وقت گذار رہے تھے۔ اسی طرح سمندر کے سینہ پر بھی خوشی سے رقص کریں گے۔

ابھی محمد علی اپنی سوچ بچار کے نتیجہ پر نہ پہنچا تھا کہ فضا میں دوبارہ بندوق کی آواز گونجی جس سے محمد علی کو خطرہ کی اہمیت کا شدید احساس ہوا۔ وہ جوہرہ سے مخاطب ہو کر بولا:

"جوہرہ! مجھے تنہا جانے کی اجازت دو کیونکہ اس طرح ہم دونوں زندہ رہ سکتے ہیں اس وقت ہم کسی شدید خطرہ سے دو چار ہیں۔ عثمان ہماری خاطر بیدار رہ کر ہمارے بچاؤ کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ جب کوئی تشویشناک بات ہوئی تو وہ مجھے ہوشیار کرنے کے لئے ایک بار بندوق کی گولی چلائے گا۔ اگر خطرہ کی نوعیت سنگین ہوئی اور ہمارے قریب ہوا تو دوسری بار بھی بندوق کی گولی چلا کر ہمیں اطلاع دے گا۔ عثمان بندوق چلا کر دوسری بار بھی کسی بڑے خطرے کی اطلاع دے چکا ہے۔ تم مجھے جانے کی اجازت دو اور اپنے دل کو مضبوط کر کے غار میں بیٹھی رہو۔ میں جلد ہی تمہارے پاس لوٹ آؤں گا۔ پھر اب تو سورج بھی طلوع ہونے والا ہے۔ میں جیسے ہی غار سے باہر نکلوں تم نے جیسے گذشتہ کل سوراخ پر پتھر رکھ کر غار کو بند کر لیا تھا۔ آج بھی اسی طرح کرنا اور غار کے اندر ہی بیٹھ کر میری منتظر رہنا۔ میں تمہیں اپنی آواز کی نشانی بتا ہی چکا ہوں۔ تم میری آواز سنو تو آواز دے دینا۔ بصورت دیگر کوئی لاکھ پکارے تم چپ چاپ پڑی رہنا اور اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالنا۔"

اسی لمحہ بندوق کی تیسری آواز آئی۔ محمد علی فوراً روانگی پر آمادہ ہو گیا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ کسی بڑے خطرے میں مبتلا ہونے والا ہے۔ بولا:

"میری محبوب جوہرہ! میں جا رہا ہوں۔"

جوہرہ کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ محمد علی غار سے باہر آ گیا۔ جوہرہ کی جدائی اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی اور اس کے کان جوہرہ کی الوداع، الوداع، الوداع کی آوازیں سن رہے تھے۔

❁

(۲۶)

جوہرہ کا قتل

عثمان اپنے پیارے دوست محمد علی کو خطرہ سے آگاہ کر چکا تو محمد علی رخصت ہو گیا۔ عثمان نے باغ میں بیٹھے ہوئے قسم کھائی کہ آج رات محمد علی کی خاطر بیدار رہے گا اور محمد علی کو پیش آنے والے خطرہ سے بچانے کے لیے اپنی ہر امکانی قوت صرف کر دے گا۔ عثمان کو اپنے دو غلاموں پر بڑا اعتماد تھا اور وہ بھی اُس پر جان دیتے تھے۔ عثمان نے محمد علی کو کسی بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے ایک غلام کو غار کی نگرانی کے لئے بھیج دیا۔ غلام دور سے غار پر نظریں گاڑ کر بیٹھ گیا۔ عثمان نے دوسرے غلام کو بوقت ضرورت کام لینے کے لئے اپنے قریب ہی رکھا۔ جب رات نصف سے بھی زیادہ گزر گئی تو عثمان کو خسرو پاشا کے کمروں کی متحرک روشنی میں غیر معمولی نقل و حرکت نظر آئی۔ اسے دیکھ کر عثمان ڈر گیا۔ اسی لمحہ غلام نے آکر بتایا کہ پہاڑ کی چوٹیوں پر کئی آدمی گھوم رہے ہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی کو جان کا خطرہ ہے۔ یہ سن کر عثمان نے غلام کو ایک جگہ کھڑے ہو کر بندوق چلانے اور وہیں ٹھہر کر محمد علی کا انتظار کر کے اسے فوراً اپنے پاس پہنچانے کا حکم دیا۔ اس وقت محمد علی کی محبّت نے فکرمند عثمان کے ناتوان جسم کو طاقت بخش دی۔ وہ فوراً خسرو پاشا کے کمرے کے سامنے باغ میں ایسی جگہ بیٹھا جہاں سے پاشا کے کمرہ کی ہر چیز کو بخوبی دیکھ سکتا تھا اور کمرے کی ہر آواز اس کے کانوں میں آرہی تھی۔ چند لمحوں بعد بندوق چلنے کی پہلی آواز گونجی تو عثمان کو تسلی ہوئی کہ اب میرا دوست خبردار ہو چکا ہوگا۔ پھر عثمان نے سوچا۔ پاشا کے کمرے کی غیر معمولی حرکت کا کیا راز ہو سکتا ہے اور ابھی وہ اس راز کے افشا کے امکانات پر غور کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظروں کے سامنے پاشا کے کمرے کا دروازہ کھلا اور دو آدمی کسی چیز کو اٹھائے ہوئے جو سفید چادر سے چھپی ہوئی تھی نظر آئے اور سامنے کے ایک دروازے کی طرف چلتے ہوئے

جو مکان سے باہر جاتا تھا باہر نکل گئے اور دروازہ کو مقفل کرتے گئے۔ یہ دیکھ کر عثمان کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ اس اسرار کو بالکل نہ سمجھ سکا۔ پھر وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا کہ سفید چادر میں لپٹی ہوئی چیز پاشا کا کوئی سامان ہو گا جو اس نے کشتی پر بھیجا ہے کیونکہ سنا ہے کل وہ ضرور روانہ ہو جائے گا پاشا کے گھر میں مکمل سکون ہوا تو عثمان اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ چند منٹ بعد قدموں کی چاپ سے عثمان اٹھ کر بیٹھا تو اُس کا غلام اور محمد علی اس کے سامنے آ گئے۔ محمد علی نے عثمان سے پوچھا کہ اس کے بلوانے کی کیا وجہ ہے۔ عثمان نے پاشا کے کمرے کی ہلچل کا واقعہ سنا کر اصرار کیا کہ وہ آج رات اس کے کمرے میں بسر کرے تاکہ خطرہ ٹل جائے کیونکہ کل صبح خسرو پاشا جا رہا ہے۔ محمد علی کے لئے میدان صاف ہو گا۔ وہ جو چاہے گا کر سکے گا۔ محمد علی بولا:

"پیارے دوست! تم خود کہہ چکے ہو کہ پہاڑی پر آدمی گھوم رہے ہیں۔ بھلا اس صورت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں جوہرہ کو تنہا خطرات میں گھرا ہوا پا کر یہاں چین سے بیٹھا رہوں۔ مجھے اسی وقت جانے کی اجازت دو۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آنے والا ہے۔ اگر تمہارے پستول میں کارتوس ہوں تو میرے سپرد کر دو۔"

عثمان نے بھی محسوس کیا کہ اس وقت جوہرہ کا تنہا رہنا مناسب نہیں ہے۔ اُس نے اپنا پستول محمد علی کے سپرد کر کے تاکید کی کہ ہوشیار رہے اور خدانخواستہ کسی خطرہ میں پھنس جائے تو ہوائی فیر کر کے اسے اطلاع دے تاکہ وہ اپنے باپ کو جگا کر درخواست کرے کہ وہ اپنے سپاہیوں کو محمد علی کی مدد کے لیے بھیج دے۔

محمد علی پستول لے کر برق رفتاری سے پہاڑی کی طرف چلا۔ جب راستہ میں کوئی آدمی نہ ملا تو محمد علی کو عثمان کی اطلاع پر شبہ ہوا۔ وہ غار کے منہ پر پہنچا تو وہ پتھر نظر نہ آیا جسے غار کا منہ بند کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور وہ جوہرہ سے کہہ چکا تھا کہ اسے غار کے منہ پر رکھ دے۔ اس نے سوچا شاید جوہرہ پتھر رکھنا بھول گئی ہو۔ اس نے جوہرہ کو مخصوص آواز میں پکارا مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اب اُسے خیال آیا کہ شاید جوہرہ سو رہی ہو۔ وہ فوراً غار میں داخل ہو گیا لیکن جوہرہ غار میں موجود نہ تھی۔ اب تو اُس کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ کانپ اٹھا اور چاہتا تھا کہ اپنی جان اپنے ہاتھوں کھو دے لیکن اُمید نے اس کا دامن تھام لیا۔ وہ چاروں طرف غار میں گھومتا ہوا بلند آواز میں "جوہرہ"

"جوہرہ" میری جوہرہ پکارنے لگا لیکن اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر اُس نے غار بیچے اور دوسرے سامان کو بکھرا پڑا ہوا دیکھا تو اُسے یقین ہوگیا کہ ظالموں نے جوہرہ کو گرفتار کرلیا ہے۔ اب اس میں کھڑا رہنے کی سکت نہ رہی۔ وہ زمین پر گر پڑا اور اس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ وہ کچھ دیر پڑا رہا۔ پھر غم کی بہتات نے اس کے آنسو بھی خشک کردیئے۔ مایوسی کی شدت نے اسے صبر کی دولت بخشی۔ دل نے رونے دھونے کو بیکار کہا اور وہ اٹھ بیٹھا۔ غار میں بکھرے ہوئے سامان سے یہ پتہ چلتا تھا کہ جوہرہ نے اپنے بچاؤ کے لیے بھرپور کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوسکی تھی۔ محمد علی نے سوچا۔ پتہ نہیں جوہرہ کو گرفتار کرنے والے کون لوگ ہیں جوہرہ کہاں ہے۔ زندہ ہے یا قتل کردی گئی۔ خیالات کے اس مرحلہ پر محمد علی کو جوش آگیا اور اُس نے ہوا میں ہاتھ لہرا کر قسم کھائی کہ اپنی جان دے کر بھی جوہرہ کا انتقام لے گا۔ ابھی قسم کے آخری الفاظ اس کے منہ میں تھے کہ عقب سے ایک ہاتھ نے بڑھ کر مضبوطی سے اس کی گردن داب لی۔ اگلے لمحہ محمد علی کو زمین پر پٹخ دیا گیا۔ اس کے ہاتھ سے پستول چھین چکا تھا اور حملہ آور اسے مضبوطی سے باندھ چکے تھے۔ محمد علی نے چیخ کر پناہ مانگی۔ اس کے سر پر ایک چمکتی ہوئی شمشیر کھنچی ہوئی تھی اور کوئی کہہ رہا تھا۔

"اے بلک باشی! چیخنا چلّانا اور پناہ مانگنا بیکار ہے۔ یہاں ہمارے سوا کوئی بھی تیری آواز نہیں سن سکتا۔" یہ کہہ کر ایک آدمی نے اپنے ہمراہی کی مدد سے اس کے منہ پر ایک تھیلی چڑھائی اور پھر وہ اُسے کسی بے جان چیز کی طرح کندھے پر اٹھا کر غار سے نکل آئے۔ اس وقت محمد علی اور کسی بے جان شئے میں احساس و جذبات کے سوا کوئی فرق نہ تھا۔ محمد علی کی آنکھوں کے آنسو رواں دواں تھے اور وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر مجھے اس مصیبت سے چھٹکارا مل گیا تو میں ان لوگوں سے عبرتناک انتقام لوں گا۔ اگر میں قتل ہوگیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جوہرہ کے پاس پہنچ جاؤں گا اور پھر خداوند کریم کے حضور فریاد کروں گا کہ ان ظالموں سے میرا بدلہ لے۔ یہ لوگ مجھے قتل کردیں تو اس عذاب سے میری خلاصی ہوجائے کیونکہ میں جوہرہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

محمد علی کو چھپ کر گرفتار کرنے والے دونوں خسرو پاشا کے خواجہ سرا تھے جو اُسے سمندر کے کنارے سے لے آئے اور اپنے آقا کے حکم کے مطابق آہستہ سے ریت پر ڈال کر بولے:

"قوالہ کی سمت غور سے دیکھو!"
محمد علی نے یہ سوچ کر کہ اُسے سمندر میں ڈال دیا جائے گا۔ قوالہ کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں کے سامنے کچھ لوگ ایک سفید چیز کو اٹھائے آرہے تھے۔ یہ لوگ قریب پہنچے تو محمد علی رونے، چیخنے اور چلانے کی آواز سن کر خوف سے کانپنے لگا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے دل کی حرکت بند ہو رہی ہے۔ یہ جوہرہ کے چیخنے چلّانے کی آواز تھی جسے سن کر محمد علی نے ہاتھ پیر مار کر آزاد ہونا چاہا اور بولنے کی بھی بڑی کوشش کی لیکن پاؤں کی بیڑیوں اور منہ پر چڑھی ہوئی تھیلی نے اُس کی ہر کوشش ناکام بنا دی۔ اس کا دل ٹوٹ گیا۔ وہ جوہرہ کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے بالکل قریب ہے تاکہ جوہرہ صبر کا دامن نہ چھوڑے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ جوہرہ کو محمد علی کے قریب ہی رکھ دیا گیا۔ محمد علی کے سامنے جوہرہ مُردہ کی طرح سفید چادر میں لپٹی پڑی تھی اور ایک طرف سنگدل کمینہ دشمن خسرو پاشا کھڑا تھا۔ محمد علی کی آنکھوں سے چنگاریاں برسنے لگیں۔ پھر جب اس نے خسرو پاشا کو اسی انداز سے اپنی طرف دیکھتے دیکھا تو اس کے منہ سے ایک ہوک اٹھی جس سے اُس کے دلی جذبات و احساسات بے نقاب ہو گئے۔ خسرو پاشا نے خواجہ سراؤں کو اشارہ کر کے کہا:

"محمد علی کی جوہرہ کو اس سے دُور اور سمندر سے ہم آغوش کر دو۔" پھر خسرو محمد علی کو ایک سنگدل فتح مند کی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا:

"اے ذلیل لڑکے! تمہارے ایک دوست نے مجھ سے قسم لی ہے کہ میں تمہاری جان نہ لوں۔ گو میں تمہارے دوست پر مہربانی کر کے تمہیں زندہ چھوڑ رہا ہوں لیکن تمہاری گستاخی و بے ادبی کا تمہیں ضرور مزہ چکھاؤں گا۔ انتقام لینے کے لئے صرف قتل ضروری نہیں ہے۔ لو اب میری پسند کی ہوئی سزا دیکھو۔ مجھے امید ہے تم اُسے زندگی بھر یاد رکھو گے!" یہ کہہ کر خسرو نے سفید چادر کو الگ کیا۔ صبح کی آمد آمد تھی۔ اجالے نے اندھیرے کو بھگا دیا تھا اس لئے محمد علی ایک گز کے فاصلے سے بخوبی دیکھ رہا تھا کہ ٹکٹکی پر جوہرہ جکڑی ہوئی ہے۔ اس وقت ایک گز کا یہ فاصلہ محمد علی کے لئے ہزاروں میل مسافت تھی جسے طے کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ محمد علی کو یاد آیا کہ خسرو نے روپیہ دے کر جوہرہ کو خریدا ہے۔

اس لئے وہ اس کی لونڈی ہو چکی ہے اور آقا کو اپنی لونڈی قتل کرنے کا حق حاصل ہے۔ آقا چاہے تو اپنی لونڈی کو زندہ درگور کر دے یا مچھلیوں کا لقمہ بنا دے۔ اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ محمد علی کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی، آنسو بہنے لگے اور وہ چپ چاپ دیکھتا رہا۔ اب جوہرہ کو بھی خبر ہو گئی کہ محمد علی اس کے قریب ہے۔ اس نے اٹھنا چاہا لیکن بیڑیوں نے اٹھنے سے باز رکھا۔ مجبوراً جوہرہ نے اپنا منہ محمد علی کی طرف کر لیا اور کہا:

"پیارے محمد علی! اپنے دل پہ قابو رکھو اور خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے ہمیں اکٹھے کر دیا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہماری یہی خواہش تھی کہ اس دنیا سے ایک ساتھ رخصت ہوں خدا نے ہماری اس درخواست کو قبول کر لیا ہے۔ تم اپنے وعدہ پر قائم رہو اور اپنی آواز سے مجھ میں ہمت پیدا کرو کہ میں ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر سکوں۔"

یہ کہتے ہی بے اختیار جوہرہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ خسرو پاشا نے جوہرہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"جوہرہ! میں نے تجھے مال دے کر خریدا تھا۔ تو قسم کھا کر یہ درخواست کر کے گئی تھی کہ دن اپنے باپ کے ساتھ گزار کر رات کو میرے پاس لوٹ آئے گی مگر تو مجھے بیوقوف بنا کر اس گستاخ غلام کے ہمراہ فرار ہو گئی۔ گو تجھے اپنے بااختیار آقا کے ساتھ بے ایمانی کرنے کے جرم میں سزا ملنی چاہیئے لیکن مجھے اب بھی تجھ سے محبت ہے۔ اگر تو میرے ہمراہ چل کر اپنے باپ کے سامنے میری وفادار لونڈی ہونے کا اقرار کرے اور سب کے سامنے مجھے پسند کر کے میرے ہمراہ چلنے پر تیار ہو جائے تو میں تیری خطا معاف کرنے پر غور کر سکتا ہوں۔ مجھے تیری کم عمری اور تیرے حسن پر رحم آتا ہے۔ میں تجھے پیار کرتا ہوں: جو ہو چکا ہے اسے میں اپنی امانت گنوانے کا انتقام اور اس ذلیل غلام کی گستاخی کا بدلہ سمجھ کر فراموش کر دوں گا۔ آخر تو مجھ سے نفرت کیوں کرتی ہے۔ اگر تو کمزوری کے باعث اپنی زبان سے کچھ کہنے سے قاصر ہے اور میری شرائط کو منظور کرتی ہے تو تین بار اپنے سر کو جنبش دے کر اقرار کر اور دیکھ کہ میں ابھی اپنے ہاتھ سے تیری بیڑیاں کھول کر تجھے آزاد کر دیتا ہوں۔"

جوہرہ پاشا کی باتوں کو ان سنی کر کے محمد علی پر یوں نظر جمائے ہوئے تھی جیسے اس کی

نظریں بے نظر ہو گئی ہوں۔ اس نے خسرو پاشا کے اصرار کے باوجود اپنے سر کو جنبش نہ دی۔ بے بس محمد علی غصہ میں پیچ و تاب کھاتا ہوا اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اس آخری وقت میں بھی اپنی چاہنے والی کی وفاداری دیکھ کر اپنی قسمت پر فخر کر رہا تھا۔ گو وہ زبان سے جوہرہ کے ساتھ گفتگو کرنے سے مجبور تھا مگر اس کی رُوح جوہرہ کی روح سے گفتگو میں معروف تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کی گفتگو سمجھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی جوہرہ ظالم پاشا کو شرمندہ کرنے کے لیے اس کی کسی بات کو کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ گو اسے علم ہے کہ اس کی خاموشی موت کو دعوت دے رہی ہے لیکن وہ محمد علی سے بیوفائی کرنے کے بجائے موت سے ہمکنار ہونا پسند کرتی ہے۔ وہ محمد علی کی خاطر موت کو زندگی پر ترجیح دیتی ہے وہ یہ سب کچھ اس لئے نہیں کر رہی کہ اسے اپنی محبّت کا ثبوت دے بلکہ وہ چاہتی تھی کہ محمد علی اس کے بعد بھی زندہ رہ جائے تو اس کی محبت کو یادگار سمجھ کر یاد رکھے۔ محمد علی دیکھ رہا تھا کہ جوہرہ نے اس کے ہمراہ مرنے کو کسی دوسرے کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کرنے پر ترجیح دی ہے۔ یہ بچی محبّت ہے جسے موت بھی دل سے نہیں نکال سکتی۔ یہ عظیم موت ہے جسے محبت نے مقدس بنا ڈالا ہے۔ محمد علی اور جوہرہ کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ دونوں بات چیت کرنے سے بھی معذور تھے مگر ان دونوں کی روحیں آزاد تھیں محو تکلم تھیں اور ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

جب خسرو کی سر توڑ کوشش کے بعد بھی جوہرہ نے آنکھ اٹھا کر اسے کوئی جواب نہ دیا تو وہ غصّہ سے لال بھبھوکا ہو کر بولا:

"اے بد دیانت لونڈی! اب میں تجھے موت کی گہری نیند سُلا دیتا ہوں۔"

پاشا نے دونوں خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ جوہرہ کو ایک بوری میں خوب اچھی طرح بند کر کے بوری کے منہ کو مضبوطی سے باندھ دو اور کشتی میں رکھ کر محمد علی کی آنکھوں کے سامنے سمندر کی نذر کر دو۔ خواجہ سراؤں نے حکم کے مطابق بوری کے منہ پر لوہے کا ایک وزنی ٹکڑا باندھا تاکہ بوری جلد سے جلد سمندر کی گہرائیوں میں گم ہو جائے۔ پھر بوری کو کشتی میں رکھ کر سمندر میں کچھ دور تک لے گئے اور بوری سمندر کی نذر کر دی۔ خسرو پاشا قہقہے بلند کرتا

ہوا اس منظر کو دیکھتا رہا جیسے وہ کوئی جلاّد تھا جو اپنے مقتول دشمن کو دیکھ رہا ہو۔ اُسے خدا کے ایک بے گناہ معصوم بندے کو قتل کرنے کا کوئی افسوس نہ تھا۔ خواجہ سرا لوٹے تو خسرو پاشا نے محمد علی کے قریب پہنچ کر تمسخر بھرے لہجہ میں اس سے خود رخصت ہونے کی اجازت لی اور خواجہ سرا سے کہا:

"محمد علی کو اسی محفوظ مقام پر پڑا رہنے دو۔ اس کے حامی اسے ڈھونڈ لیں گے۔ خدا کا شکر ہے میں نے اپنا وعدہ ایفا کیا اور اسے کوئی معمولی سی بھی تکلیف نہ ہونے دی۔"

یہ کہتے ہی خسرو پاشا اور اُس کے پیچھے دونوں خواجہ سرا قوالہ کی طرف چل پڑے تاکہ حسان شوربجی کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوں۔ اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی۔ جہاز ساحل پر تیار کھڑا تھا اور پاشا اپنا تمام سامان جہاز پر بھیج چکا تھا۔ خسرو نے حسان شوربجی کے مکان پر پہنچ کر اسے اپنی روانگی سے مطلع کیا۔ گو حسان ننگے پاؤں اُس کے ساتھ ساحل تک آیا اور راہ میں اظہار حسرت و افسوس کرتا رہا لیکن اُس کا دل اب بھی نہ مانتا تھا کہ وہ خسرو پاشا سے نجات پا رہا ہے۔ جہاز سمندر میں کچھ دور آگے بڑھ گیا تو حاکم حسان شوربجی لوٹا اور اپنے بیٹے عثمان کو اس بدطینت سے رہائی پانے کی خوشخبری سنائی۔ عثمان نے اس خوشخبری کو کوئی اہمیت نہ دی۔ کیونکہ اُسے اپنے پیارے دوست محمد علی کی سلامتی کا خیال ستا رہا تھا اور وہ بڑا گھبرایا ہوا تھا۔ اپنے باپ کے استفسار پر عثمان نے رات کا واقعہ سنا کر بتایا کہ وہ رات بھر جاگتا رہا ہے لیکن محمد علی نے پستول چلا کر اپنی کوئی خبر نہیں دی۔ اس لئے اب اسے یقین ہے کہ محمد علی کسی خطرہ میں گرفتار ہو چکا ہے۔ وہ خود چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ پھر شب بھر کی بیداری نے اسے بہت زیادہ کمزور کر دیا ہے۔ وہ خود اس سلسلہ میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اس لئے اب اس کے باپ کو چاہیئے کہ اپنے دونوں غلاموں کے ہمراہ جائے اور محمد علی کو ڈھونڈ نکالے۔

حسان نے اپنے دونوں غلاموں کو ہمراہ لے کر پہلے تو محمد علی کو پہاڑ کی چوٹی پر تلاش کیا۔ پھر ساحل پر پہنچا۔ محمد علی ریت پر پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں اب تک جکڑے ہوئے تھے۔ حاکم نے اپنے ہاتھ سے آزاد کر کے اس کے منہ سے تھیلی بھی اتار دی۔ ایک غلام نے

منہ پر چھینٹے دیئے۔ کچھ دیر بعد محمد علی ہوش میں آتے ہی اٹھ کر بیٹھا اور فوراً جست کر کے الگ جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی برق رفتاری پر اس ہرنی کا دھوکا ہوتا تھا جس کے بچے گم ہو گئے ہوں یا وہ کوئی ایسا چیتا معلوم ہو رہا تھا جسے کسی جال سے رہائی ملی ہو۔ محمد علی نے پہلے تو چاروں طرف نظر دوڑائی۔ پھر ایک چیخ بلند کر کے ہاتھ پھیلا کر سمندر کی طرف بھاگ اٹھا۔ جیسے کسی کو گلے ملنے کا ارادہ ہو۔ حسان شوربجی اور غلام بھی پوری تیزی سے اس کے تعاقب میں دوڑے اور حسان نے اسے اپنی گرفت میں لے کر کہا۔

"محمد علی! اپنے دل کو سنبھالو اور عقل سے کام لو۔ اگر خدانخواستہ تمہاری جان پر بن آئی تو عثمان بھی تمہارے غم میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

محمد علی کچھ نہ سمجھ سکا۔ حسان کی گرفت میں کھڑا کانپتا رہا۔ پھر اس جگہ کو دیکھ کر جہاں جوہرہ کو غرق کیا گیا تھا۔ زبان سے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی زبان نے بھی ساتھ نہ دیا۔ اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں اور بیہوشی نے اس پر پھر قبضہ جما لیا۔ حسان کے حکم سے غلاموں نے محمد علی کو اٹھا کر گھر پہنچایا تو عثمان اسے دیکھتے ہی بھاگ کر آیا اور اپنے دوست کے ہاتھ چومنے اور اپنے گرم گرم آنسوؤں سے اس کے چہرے کو دھونے میں مصروف ہو گیا۔ اس کے سچے آنسو محمد علی کے لئے آب حیات بن گئے اور وہ آنکھیں کھول کر عثمان کو دیکھتے ہوئے سرد آہ بھر کر آہستہ سے بولا:

"جوہرہ اپنی منزل کی طرف چلی گئی ہے۔"

محمد علی کے ایک فقرے نے رات کی مکمل داستان اور اس کے رنج و الم کو بیان کر دیا اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔

❀

۲۷

ازدواجی زنجیروں میں

جوہرہ کے قتل، خسرو پاشا کے ظلم اور محمد علی کی بے بسی کے اس واقعہ کو دس سال ہو گئے اور اس دوران اہل قوالہ کے شب و روز بدستور گزرتے گئے۔ سمندر میں پہلے کی طرح مدوجزر اٹھتے رہے اور وہ طلوع کے وقت جگمگاتا اور رات کے اندھیرے میں تاریک ہوتا رہا۔ سمندر اپنے بوجھ کو اٹھاتا اور اپنے شکم میں پہنچی ہوئی چیزوں کو ہضم کرنے میں مصروف رہا۔ پہاڑ کی بلند چوٹیاں بدستور فضا میں اپنی تنہائی پر افسوس کرتے ہوئے سمندر کی بھاگ دوڑ کو رشک بھری نظروں سے گھورتی رہیں۔ دس سال کا عرصہ گزر گیا لیکن آدمیوں کے چہروں کے سوا کوئی چیز بھی اس سے متاثر نہ ہوئی۔ وہ شخص جو پُر لطف زندگی گزارتا ہو۔ دس سال کے طویل عرصہ کو ایک دن کے برابر سمجھتا ہے کیونکہ اسے ماضی کی یاد سکون بخشتی ہے لیکن بدقسمت لوگوں کے لئے ایک دن ایک سال بن جاتا ہے۔ ماضی کا خیال ان کے دکھ میں اضافہ کرتا ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ انسان کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ خوشی کے دن گزر جاتے ہیں اور مصیبت کا زمانہ کٹ جاتا ہے۔ کیسا ہی گہرا زخم کیوں نہ ہو۔ وقت کا مرہم اسے شفا دیتا ہے۔ صابر و شاکر لوگ مصیبت کے چنگل سے بچ نکلتے ہیں اور صبر نہ کرنے والے ناامید لوگوں کو مایوسی نگل جاتی ہے۔

شیخ بردستا بھی اپنی بیٹی کی گمشدگی پر صبر کرنے سے قاصر رہا۔ اُسے امید کی کوئی کرن نظر نہ آئی اور وہ ناامیدی کے چنگل میں پھنس کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ زندگی کے آخری لمحہ بھی اُس کے لبوں پر اپنی بیٹی جوہرہ کا نام تھا۔ شیخ بردستا کو دفن کر کے اہل بردستا نے اپنے کاموں میں مصروف ہو کر جوہرہ کی طرح اُس کے باپ کو بھی فراموش کر دیا اور دونوں گمشدہ انسانوں کو ماضی کی امانت بنا لیا۔

محمد علی گاہے گاہے بردستا کے گلی کوچوں میں بدحواسی و خستہ حالی کی تصویر بنا گھومتا پھرتا نظر آجاتا۔ گو لوگ گذشتہ واقعات کو بھول چکے تھے اور یہ بھی فراموش کر چکے تھے کہ ایک زمانہ میں ان کی مصیبتوں کا باعث یہی محمد علی تھا لیکن محمد علی کو آج بھی ماضی کے واقعات یاد تھے۔

ماضی میں حاکم حسان سویرکی محمد علی کو اپنے گھر لایا تو کچھ روز تک محمد علی حواس باختہ ہو کر آسمان پر نظریں گاڑ کر دیکھتا رہا تھا۔ حسان اور عثمان کی کوششیں، بزرگوں کے تعویذ اور ہر قسم کا علاج محمد علی کو صحتیاب کرنے میں ناکام رہا تھا۔ وہ عالم خیال میں جوہرہ کو دیکھتا جو طلوع آفتاب کے وقت نظریں جھکا کر اُسے دیکھ رہی ہوتی۔ کبھی وہ بے گناہ معصوم جوہرہ کو سمندر میں غرق کرنے والا دردناک نظارہ دیکھتا اور اپنے جسم کی کپکپی پر قابو نہ رکھ سکتا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونا چاہتا لیکن کمزوری کے باعث ہلکی سی سالس کے سوا جو اُس کے ہونٹوں پر دنیا کو اس کے انتقام سے خوفزدہ کرتی ہوئی گزر جاتی تھی۔ کوئی آواز پیدا نہ ہوتی۔ عثمان نے رات رات بھر جاگ کر اپنے دوست کی تن دہی سے خدمت کی لیکن محمد علی تندرست نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ اس کی جان کے لالے پڑ گئے اور وہ اپنے ہر غم کو بھلا بیٹھا۔ پھر جوں جوں غم کے گھاؤ بھرتے گئے۔ اسے صحت ہوتی رہی۔ عثمان کے ساتھ اس کی چچا زاد بہن عائدہ بھی رات رات بھر بیدار رہ کر محمد علی کی خدمت میں مصروف رہی تھی۔ محمد علی کی غیر حالت سے مطلع ہو کر محبت کے جوش میں جھوٹی شرم کو الگ کر کے اُس نے اپنے شوہر سے طلاق حاصل کر لی تھی اور اپنے باپ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب وہ محمد علی کی ہو کر رہے گی۔ اس لئے اسے محمد علی کی تیمار دار بننے کی اجازت دی جائے۔ اُس کا باپ مزاحم نہ ہوا تھا اس لئے اب عائدہ عثمان کے ساتھ ساتھ محمد علی کی خدمت میں حاضر رہنے لگی تھی۔ محمد علی ہذیان کے عالم میں جوہرہ کی محبت، اس کا قتل اور قاتلوں سے انتقام لینے کی باتیں کرتا تو عائدہ سنتی اور روز بروز محمد علی کی محبت میں گرفتار ہوتی چلی جاتی۔ محمد علی قدرے تندرست ہوا تو عائدہ کی اپنے ساتھ شادی کرنے کی خواہش، پُرخلوص محبت، تیمارداری اور قربانی کا حال سن کر متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ وہ ایک عرصہ تک سوچتا رہا کہ محبت کا جواب محبت سے دے یا عائدہ کو مایوس کر کے سنگدل بن جائے۔ پھر وہ سوچتا۔ میں ایک بار اپنی سنگدلی کا مظاہرہ کر کے اس کا صلہ پا چکا

ہوں جو میرے لئے کافی ہے۔ کافی عرصہ تک کشمکش میں مبتلا رہ کر محمد علی نے حسان کو مل کر اپنے خیالات کا اظہار کر کے مشورہ لیا۔ حسان نے عائدہ سے شادی کی صلاح دی اور نئی محبت نے پرانی محبت کی جگہ لے لی۔ محمد علی کے مرض کا علاج نئی محبت ثابت ہوئی اور وہ چند ہی روز بعد مکمل تندرست ہو گیا۔ عائدہ رات رات بھر بیدار رہ کر اس کی خدمت کر رہی تھی۔ ایک دن محمد علی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کی محبت کا اقرار کرنے کے بعد شادی کرنے کی خواہش بیان کی۔ حاکم حسان شوربجی نے محمد علی اور عائدہ کو ازدواجی زنجیروں میں باندھ دیا اور عائدہ نے خوش ہو کر اپنی کل دولت محمد علی کے سپرد کر دی اور اب لوگ محمد علی کو ایک خوش قسمت مالدار شوہر کی حیثیت سے جاننے لگے۔

اب محمد علی کی عجیب کیفیت رہی۔ وہ صبح کے وقت خوش و خرم ہوتا تو شام کو اداس، لیکن کوئی سی حالت بھی مستقل اُس پر قابو نہ پا سکی۔ عائدہ سے شادی کے بعد اُس کا مال بھی محمد علی کے قبضہ میں آگیا۔ محمد علی نے اپنے دیرینہ دوست لیون کی زیر نگرانی تمباکو کی تجارت میں اپنا روپیہ لگایا جس میں اُسے حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔ دور دراز کے تاجروں نے محمد علی کی دوکان سے تمباکو خریدنے کو ترجیح دی اور اس کی کاروباری دیانت کو سراہا۔ اس طرح محمد علی روز بروز مال دار ہوتا چلا گیا۔ دونوں میاں بیوی باہم شیر و شکر ہو کر زندگی گزارنے لگے۔ خدا نے محمد علی کو تین لڑکے بھی عطا کئے۔ محمد علی کو اپنے بچوں سے بڑی محبت تھی۔ اس نے بچوں کو تیرنا، کشتی رانی، فن سپاہ گری، مچھلی اور دوسرے پرندوں کا شکار کرنے میں ماہر بنا دیا لیکن اس نے اپنے بچوں سے ہمیشہ اس بہشت کو چھپائے رکھا جو پہاڑ کی چوٹی پر موجود تھا۔ اس غار کو کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ قدرت بھی اس غار کو دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رکھنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے بھی غار کا دہانہ ریت سے بند کر دیا تھا۔ معصوم جوہرہ کے قتل کو دس برس کا عرصہ گزر گیا اور وہ لوگوں کے ذہن سے فراموش ہو گئی۔ اب محمد علی کو بھی لوگ ایک مالدار تاجر اور عائدہ کے شوہر کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن محمد علی دس برس قبل کے قتل کے واقعہ کو آج بھی نہ بھولا تھا۔ عائدہ سے نکاح کرنے سے کچھ پہلے جب رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی اور لوگ خواب غفلت میں کھوئے

ہو گئے تھے۔ محمد علی پہاڑ کی طرف روانہ ہوا اور بڑے احترام سے غار میں داخل ہو کر فرش پر دراز ہو گیا۔
جوہرہ کے غم نے اس پر قابو پا لیا اور پرانی محبت کی آگ کو اُس کے آنسو بھی نہ بجھا سکے۔ محمد علی اس
مقدس قربان گاہ پر آنسو بہا کر کفارہ ادا کرتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس رات کے بعد یہ بہشت
اور اس کی نیرنگیاں فراموش ہو جائیں گی یا فراموش کرنی پڑیں گی۔ محمد علی رات بھر اسی حالت میں
پڑا رہا۔ علی الصبح غار سے باہر نکلا اور ارادہ کیا کہ اس مقدس قربان گاہ کے تمام خوشگوار اور
ناخوشگوار واقعات کو یہیں دفن کر دے گا۔ قدرت نے اس کے ارادہ کو عملی جامہ پہنایا اور
ایک بڑے پتھر کو گرا کر تمام نشانات مٹا دیئے لیکن کیا وہ نقوش محمد علی کے لوح دل سے مٹ سکتے تھے
اور کیا وہ یوسفیانوس کی چٹانوں پر جا کر سمندر کے نظارے محض تفریح کے لئے دیکھتا تھا
اور کیا اُس کی شب بیداری، اُڑی اُڑی رنگت اور آنکھوں کی بے چینی محض جسمانی کمزوری
کے سبب تھی اور دل کے درد کو اس سے کوئی بھی واسطہ نہ تھا۔ نہیں.... نہیں.... گو وہ
ماضی کے واقعات کو فراموش کرنے کی بڑی کوشش کرتا تھا لیکن ان خیالات کو یکسر فراموش کرنا
بھی اس کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ تجارتی گہما گہمی اور لوگوں کی گفتگو سے دل بہلانے میں
مصروف رہتا اور بڑے بڑے مسائل میں لیون سے مزید مشورہ کرتا اور اپنے وقت کا بیشتر
حصہ دنیا بھر کی داستانیں سننے میں گزار دیتا۔ لیون اس کی دیرینہ آرزو سے واقف ہونے کے لئے
اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا مگر اُسے کچھ بھی پتہ نہ چلتا۔ حتیٰ کہ اس کی بیوی عائدہ بھی اپنے شوہر کی دلی
کیفیت سے ناواقف تھی۔ محمد علی کے دلی جذبات و احساسات کوئی واقف تھا تو وہ صرف
اس کا دوست عثمان تھا۔ ایک بار محمد علی اور عثمان ایک جلسہ میں موجود تھے۔ ایک شخص نے
بتایا کہ سلطان نے سرکش ممالک کی سرکوبی کے لئے مصر کی طرف ایک زبردست جنگی بیڑہ روانہ
کیا ہے۔ عثمان نے محمد علی کے چہرے کی طرف دیکھا تو یہ خبر سننے کے بعد محمد علی کی پیشانی چمک
رہی تھی۔ پھر ایک دن جب ایک سوداگر نے کہا کہ خسرو پاشا جس نے اپنی جلاوطنی کے
ایام تواریر میں گزارے تھے۔ مصر کا والی بنا دیا گیا ہے تو یہ سنتے ہی محمد علی کے چہرے پر
زردی چھا گئی تھی جسے دیکھ کر عثمان کو پتہ چل گیا تھا کہ محمد علی اپنے سینہ میں انتقام کی سلگتی

ہوئی آگ کو بجھانے کی ناکام کوشش کرتا رہتا ہے۔ محمد علی یہ خبر سن کر دن بھر غائب رہا تھا اور عثمان نے جب یوسفیانوس کی چوٹی پر دیکھا تھا تو اسے چوٹی پر ایک سیاہ نقطہ سا نظر آیا تھا۔ عثمان کو یقین تھا کہ یہ سیاہ نقطہ اس کا دوست محمد علی ہے جو تنہائی میں اپنے دل کی لگی کو بجھانے کے لئے ماضی کی نوحہ خوانی کر رہا ہے۔

(۲۸)

نیا محمد علی

•

اسی زمانہ میں فرانسیسیوں نے مصر کو فتح کرنا چاہا۔ اس وقت ممالیک مصر کے حاکم تھے۔ انہوں نے فرانسیسیوں کا سر توڑ مقابلہ کیا۔ سلطان ترکیہ نے بھی فرانسیسیوں کو مصر سے نکالنے کے لیے ایک زبردست بیڑا بھیج دیا۔ سلطان نے خسرو پاشا کو تمام اختیارات سونپ کر مصر کا والی مقرر کر کے حکم دیا کہ مصر سے فرانسیسیوں کو خارج کر کے ممالیک کی قوت پر بھی بھرپور ضرب لگائے۔ خسرو پاشا نے نئی ذمہ داری قبول کر کے سلطنت میں چاروں طرف قاصد اور جہاز بھیجے تاکہ نیا لشکر فراہم کرے اور سامان رسد بھی مہیا کرے۔ خسرو کے حکم سے ایک جہاز قوالہ بھی پہنچا۔ خسرو نے جہاز کے ناخدا کو حسان سوربجی حاکم شہر کے نام ایک خط دیا تھا۔ خط میں درج تھا:

"آقائے سلطان المعظم نے مجھے فرانسیسی لشکر کو مصر سے نکالنے اور ممالیک سے انتظام لینے کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس لئے سلطنت کے ہر حاکم اور شہری کا فرض ہے کہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں مصر پر قابض ہونے کے لئے جس قدر سپاہی مہیا کر سکے میرے پاس روانہ کر دے۔ میں اس صوبہ کو جس کے تم حاکم ہو دیکھ چکا ہوں۔ اس لئے تم میرا خط ملتے ہی فوراً تین سو سپاہیوں کا لشکر ترتیب دے کر میرے پاس بھیج دو۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا لڑکا عثمان صحتیاب ہو چکا ہے۔ مجھے تمہارا احسان یاد ہے اس لیے میں عثمان کو کپتان کا عہدہ دیتا ہوں اور عثمان کی خاطر اس کے دوست محمد علی کو اس کا نائب مقرر کرتا ہوں۔ تمہارا بیٹا لشکر اور محمد علی کو لے کر فوراً حاضر ہو جائے۔ اگر محمد علی بقید حیات ہے اور غم و غصہ نے اس کی جان نہیں لی تو میرا خیال ہے اب اسے زمانہ نے کافی سمجھدار بنا دیا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت ہمیں محمد علی کی قسم کے بالا تنور لوگوں کی ضرورت ہے۔"

حاکم نے خط پڑھا تو عثمان اور محمد علی کو اطلاع دی۔ پھر محمد علی کو کہا کہ لوگوں کو منتخب کرنے اور مشق کروانے میں عثمان کی پوری پوری مدد کرے۔ محمد علی حاکم کی درخواست کے مطابق نواحِ اور بروستا میں گھوم کر لوگوں کو اکٹھا کرنے لگا۔ حتیٰ کہ تین سو آدمی جمع ہو گئے اور محمد علی سے عسکری تربیت لینے لگے۔

محمد علی پہاڑی کی چوٹی پر تنہا بیٹھ کر ایک نیا آدمی بن چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب کوئی بھی اس کے دلی جذبات و احساسات سے واقف ہونے کا دعویٰ نہ کر سکتا تھا۔ جب لشکر تیار ہو گیا اور سفر پر روانگی کا دن قریب آ گیا تو عثمان نے محمد علی کو بلا کر کہا۔

"مجھے خسرو پاشا نے اس لشکر کا کپتان اور تمہیں میرا نائب مقرر کیا ہے اور تمہاری بہادری کو سراہا بھی ہے۔ تم بھی اپنا سامان سفر باندھ کر تیار ہو جاؤ۔"

"تم کمزور ہو۔ تمہیں کپتان کا عہدہ قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ میں بھی لشکر کے ہمراہ نہ جاؤں گا۔ گو خسرو نے میری تعریف میں مبالغہ سے کام لیا ہے لیکن اُسے یہ تو آج بھی یاد ہو گا کہ میں اُسے ایک ذلیل انسان سمجھتا ہوں اور اس کا جانی دشمن ہوں۔"

"تمہیں میری خاطر میرے ہمراہ چلنا پڑے گا۔ جب میں کمزور ہونے کے باوجود جا رہا ہوں تو تمہیں ایک مضبوط جوان ہو کر یہ موقعہ ہاتھ سے نہیں کھونا چاہیئے۔ خوب غور کر لو کہ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔"

محمد علی عثمان سے رخصت ہو کر گھر پہنچا۔ جب گھر میں دل نہ بہلا تو وہ تنہائی میں سوچنے سمجھنے کے لئے پہاڑی کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی وہ پہاڑی پر نہ پہنچا تھا کہ راہ میں بروستا کے نئے شیخ سے ملاقات ہو گئی۔ نیا شیخ محمد علی سے اپنے بیٹے کی طرح محبت کرتا تھا۔ اس نے محمد علی کے چہرے پر سوچ بچار کے نشان دیکھے تو اس کی وجہ دریافت کی۔ محمد علی کو چونکہ شیخ پر بڑا بھروسہ تھا۔ اس لئے بولا:

"آپ خسرو پاشا کے حکم سے واقف ہی ہیں۔ تین سو سپاہیوں کا لشکر تیار ہو چکا ہے۔ مجھے عثمان کا نائب مقرر کیا گیا ہے لیکن میں لشکر کے ہمراہ جانا پسند نہیں کرتا۔ میرا کاروبار ترقی پر ہے۔ پھر میں ہر من تنبع کے مقولہ کا قائل ہوں۔ میں خسرو پاشا کا دشمن ہوں۔ بہتر نہیں وہ

مجھ پر کیوں مہربان ہوا ہے؟"

"مغرور اور بد طینت خسرو پاشا نے اپنی جلاوطنی کے ایّام جن لوگوں میں گزارے ہیں۔ اب ان لوگوں کو اپنی شان و شوکت دکھانا چاہتا ہے۔ لوگ کئی کام ایسے کرتے ہیں جو بظاہر تو ان کی نیک نیتی اور خلوص دلی کا اعلان کرتے ہیں لیکن دراصل مکروفریب پر مبنی ہوتے ہیں۔ خیر میرا خیال ہے تمہیں ضرور لشکر کے ساتھ جانا چاہیئے۔ تم سوداگری کے دھندے میں اپنے نفس پر ظلم کر رہے ہو۔ تمہارا مقام اس سے کہیں بلند ہے۔ تمہیں سلطنت کے بلند مرتبہ پر پہنچنے کے لئے لشکر کے ساتھ جانے سے دل چرانا نہیں چاہیئے۔"

یہ کہہ کر شیخ محمد علی سے رخصت ہو گیا۔ محمد علی نے آج کے واقعات پر غور کیا۔ عثمان کا مصر جانے کے لئے اصرار، شیخ کی اتفاقی ملاقات، عثمان کے ساتھ مصر جانے کی ترغیب، وہ بڑا متعجب ہوا۔ جب پھر اسے اپنی ماں کا بیان کیا ہوا خواب اور اپنے ماضی کے ارادے یاد آئے تو وہ غور و فکر میں ڈوب گیا۔

محمد علی کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکا اور گھر لوٹ آیا۔ اُس کی خواہش تھی کہ سفر کا شوق دل سے محو ہو جائے۔ وہ اُسی بے چینی کے عالم میں رات بھر بیدار رہا۔ علی الصبح بیدار ہو کر وہ پہاڑ کی اس چوٹی پر پہنچا جہاں جوہرہ سے پہلی بار ملا تھا اور باہم عہد و پیمان ہوئے تھے۔ اس مقدس مقام پر کھڑے ہو کر محمد علی نے آسمان کی طرف دیکھا۔ جیسے آسمان سے کسی وحی کے نازل ہونے کا منتظر ہو۔ آفتاب طلوع ہوا اور اُسے اس دن کی یاد آ گئی جب اس کے دل میں جوہرہ کی محبت طلوع ہوئی تھی۔ اُس کی نگاہوں کے سامنے پہلے تو جوہرہ کی اوّلین ملاقات کا نقشہ آیا۔ پھر ماں دکھائی دی جو اپنا خواب اور تعبیر سنا رہی تھی۔ محمد علی نے اپنی موجودہ حالت پر غور کیا تو اسے محسوس ہوا کہ اب وہ پہلا سا محمد علی نہیں رہا جو اپنی جان کی بازی لگا کر بھی جوہرہ کی حفاظت کرنے کا خواہاں تھا یا سِتِّ خُضرہ کا بیٹا تھا اور عزّت و ناموری حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے سوچا۔ اب میں ایک تاجر ہوں جو زمین کے کیڑے کی طرح معمولی روزی پر قناعت کرتا رہتا ہے۔ کافی دیر تک اُس کے ذہن میں خیالات کی جنگ جاری رہی اور آخر کار اس نے بیوی بچوں کی خاطر مصر نہ جانے کا فیصلہ کیا۔

دوسرے دن علی الصبح محمد علی پھر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا۔ آج وہ اپنے مقدس مقام سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے آیا تھا۔ اس لئے زندگی میں آخری بار اس مقدس قربان گاہ کے واقعات کی یاد تازہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ زمین پر دراز ہوا اور ماضی کے تصورات میں ڈوب کر بے خود ہو گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ جوہرہ نے ارغوانی چادر اوڑھ رکھی ہے اور چادر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں اور وہ اپنی آنکھوں کے جادو کو جگا کر اس کی طرف دیکھ رہی ہے۔ محمد علی نے بے قرار ہو کر اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور بلند آواز سے کہا۔ جوہرہ! .... میری جوہرہ! .... میرے قریب آجاؤ۔ میں تمہاری چادر سے ٹپکتے ہوئے پانی کے قطروں سے اپنے دل کی آگ کو بجھانا چاہتا ہوں۔ آؤ میرے قریب آؤ اور مجھے میرے مستقبل کا حال بتاؤ۔ جوہرہ نے آگے بڑھ کر محمد علی کو گلے سے لپٹا لیا۔ محمد علی نے خواب میں اس کے گرم گرم سانسوں کو محسوس کیا اور اسی لمحہ بیقرار ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے قریب کوئی بھی نہ تھا اور نسیم سحری کے جھونکے اس کے منہ کو چوم رہے تھے۔ اس خواب کے بعد محمد علی کے لئے اپنے ماضی کو فراموش کرنا ناممکن تھا۔ اسے اپنی وہ قسمیں یاد آگئیں جو وہ جوہرہ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے کھا چکا تھا۔ اسے خیال آیا کہ اس وقت جوہرہ نے خواب میں ظاہر ہو کر اپنے قاتلوں سے انتقام لینے کی ترغیب دی ہے۔ محمد علی نے سوچا۔ مجھے اس موقعہ کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر میں چند معرکوں میں کامیاب ہو گیا تو مجھے انتقام لینے کا موقعہ مل جائے گا اور اگر میدان جنگ میں قتل ہو گیا تو ماضی کے دلخراش واقعات کو یاد کر کے ان کے فراموش کرنے میں جو تکلیف اٹھا رہا ہوں ان سے بچ جاؤں گا۔ شاید خدا نے یہ خواب دکھا کر میرے ارادوں کو مضبوط کرنا چاہا ہے اور مجھے مصر کا سفر اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ یہ سوچ کر محمد علی نے اٹھ کر سمندر پر نظریں گاڑ دیں اور سمندر کے اس پار دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کی نظریں مصر کے سنہرے ٹیلوں اور کشادہ میدانوں کو دیکھ رہی ہیں اور وہ خسرو پاشا کے بالمقابل ڈپٹ کر کھڑا ہوا ہے۔ بے ساختہ اس کی آواز بلند ہوئی "خسرو پاشا۔ تو غلطی کر چکا ہے۔ تو نے اسے طلب کیا ہے جو تجھے ظلم وستم اور تیری کمینگی کی سزا دینے کا عزم رکھتا ہے۔ تو اپنی تباہی و بربادی کا خود فیصلہ کر چکا ہے لیکن یاد رکھ۔ وہ اپنے حصول مدعا

کی راہ میں تیرا بڑا وفادار بن کر رہے گا۔ اس لئے تجھے ہوشیار رہنا چاہیئے۔"

محمد علی پہاڑی سے اُترا اور قوالہ کی طرف چل پڑا۔ اب وہ ایک نیا محمد علی بن چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی حیثیت قضا و قدر کے ایک آلہ کی ہے جسے وہ بڑے کاموں کی تکمیل کے لئے گردش میں رکھتی ہے۔

محمد علی حاکم کے قصر میں اپنے دوست عثمان کی ملاقات کے لئے گیا تو عثمان نے اس کی چال ڈھال سے اس کے خیالات پڑھ لئے اور کہا:

"میرا خیال ہے تم میری آرزو کی تکمیل اور میرے مستقبل کو درخشاں بنانے کے لئے میرے ہمراہ روانگی پر آمادہ ہو گئے ہو۔"

"نہیں، بلکہ میں اپنے حق کے حصول کی خاطر آمادہ ہوا ہوں۔ اگر حاصل کر سکا تو اچھا ہے۔ بصورت دیگر لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ شریف لوگ موت کو کس طرح گلے سے لگاتے ہیں۔"

❁

(۲۹)

روانگی

●

جب سفر کے دن قوالہ اور بردستا کے سپاہیوں نے ساحل کی طرف کوچ کیا تو حاکم حسان شوربجی نے محمد علی سے درخواست کی کہ اُس کے بیٹے عثمان کو اپنی نگرانی میں رکھے۔ اس کی طاقت سے زیادہ اسے کام نہ کرنے دے کیونکہ اُس کا دل اُس کے جسم سے زیادہ حوصلہ مند ہے۔ محمد علی نے قسم کھا کر کہا کہ وہ خطرے کے وقت عثمان کے سامنے ڈھال کی طرح حائل ہو جائے گا۔ ساتھ ہی محمد علی نے حاکم کو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا نانا ہونے کی حیثیت سے بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی تاکید کی۔ حسان، محمد علی اور عثمان باتیں کرتے ہوئے ساحل پر پہنچے تو شہر کے بیشمار لوگ لشکر کو رخصت کرنے کے لئے جمع تھے۔ ان لوگوں نے حاکم اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر خوشی سے نعرے لگائے۔ سپاہی خوش ہو رہے تھے اور شہر کے لوگ ان سے بھی زیادہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے کیونکہ وہ اپنے بھائیوں کو حاکم کے ہر دلعزیز بیٹے کے ماتحت جہاز پر جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ جب پورا لشکر جہاز میں سوار ہو گیا اور محمد علی کی باری آئی تو وہ اپنے بیوی اور بچوں سے رخصت ہونے لگا جو اس کے مخلص دوست لیون کے ہمراہ ساحل پر آئے تھے۔ محمد علی نے اپنی بیوی سے کہا:

"عائدہ! میں تم سے شاید آخری بار رخصت ہو رہا ہوں۔ میں تمہارے حُسنِ سلوک کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تم اس وقت آنسو بہا رہی ہو۔ میں تمہارے ان آنسوؤں کی قدر کرتا ہوں کیونکہ یہ تمہاری پُرخلوص محبت کا واضح ثبوت ہیں جو مجھ میں ثابت قدمی، جرأت و ہمت پیدا کر رہے ہیں۔ تمہارے ان آنسوؤں کی یاد مجھے ہمیشہ مسرت بخشے گی اور میرے دل میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا کرے گی تاکہ میں واپس آکر تمہارے ساتھ زندگی بسر کر سکوں۔ تم بھی مجھے فراموش نہ کرنا۔ میرے بیٹوں کا خیال رکھنا اور انہیں بتانا کہ وہ سپاہی کے بیٹے ہیں جو اپنی اولاد کو تعلیم یافتہ ماہر

سپاہی اور شریف انسان دیکھنا چاہتا تھا تاکہ اس کی اولاد اہم معاملات کو سرانجام دینے کے قابل ہو۔ اچھا عائدہ! خدا حافظ۔ تم نے مجھے جو خوش رکھنے کی کوششیں کی ہیں۔ میں اُن کا ہمیشہ شکریہ ادا کرتا رہوں گا۔" محمد علی چونکہ منافق نہیں تھا اس لیے یہ نہ کہہ سکا کہ میں تمہاری کوششوں کے طفیل خوش و خرم زندگی بسر کرتا رہوں گا۔ اس نے ہمیشہ اپنی بیوی سے اپنے دلی جذبات و احساسات کو چھپایا تھا اور ظاہراً خوشی کا اظہار کر کے اپنی اولین محبت کی ناکامی اور جوہرہ کے قاتلوں سے انتقام لینے کے ارادے کو چھپاتا رہا تھا۔ محمد علی نے عائدہ کو اپنے سفر کے صحیح اسباب بھی نہ بتائے تھے اور اُس کی بالکل خبر نہ ہونے دی تھی کہ وہ اپنے دشمن خسرو پاشا کے پاس پہنچ کر مناسب موقع پر اُسے عبرتناک سزا دینا چاہتا ہے تاکہ پاکدامن جوہرہ کے قتل کا انتقام لے سکے۔ محمد علی نے بیوی کو رخصت کر کے سمندر کے اس حصہ پر ایک نظر ڈالی جہاں جوہرہ کو غرق کیا گیا تھا۔ پھر چھلانگ لگا کر ایک چھوٹی کشتی میں سوار ہوا اور اُسے آگے بڑھا کر جہاز کے قریب پہنچا۔ عثمان نے آگے بڑھ کر اُس کا استقبال کیا اور بولا:

"پیارے بھائی! آجاؤ۔ اب ہم دونوں عزت و شہرت کی تلاش میں ہمسفر ہیں۔"

یہ سن کر محمد علی مسکرایا۔ حاکم حسان شوربجی نے دونوں کو الوداع کہا اور محمد علی کے گلے لپٹ کر کان میں پھر ایک بار عثمان کی نگرانی رکھنے کی تاکید کی اور دونوں کو دعائیں دیتا ہوا کنارے کی طرف لوٹ گیا۔ چند لمحوں بعد سمندر کنارے سے رخصت کی سلامی دی گئی۔ جہاز کا لنگر اٹھا اور وہ موجوں سے راز و نیاز میں مصروف کنارے سے دُور ہوتا چلا گیا۔ محمد علی نے عثمان سے مخاطب ہو کر کہا۔

"عثمان بھائی! جوہرہ اس وسیع و عریض سمندری قبر کے بائیں کونے میں دفن ہے۔ ماضی بیت چکا ہے اور حال نے ہمیں مسکرا کر پکارا ہے۔ میں حال ہی میں بے گناہ جوہرہ کا انتقام لوں گا اور اپنے ہاتھوں سے اس کا ایسا انوکھا مقبرہ تعمیر کروں گا جو اب سے پہلے کسی عورت کی لاش کو نصیب نہیں ہوا۔ میں اس وسیع سمندری قبر کے مصری ساحل پر مقبرہ تعمیر کرنے کا عزم رکھتا ہوں عثمان بھائی! تم اپنا دل مضبوط رکھو اور میرے ہمراہ رہو۔ یقیناً وہ دن بھی آئے گا جب دنیا ہماری سربلندی کو رشک بھری نظروں سے دیکھے گی!"

❁

۳۰

ابو قیر میں

اس وقت مصر پر ممالیک کا قبضہ تھا۔ ان کا بادشاہ ایک بڑا طاقتور مملوک مراد بک نامی تھا جس نے مصر کو ترکی کے دائرہ حکومت سے الگ کر کے اپنی نگرانی میں لے لیا تھا۔ ایک روز اسکندریہ میں اُس کے قصر میں خبر آئی کہ فرانسیسی جنگی بیڑہ بندرگاہ میں داخل ہو گیا ہے اور بہت سے فرانسیسی سپاہی خشکی پر اتر آئے ہیں۔ گو مراد بک کو انگریزی سفیر کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ فرانس مصر کو فتح کرنے کے بعد یہاں حکومت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے مگر اس نے اس چیز کو کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ جب جنگی بیڑے کی آمد اور فرانسی سپاہیوں کے خشکی پر آجانے کی اطلاع ملی تو مراد بک نے مسکرا کر اپنے قریب ہوئے ارکین سلطنت سے کہا کہ شاید فرانسیسی بھکاریوں کو خیرات کی ضرورت ہے۔ انہیں خیرات دے دو تاکہ لوٹ جائیں۔ ورنہ میں اپنے غلاموں کو حکم دوں گا کہ انہیں دھکے مار مار کر نکال دیں۔ مراد بک نے فرانسیسی جنگی بیڑے کا تمسخر اڑایا لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ فرانس کا یہ جنگی بیڑا دنیا کے مشہور جرنیل نپولین بوناپارٹ کے ماتحت تھا۔ . . . . بوناپارٹ نے اپنی حکومت کو ہندوستان فتح کرنے کے لئے اکسایا تھا اور اُس کی حکومت نے ہندوستان کی فتح کا کام اسی کو سونپ دیا تھا۔ بوناپارٹ کا مصر پر حملہ ہند کی فتح کے سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ مصر پر قبضہ کر کے اسے فرانس و ہند کے درمیان فرانسیسیوں کے ایک پڑاؤ کی حیثیت دے۔

جب مراد بک نے بوناپارٹ کو مصر پر قبضہ کرنے کے لئے مستعد دیکھا تو مقابلہ پر آ گیا۔ کئی گھمسان کی جنگوں میں مراد بک کی غلط فہمی دُور ہو گئی۔ خاص طور پر جب جنرل ویزیہ اور تقریباً چار ہزار فرانسیسیوں سے مقابلہ ہوا تو یہ جنگ بڑی خونریز ثابت ہوئی۔ جنرل ویزیہ کے لشکر نے ممالیک کو چاروں طرف سے گھیر کر مسلسل آتشبازی کی اور سب کا صفایا کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد مراد بک نے خوب ڈٹ کر فرانسیسیوں سے مقابلے کیے جن میں فریقین کے بیشمار آدمی کام آئے۔ مجبوراً نپولین اپنے ملک کو لوٹا تاکہ از سرِ نو اپنے لشکر کے لئے تازہ دم سپاہی بھرتی کر کے واپس آئے اور ایک فیصلہ کن جنگ کے بعد مصر پر قبضہ کرے مگر نپولین کی تقدیر ہار چکی تھی کیونکہ جنرل کلیسپر میدان جنگ میں اچانک کسی کے خنجر سے قتل ہو گیا۔ اس کے قتل کی خبر شہر کے لوگوں نے سنی تو یکلخت چاروں طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور "فرانسی ہلاک .... فرانسی ہلاک" کے نعرے بلند کرنے لگے۔ فرانسیسی لشکر میں کھلبلی مچ گئی اور دول یورپ نے آکر فیصلہ کیا کہ فرانسیسی لشکر کو زندہ لوٹ جانے دیا جائے۔ بچی کھچی فرانسیسی سپاہ خوشی سے لوٹ گئی اور مصریوں نے بھی خوشی کے شادیانے بجائے۔ فرانس اور مصر میں صلح کروانے کا سہرا انگریزوں کے سر باندھا گیا۔ مصر انگریزوں کا شکر گزار ہوا۔ برطانوی حکومت نے اس موقع کو مناسب سمجھ کر مصر میں پر پرزے نکالنے شروع کئے اور اپنا خاصا اثر قائم کر کے اپنے سفیر لارڈ بالان کی وساطت سے باب عالی اور ممالیک کے مابین صلح کی کوششیں شروع کیں جس کے نتیجہ میں یہ فیصلہ ہوا کہ ممالیک قاہرہ سے دستبردار ہو کر مصر کے بالائی حصہ میں سکونت اختیار کر لیں گے۔ انہیں نئی زمین دی جائے گی اور اپنا لشکر رکھنے کی اجازت بھی ہوگی اور انہیں کوئی بھی تنگ نہ کرے گا۔ ممالیک ایک عرصہ سے جنگ و جدل میں مصروف تھے اور اب مسلسل لڑائیوں سے بیزار ہو چکے تھے۔ اس لیے ان شرائط پر راضی ہو گئے اور لارڈ بالان کو کہہ دیا کہ ہمیں مصر کی یہ تقسیم قبول ہے۔ ہم اس وفد کے فیصلہ کو جو مصر کو ہمارے اور باب عالی کے درمیان تقسیم کرنے کا قبول کریں گے اور ان شرائط کی پابندی بھی کریں گے جو وفد فریقین میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے پیش کرے گا۔ ممالیک اور باب عالی کے درمیان صلح کی گفتگو شروع ہو گئی۔ ممالیک کو قسطنطنیہ سے آئے ہوئے ایک وفد نے ابوقیر میں بلا لیا۔

ممالیک نے ابوقیر پہنچ کر اپنے خیمے نصب کر دیئے اور وفد سے ملاقات کے دن کا انتظار کرنے لگے تاکہ صلح کی شرائط طے کر کے ملک کے بالائی حصہ میں چلے جائیں۔ اب ممالیک کا اکثر وقت ہنسنے، کھیلنے اور کھاتے پیتے گزرنے لگا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی مصیبت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے یا ختم ہونے والا ہے۔ اسی عالم میں پندرہ دن کا عرصہ گزر گیا۔ وفد خوش اسلوبی سے صلح کی گفتگو کو کھٹائی میں ڈال کر وقت گزار رہا۔

مراد بک کی وفات ہو چکی تھی اور اس کے بعد ایک طاقتور سردار عثمان بک بردیسی ممالیک کا بادشاہ بن چکا تھا۔ ممالیک کو ابو قیر پہنچے پندرہ دن ہو گئے تو سولھویں دن مراد بک کی بیوہ ست نفیسہ لشکر میں آکر عثمان بک کے خیمہ میں داخل ہوئی اور اُسے بتایا کہ اس کے شوہر مراد بک نے رات کو خواب میں حکم دیا ہے کہ عثمان بک کے پاس جا کر اُسے ہوشیار کر دے اور فوراً قاہرہ لوٹ جانے کا مشورہ دے کیونکہ وفد کے لوگ بڑے مکار، فریبی اور بے ایمان ہیں۔ ان کے وعدے جھوٹے ہیں۔ سلطان ممالیک کو اپنا سخت دشمن سمجھتا ہے اور انہیں مصر سے نکالنے کا فیصلہ کر چکا ہے اور یہ وفد سلطان کے اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آیا ہے اور تمام ممالیک کو موت کی نیند سلانا چاہتا ہے۔ پھر ست نفیسہ نے عثمان کو بتایا کہ اُسے وفد کی بدنیتی کا حال ایک ہوشیار شخص کی زبانی بھی معلوم ہوا ہے اور وہ اس شخص کا نام بتانا پسند نہیں کرتی۔ اُس کا مشورہ ہے کہ عثمان آج ہی وفد سے ملاقات کرنے پر زور دے کر صلح کی شرائط کا فیصلہ کرے۔ اُسے ست نفیسہ کی باتوں کی سچائی کا ثبوت مل جائے۔ اگر وفد ملاقات کے لئے راضی ہو جائے تو اچھا ہے۔ بصورت دیگر تمام ممالیک کو چاہئے کہ غروب آفتاب سے قبل قاہرہ کی طرف روانہ ہو جائیں کیونکہ قاہرہ کے سوا وہ کہیں بھی پناہ نہیں لے سکتے۔ عثمان بک ست نفیسہ کے ذاتی وقار و بزرگی کی وجہ اور اپنے دوست مراد بک کی بیوہ ہونے کی حیثیت سے اس کی بڑی عزت کرتا تھا اس لئے اس کی باتیں سن کر بولا:

"میں آپ کی اس نصیحت کا شکر گذار ہوں لیکن ہم آج سفر کرنے سے معذور ہیں۔ پھر آج کوئی فیصلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دو روز قبل میں نے وفد کو کہلوایا تھا کہ میں جلد سے جلد فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ وفد نے چند روز کی مہلت مانگی ہے اور ہم انتظار کرنے کے لئے مجبور ہیں۔"

"تم نے وفد کو فیصلہ کے لئے کہلوا کر اپنے شک و شبہ کا اظہار کیا ہے اور وہ تقریباً ہوشیار ہو گئے ہیں۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ اب اس سے پہلے کہ تمہارا شک یقین میں تبدیل ہو وہ اپنی کارروائی مکمل کر لیں گے۔ تمہیں چاہیئے کہ اسی وقت اپنی قوم کو لے کر قاہرہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔"

" مجھے افسوس ہے میں آپ کی درخواست ماننے سے معذور ہوں کیونکہ لارڈ بالان اپنے افسروں کو دعوت دے رہے ہیں۔ میں اس دعوت میں شریک ہونے کے لئے سکندریہ جا رہا ہوں۔ میرے قریب ٹھہرے ہوئے ترکی نائب کو بھی دعوت دی گئی ہے۔ خیر اسے سیدہ! میں سکندریہ سے لوٹ کر فوراً قاہرہ کی طرف چل پڑوں گا۔"

" تم اس دعوت میں مدعو ہو جس میں تمہارے ہمراہ ترکی نائب خسرو پاشا بھی شریک ہو رہا ہے۔ تمہارے ان نام نہاد دوستوں میں میرے جاسوس بھی موجود ہیں۔ مجھے اپنے ان جاسوسوں میں سے ایک نے اطلاع دی ہے کہ سکندریہ کی بندرگاہ پر ایک ترکی بیڑہ تمہیں قتل کرنے کے ارادے سے کھڑا ہوا ہے۔"

عثمان یہ اطلاع سُن کر ڈر گیا لیکن دل مضبوط کر کے بولا:

" میرا خیال ہے۔ وہ مسلمان ہو کر مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ نہ کریں گے۔ خسرو پاشا نے اپنی زبانی کہا ہے کہ صلح کی شرائط طے ہوتے ہی فوراً صلح کرے گا۔ پھر میں کسی سے بدظن ہونے سے خود قتل ہونا پسند کرتا ہوں۔ خصوصاً بہادر ترکوں پر مجھے کوئی شک وشبہ نہیں۔"

" اگر تم سکندریہ گئے تو یقیناً قتل ہو جاؤ گے۔ اگر تم اس وقت قاہرہ جانے سے معذور ہو تو دعوت میں بھی نہ جاؤ اور اتفاق سے جو وقت مل رہا ہے اس میں دشمن کی سرکوبی کے لئے تیاری کر لو تاکہ جب وہ سکندریہ کی دعوت سے لوٹیں تو تمہارے حکم سے ہتھیار ڈال کر خشکی پر اتر سکیں۔"

" آپ کو غیرت قومی اور محبت وشفقت کے سبب وہ خطرات نظر آ رہے ہیں جن کی میرے خیال میں اوہام سے زیادہ حیثیت نہیں ہے۔ میں اپنے وعدہ کو ایفا کرنے کے لئے سکندریہ ضرور جاؤں گا۔ مجھے خدا پر بھروسہ ہے۔ ہاں تقدیر بُری ہو تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

" اگر تم یہ فیصلہ کر چکے ہو تو میری دعا ہے کہ خداوند کریم تمہاری حفاظت کرے۔ بہر حال میں اپنا فرض پورا کر چکی ہوں۔ خدا حافظ!"

یہ کہہ کر ست نفیسہ خسرو پاشا کے لشکر کی طرف چلی اور دونوں لشکروں کے درمیان

سے گزرتی ہوئی دل میں کہتی گئی کہ اے بے ایمانو! دھوکہ بازو! خدا تمہیں غارت کرے۔ تم مما لیک کے قتل کا ارادہ رکھتے ہو لیکن میں تمہارے اس ارادہ کو ناکام بنادوں گی۔"

عثمان بک نے اس میدان میں فن سپاہ گری اور شہسواری کے ایسے کرتب دکھائے جنہیں دیکھ کر دوست و دشمن حیران رہ گئے۔ نائب خسرو پاشا نے یہ کرتب دیکھے تو حیران ہو کر کہا کہ عثمان بک کی زندگی میں مما لیک سے ہماری صلح ہو جائے یہ ناممکن ہے۔

خسرو پاشا نے عثمان بک کی شجاعت اور اس کی قوم کی بہادری اور اپنے قلیل لشکر کو دیکھ کر سوچا کہ مصر کو اپنے حال پر چھوڑ کر تین جہازوں کے بیڑے کو آستانہ واپس بھیج دے مگر اتفاق سے اُسی دن ایک نیا جہاز بیڑے میں شامل ہونے کے لئے آ پہنچا جس سے ترکی بیڑے کی طاقت میں اضافہ ہو گیا کیونکہ یہ جہاز ان تین سو بہادر سپاہیوں کو لایا تھا جن کے کپتان کا نام عثمان بن حسان شوربکی تھا اور کپتان کے ساتھ نائب کپتان محمد علی بھی تھا۔

(۳۱) قتلِ عام

خسرو پاشا کو مصر کا نائب اور ممالیک سے صلح کی گفتگو کرنے والے وفد کا افسر مقرر کر کے بھیجا گیا تھا۔ اس کے شاہی اختیارات تھے۔ فوج و جنگ کے انتظامات قبطان پاشا لقب کے ایک فوجی افسر کے سپرد کیے گئے تھے اور اُسے بھی خسرو پاشا کے ہمراہ روانہ کیا گیا تھا جب قوالہ کا جہاز پہنچا تو قبطان پاشا سپاہیوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے جہاز پر آیا۔ سفر میں عثمان کی کمزوری غالب آ گئی تھی اور وہ واپس گھر جانا چاہتا تھا۔ اس لیے اُس نے قبطان پاشا کو محمد علی کے بدن کی طاقت، قد و قامت اور بہادری کی طرف متوجہ کر کے اپنی جگہ کپتان مقرر کرنے کے لئے کہا اور فوراً گھر لوٹنے کی اجازت چاہی۔ قبطان پاشا بغور محمد علی کو دیکھ کر بولا:

"میں اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ محمد علی کل کے اس خطرناک کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے جو میں ابھی اسے بتا دیتا ہوں"

یہ کہہ قبطان پاشا، محمد علی کو جہاز کے ایک کونے میں لے گیا اور تنہائی میں محمد علی کے کان میں کچھ کہا۔ محمد کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گئے۔ قبطان پاشا نے دوبارہ کہا:

"یقین کرو۔ تم چند ہی لمحوں میں اس معاملہ سے فارغ ہو جاؤ گے اور تمہیں کامیابی حاصل ہو گی۔ میں تمہیں کپتان بنا دوں گا اور تمہارے دوست عثمان کو گھر جانے کی اجازت بھی دے دوں گا۔ مصر کی ہوا میں مُردوں کی بُو ہے اور اس کے پانی میں خون کی رنگینی ہے۔ اگر تم نے میرے حکم کو سمجھ لیا ہے اور تمہارے آدمی تمہاری آواز پر لبیک کہنے کے عادی ہیں تو ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہارے لئے ترقی کے دروازے کھل گئے ہیں۔"

"جناب مطمئن رہیئے۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا" محمد علی نے کہا۔ یہ سُن کر قبطان پاشا اپنے لشکر گاہ ابوقیر کو لوٹ گیا تو محمد علی اپنے دوست عثمان کے پاس آیا اور اُسے

ہاتھوں پر اٹھا کر اس کے کمرے میں لے گیا۔ پھر چارپائی پر آتار کر اس کے کان میں بولا:

"عزیز بھائی! میری خواہش ہے کہ تم کل پورا دن اپنے کمرہ میں گزارو اور اپنے جہاز پر شور و غل سنو بھی تو اپنے کمرہ سے باہر نہ آؤ۔ افسوس! یہ دنیا کس قدر بُری ہے۔ واقعی نیک آدمیوں کو اس دنیا کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیئے۔ میں تمہاری واپسی سے خوش ہوں کیوں کہ تم فطرتاً ایک نیک آدمی ہو۔ تمہیں دنیاوی معاملات اور وحشیانہ کھیلوں میں شریک نہیں ہونا چاہیئے۔ کل یہاں سے انسانوں کی ایک درندہ صفت جماعت اپنے بھائیوں کو قتل کرنے جائے گی اور مجبوراً میں بھی ان میں شریک ہو جاؤں گا کیونکہ میری قسمت میں یہی لکھا گیا ہے کہ میں خون کے دریا میں تیر کر اپنے مقصد کو حاصل کروں۔ اچھا دوست! میں پھر ایک بار نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے کمرہ سے باہر نہ نکلنا۔ خدا حافظ!"

یہ کہہ کر محمد علی جہاز پر آیا اور اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے اُن کے حوصلے بڑھائے اور اپنے احکام سنا کر کل کے لئے تیاریاں شروع کر دیں۔ سپاہیوں نے بندوقیں بھر لیں۔ تلواروں کو صاف کر لیا اور اپنے بچاؤ کے لئے کمین گاہوں کی بھی مرمت کر لی۔ کوئی سپاہی اس سے واقف نہ تھا کہ کل اُس کا کہاں اور کس سے مقابلہ ہو گا۔ اُن کے دلوں میں نئے افسر محمد علی کی محبت تھی اور وہ اس کے اشارے پر جان دینے کے لئے بھی تیار تھے۔ علی الصبح محمد علی بیدار ہوا۔ اپنے سپاہیوں کو دیکھ کر مسکراتا ہوا جہاز پر آ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر باندھ کر ابوقیر کی طرف دیکھنے لگا۔

ابوقیر میں عیش و عشرت اور کھیل کود کے ہنگامے گرم تھے۔ حتیٰ کہ دعوت میں پہنچنے کا وقت آ گیا۔ خوش و خرم ممالیک دو دو چار چار کی ٹولیوں میں بٹ کر اپنی اپنی کشتیوں میں سوار ہوئے اور سمندر کی لہروں کو چاک کرتے ہوئے سکندریہ کی طرف چلے۔ دعوت کی خوشی نے اُن کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اور وہ اپنے ہمراہ وفد کے افسروں کی عدم موجودگی کو بھی محسوس نہ کر سکے تھے۔ وفد کا فوجی سردار قبطان پاشا ایک خاص کشتی میں سوار ہو کر ان کے ساتھ جا رہا تھا۔ مملوک سردار عثمان بک بردیسی کے ہمراہ اس کا عزیز عثمان بک توپچی بھی تھا۔ قبطان پاشا بردیسی اور توپچی سے محبت بھری باتیں کر رہا تھا اور دونوں اس کی

باتوں میں اس قدر محو تھے کہ کسی اور طرف توجہ ہی نہ دے سکے۔

ست نفیسہ ممالیک کے ساتھ ایک ترکی افسر کو دیکھ کر بے چین ہو گئی اور بردیسی کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگنے لگی جو بے خبری میں بھیڑ کی طرح ذبح ہونے کے لئے ترکوں کی طرف جا رہا تھا۔ پھر ست نفیسہ نے دیکھا کہ ممالیک کی کشتیاں آگے بڑھ گئی ہیں اور خسرو پاشا کی رہنمائی میں دندکے لوگ خشکی میں بڑھ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ دو گھنٹوں کے بعد الوزیر کے لشکر کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ ست نفیسہ کو صاف پتہ چل گیا کہ قبطان پاشا نے ممالیک کے ہمراہ آ کر خسرو پاشا اور اس کے ساتھیوں کو نکل جانے کا موقع دیا ہے اور وہ خود بھی سکندریہ پہنچنے سے قبل ہی ممالیک کا ساتھ چھوڑ کر لوٹ آنے کا پروگرام بنا چکا ہے۔ ست نفیسہ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قوم کی سلامتی کی دعائیں مانگتی ہوئی سکندریہ کی طرف روانہ ہو گئی تاکہ انگریز کی مدد سے عثمان بک بردیسی اور اس کے ہمراہیوں کو بچانے کی کوشش کرے۔

ممالیک کشتیوں میں سوار خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے سکندریہ کی طرف بڑھ رہے تھے اور قبطان پاشا ان کی بذلہ سنجی کی تعریف کرتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک سکندریہ کی طرف سے ایک جہاز ان کے بالمقابل بڑھتا ہوا نظر آیا۔ جہاز قریب آیا تو ایک سردار نے جو دائیں ہاتھ میں سفید جھنڈا اور بائیں ہاتھ میں ایک خط بلند کئے ہوئے تھا۔ قبطان پاشا کو پکار کر کہا کہ جہاز پر آ کر اپنا ضروری خط پڑھ لے۔ قبطان پاشا اپنے ممالیک ساتھیوں سے اجازت لے کر فوراً لوٹ آنے کا وعدہ کر کے اپنی کشتی میں سوار ہوا اور جہاز کی طرف چلا گیا۔

ممالیک بے خوف و خطر بڑھ رہے تھے اور چند لمحوں بعد قبطان پاشا جہاز میں سوار ہو چکا تھا۔ عثمان بک توبچی نے جہاز کی طرف دیکھتے ہی بردیسی کو ہاتھ سے پکڑ کر متوجہ کیا اور بولا:

"مجھے تو جہاز مسلح سپاہیوں سے بھرا ہوا نظر آ رہا ہے۔"

"عثمان بک بردیسی نے غور سے دیکھا تو توبچی کی بات درست ثابت ہوئی۔ بردیسی کو ست نفیسہ کی باتیں یاد آئیں اور وہ بڑا پریشان ہو گیا۔ اس نے سپاہیوں کو

للکار کر ہوشیار ہو جانے کی تاکید کی اور جہاز رانوں کو تیزی سے کشتیاں چلانے کے لئے کہا تاکہ دشمن کے حملہ آور ہونے سے قبل ہی سکندریہ پہنچ جائیں۔ ابھی عثمان بردلیسی نے اپنی بات مکمل نہ کی تھی کہ بندوق کی پہلی آواز جو حملہ کی پہلی علامت تھی بلند ہوئی اور گولی اس کے سر سے کچھ اوپر ہو کر نکل گئی۔ وہ چیخ کر بولا۔ خدا بے ایمانوں کا بُرا کرے اور اپنا خنجر نکال کر لہرانے لگا۔ اب گولیوں کی بوچھار ہونے لگی اور ممالیک کو پورے خطرے کا علم ہونے سے قبل ہی بیڑہ کے بقیہ جہازوں نے گھیرے میں لے لیا۔ اندھا دھند گولیاں برسنے لگیں اور عثمان بک توپچی نے بھی اپنے سینہ پر گولی کھائی۔ توپچی کے گرتے ہی بردلیسی اُس کا انتقام لینے کے لئے جہاز کے سامنے آیا۔ اُس وقت دشمن سپاہیوں نے ممالیک کی کشتیوں میں اترنا شروع کر دیا تھا کہ اچانک بردلیسی کے سر پر ایک کاری ضرب لگی اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ممالیک تعداد میں کم تھے اس لئے جلد ہی مغلوب ہو گئے۔ بلک باشی محمد علی کے حکم سے اُس کے آدمیوں نے مقتولین کو اُن کے حال پر چھوڑ اور زخمیوں کو اپنے جہاز پر لے آئے۔ مملوکوں میں یا تو مقتول تھے یا پھر زخمی۔ جنگ کے اثرات سے کوئی مملوک نہ بچا تھا۔ عثمان بک بردلیسی زخمیوں میں اٹھا کر لایا گیا تو اس وقت بھی اُس کے ہاتھ میں اپنا خنجر تھا جسے کوئی بھی اس سے نہ چھین سکا تھا۔ اسے محمد علی کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ہوش میں آتے ہی کہا:

"اے بے ایمان وعدہ خلاف ذلیل لوگو! خدا تمہیں غارت کرے۔ تم نے مجھے دھوکہ سے قید کر لیا ہے۔ میں عثمان بک بردلیسی تم جیسے بزدل لوگوں کے قابو میں آ گیا۔ میں اس وقت انتقام لینے سے معذور ہوں۔ اس لئے میری دعا ہے کہ خدا تم سے میرا انتقام لے۔"

محمد علی نے عثمان بک بردلیسی کی آواز سنی تو اس کے کان کھڑے ہو گئے اور اُس نے قریب آ کر عثمان کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ سپاہیوں نے عثمان بک کو اس کی بدکلامی کے بدلہ میں قتل کرنا چاہا۔ محمد علی نے روک دیا اور ڈانٹ کر کہا۔

"میں ایسے زخمیوں کو قتل کرنا بزدلی سمجھتا ہوں جو اپنی حفاظت کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ قیدی میری امان میں ہے اور یہ انصاف سے دور ہے کہ میں اس زخمی قیدی کو قتل ہو جانے دوں۔"

عثمان ترکی سپاہ میں ایسے نیک دل انسان کی موجودگی پر متعجب ہوا اور بولا:

"آپ کا نام کیا ہے؟ میرا خیال ہے آپ پردیسی ہیں۔"

"میں تم سے ایک بار خلیج مرمرا کے ساحل پر مل چکا ہوں۔ یاد کرو۔ تمہاری وہاں ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی تھی اور تم نے مستقبل میں عزت و ناموری حاصل کرنے کے سلسلہ میں لڑکے سے تیز و تند باتیں کی تھیں۔ کیا تمہیں یہ واقعہ یاد ہے اور تم اس لڑکے کے نام کو یاد رکھ سکے ہو؟"

"مجھے یاد ہے۔ میری ملاقات ایک لڑکے محمد علی سے ہوئی تھی۔ کیا تم محمد علی ہو؟"

"ہاں محمد علی ہی میرا نام ہے۔ اس واقعہ کے بعد آج ہماری پہلی ملاقات ہوئی ہے اور مجھے افسوس ہے کہنا پڑتا ہے کہ اس بار بھی ہم نے دشمنوں کی طرح ملاقات کی ہے۔"

"گو اس حالت میں ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ زندہ بچ گیا تو ثابت کر دوں گا کہ میں تمہارا ایک سچا دوست ہوں جو زندگی بھر تمہاری مہربانی کو فراموش نہ کرے گا۔"

عثمان نے کہا اور جذبات کی رو میں بہہ کر بیہوش ہو گیا۔ محمد علی کے حکم سے عثمان کو اس کے خاص کمرے میں پہنچا دیا گیا اور کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔

(۳۲)
قیدیوں کی رہائی

ست نفیسہ خشکی کی راہ سکندریہ کی طرف اڑی جا رہی ہے اور سمندر میں ممالیک کی کشتیاں کو مسلسل دیکھ رہی ہے۔ اچانک بندوقیں سر ہوئیں اور مملوکوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ یہ دیکھ کر ست نفیسہ افسوس کرتی اور روتی ہوئی اپنے گھوڑے کو تیز رفتاری سے سکندریہ کی طرف بڑھانے لگی۔ حتّٰی کہ وہ اسکندریہ پہنچ کر جنرل ہنٹنس سفیر بالمین سے ملی اور اُسے بتایا کہ ترکی وفد نے اس کے نام سے دعوت دے کر مملوکوں کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے۔ اس لئے اس کی شرافت کا تقاضا ہے کہ مملوک قیدیوں کو رہا کرائے کیونکہ مملوک اسی کے مشورہ سے ابوقیر آئے تھے۔

جنرل ہنٹنس کو اس دھوکہ کا علم ہوا تو اس نے مشتعل ہو کر فوراً قبطان پاشا کی طرف قاصد دوڑا دیا تاکہ اس سے وعدہ خلافی پر جواب طلب کرے۔ قاصد نے قبطان پاشا کو تلاش کیا تو اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر جب ترکی جہاز چلے تو قاصد ان جہازوں میں بلک باشی محمد علی کو صاحب اختیار دیکھ کر جنرل کے پاس لے آیا۔ جنرل نے محمد علی سے اس قتل عام کی وجہ پوچھی تو محمد علی نے بتایا کہ اس نے قبطان پاشا کے حکم سے ممالیک پر حملہ کیا ہے اور اب قیدیوں کو اپنے جہاز پر سوار کر کے آستانہ پہنچا رہا ہے کیونکہ باب مقام سے قبطان پاشا کے نام یہی احکام جاری ہوئے ہیں۔

یہ سن کر جنرل سمجھ گیا کہ باب عالی کل ممالیک کو تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔ بولا:

”تم قبطان پاشا کو مطلع کر دو کہ میری موجودگی میں ممالیک کو ہلاک کرنے کا خیال چھوڑ دے۔ اس شرمناک واقعہ میں میرا اور لارڈ بالان کا نام استعمال کر کے اس نے میرے ملک کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اس سے جلد ہی مقتولین کے خون کا معاوضہ طلب کروں گا۔ قبطان پاشا فوراً قیدیوں کو رہا کر دے تاکہ میں ان کا علاج کر سکوں کیونکہ میں فریقین میں صلح کی

گفتگو جاری رکھتے ہوئے کسی مملوک کو اسیر نہیں دیکھ سکتا۔"

"جناب! اب تو یہ قصہ ختم ہو چکا ہے۔ ممالیک سلطان کی اطاعت کا حلف اٹھا چکے ہیں۔"

"میں مجبوری کی قسم کو نہیں مانتا۔ اپنے آقا کو مطلع کر دو کہ فوراً تمام قیدیوں کو میرے پاس بھیج دے۔ بصورت دیگر میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دوں گا۔ یاد رکھئے میرا جنگی بیڑا سکندریہ کی بندرگاہ پر میرے اشارہ کا منتظر کھڑا ہے۔"

محمد علی نے جہاز پر آ کر قبطان پاشا کو پورا قصہ سنایا تو پاشا مسکرا کر بولا:

میں تمہاری ہوشیاری سے خوش ہوں۔ ہم اپنے مقصد کو حاصل کر چکے ہیں۔ اس لئے اب مجھے جنرل کے مطالبہ کی فکر نہیں۔ کیونکہ بے شمار مُردے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ باقی رہے زندہ قیدی۔ انہیں اس سرکش انگریز کے سپرد کر دینا بہتر ہے کیونکہ میں مصر کے ان شہروں سے جہاں خون اور لاشوں کے سوا کچھ نہیں ہے، کوچ کرنا چاہتا ہوں تاکہ آرام سے زندگی بسر کروں۔ ہاں تمام قیدیوں کو جنرل کے سپرد کر دو۔ میں اپنے وعدہ کے مطابق تمہیں کپتان کا عہدہ دیتا ہوں۔ میں تمہاری آنکھوں میں تمہارے جواں ارادوں کی جھلک دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی آنکھوں کو اپنے رازوں کو فاش کرنے کی اجازت نہ دو تاکہ دشواری پیش نہ آئے۔ جاؤ قیدیوں کو جنرل کے پاس پہنچا کر اپنے جہاز پر جاؤ۔ پھر فوراً اپنے لشکر کے ساتھ قاہرہ چلے جاؤ تاکہ جب نیا نائب قاہرہ میں داخل ہو تو تم بھی پہنچ جاؤ۔ وہ کل ابوقیر سے چل پڑا ہے۔ میں تمہیں اس کے نام ایک سفارشی خط دے رہا ہوں۔ میرا خیال ہے وہ تمہیں مل کر بڑا خوش ہو گا کیونکہ آج کل خسرو پاشا جواں ہمت ہوشیار لوگوں کو جمع کر رہا ہے۔"

خسرو پاشا کا نام سن کر محمد علی چونک پڑا تو قبطان پاشا کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے محمد علی کو نصیحت کی کہ نئے نائب کی خلوص سے خدمت کرے۔ محمد علی نے پاشا کی نصیحت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا اور اس کا شکریہ ادا کر کے روانہ ہو گیا۔

محمد علی قیدیوں کو جنرل ہتشنس کی طرف لے کر چلا تو راہ میں عثمان بردیسی کو تسلی دیتے ہوئے بولا:

"ہماری پہلی ملاقات دو دشمنوں کی طرح ہوئی تھی۔ دوسری بار بھی ہم دو مختلف لشکروں کے فرد کی حیثیت سے ملے ہیں۔ کون جانے ہماری تیسری ملاقات کس حیثیت سے ہو گی۔ بہرحال میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔"

اُس واقعہ نے مجھے تمہارا دوست بنا دیا ہے۔ میں زندگی بھر تمہارا احسان یاد رکھوں گا۔ اگر میں موت کا لقمہ نہ بن گیا اور تمہیں کبھی سچے دوست کی ضرورت محسوس ہوئی تو میرے سینہ کو اپنی زرہ اور میرے ہاتھ کو اپنی تلوار سمجھنا" بردیسی نے کہا۔

محمد علی بردیسی کو رخصت کر کے واپس آ گیا۔ جنرل ہنشنس نے قیدیوں کا استقبال کر کے ان کی بُری حالت پر اظہار افسوس کیا تو عثمان بردیسی نے اسے پورا واقعہ سنا کر مدد کی درخواست کی اور کہا:

"اس شرمناک واقعہ نے ہمیں صلح سے مجبور کر دیا ہے۔ اب میں عثمانی لشکر پر سخت حملے کروں گا اور اس نئے نائب سے خوفناک انتقام لوں گا جو میرے آدمیوں کو قتل کرنے کا حکم دے کر خود قاہرہ پر قابض ہونے کے لئے روانہ ہو گیا ہے۔"

"وفد نے ہمارے نام سے بددیانتی کی ہے۔ اس لئے ہم بھی وفد کی اعانت کے وعدوں سے آزاد ہو گئے ہیں۔ ہم تمہاری کامیابی کے متمنی ہیں لیکن تمہاری کوئی عملی مدد نہیں کر سکتے۔ شاید ہمارے فرائض جلد ہی ہمیں مصر چھوڑنے پر مجبور کر دیں۔"

جب کل قیدی جنرل کی کوٹھی میں پہنچ گئے تو جنرل نے اپنے ڈاکٹر اور خادموں کو ان کی دیکھ بھال کا حکم دیا۔ ست نفیسہ بھی بڑی خلوص دلی سے قیدیوں کی خدمت میں مصروف ہو گئی۔

قیدیوں کی کشتیاں سکندریہ کی طرف بڑھ رہی تو محمد علی نے حکم دیا کہ اس خونریزی سے جہاز میں جو خون لگا ہوا ہے اسے دھو ڈالا جائے تاکہ اس کا دوست عثمان خون کو دیکھ کر مزید بیمار نہ ہو جائے۔ پھر محمد علی عثمان کے کمرے میں داخل ہوا تو عثمان اس کی خواہش کے مطابق چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ عثمان محمد علی کو دیکھ کر اس سے لپٹ گیا اور واقعہ کی تفصیل دریافت کی۔ محمد علی نے پورا واقعہ سنا کر اس شرمناک قصہ میں شرکت کی یہ وجہ بیان کی کہ وہ ایک فوجی آدمی کی حیثیت سے اپنے افسر کا حکم ماننے کے لئے مجبور تھا۔ عثمان نے اپنے دوست کی باتیں سن کر اس کے جواں

ارادوں کی تعریف کی اور کہا:

"میں نے کمزور ہونے کے باوجود خسرو پاشا کے حکم کی تعمیل کی ہے اور تمہیں ضد کر کے اس لئے اپنے ساتھ لایا ہوں کہ تم اس راہ پر چل پڑو جو تمہاری منزل کی سمت جا رہی ہے۔ یہ میری محبت اور سچائی کا واضح ثبوت ہے۔"

محمد علی عثمان کا شکریہ ادا کر کے بولا:

"تم نے میرے دل میں اس روح کو زندہ کر دیا ہے جو مر رہی تھی۔ میں کسی بلند مقام پر پہنچ گیا تو اس کی وجہ تم ہو گے۔ میں ہمیشہ تمہاری صحت یابی کی دعائیں مانگتا رہوں گا۔" محمد علی نے محبت کو زندہ و پائندہ رکھنے کی اپنی قسم دہرائی۔ "اور جب مجھے نرم مزاجی کی ضرورت ہو گی میں تمہاری ذات کو سامنے رکھوں گا تاکہ میری ذات میں تمہارا اخلاق پیدا ہو اور میری سخت مزاجی دور ہو جائے۔ تم امن و سلامتی کے شہر قوالہ پہنچ جاؤ گے تو میں تمہیں اپنے حالات سے واقف کرتا رہوں گا۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم میری بیوی کو سلام کہنا اور میری طرف سے میرے بچوں کو پیار کر کے میری یاد دلانا اور میرے نقش قدم پر چلنے کی تلقین کرنا اور ہاں جب بھی تم سمندر کنارے پہنچو میرے دکھلائے ہوئے اس مقدس مقام کو دیکھو جہاں میری جوہرہ دفن ہے تو ایک کنکری اس مقدس مقام کی طرف پھینک دینا کنکری پانی میں گرے اور لہروں میں دائرے پیدا ہوں تو آخری دائرے کا اس وقت تک انتظار کرنا جب تک وہ تمہارے پاس نہ پہنچ جائے، اس دائرے سے کہنا۔ جوہرہ! محمد علی نے تجھے سلام بھیجا ہے اور کہا ہے کہ میں نے اب تک تجھے فراموش نہیں کیا اور نہ کبھی فراموش کروں گا۔ اب میں اپنے مقدس کام کو شروع کر چکا ہوں۔ تم اطمینان سے سوتی رہو۔ میں تمہارے خون ناحق کا انتقام لے کر چین سے بیٹھوں گا۔"

(۲۴)

معذرت

•

فرانسیسی دو سال قبل مصر سے نکل چکے تھے اور مصری اُن کے ظلم و ستم کو فراموش کر چکے تھے۔ اب مصری ایک بلند حوصلہ انسان کے ماتحت تھے جسے سلطان نے مقرر کر کے بھیجا تھا تاکہ مصریوں کو مالیک کے پنجہ سے نجات دلا کر پُر مسرت زندگی بسر کرنے کا موقع مل جائے۔ مصریوں نے خوشی کے نعروں میں خسرو پاشا کا خیر مقدم کیا اور پاشا لوگوں کے سلام کا جواب دیتا ہوا قلعہ کی طرف بڑھا۔ راہ میں پاشا نے آسمان کی طرف دیکھا تو اہرام کی چوٹیاں سر اٹھائے آسمان سے سرگوشیاں کرتی نظر آئیں۔ پاشا نے سر جھکا کر سوچا کہ میں ان فراعنہ کا جانشین ہوں جو اپنی شان و شوکت کی یادگار میں یہ اہرام چھوڑ گئے ہیں۔ میں بھی اپنی کوئی ایسی یادگار چھوڑوں گا جسے لوگ ہزاروں برس بعد بھی فراموش نہ کر سکیں گے اور نائب مصر کو پاشا مصر کے معزز لقب سے یاد رکھیں گے۔ اسی قسم کے خیالات میں محو اسے اپنی جلاوطنی کا زمانہ یاد آ گیا اور تلوار کے ساتھ ساتھ محمد علی کی توہین آمیز باتیں یاد آ گئیں۔ اس کی سواری قلعہ کے دروازے پر رُکی تو وہ باہر نکل کر اس قصر کی طرف چلا جو اس کی رہائش کے لئے منتخب کیا گیا تھا جس کے دروازے پر امراء اس کے منتظر تھے۔ پاشا ان کی اطاعت کا شکریہ قبول کرتا ہوا قصر میں داخل ہو گیا۔ ریشمی گدوں پر بیٹھتے ہی فکر نے اسے گھیر لیا اور وہ اپنے ماضی اور حال کا مقابلہ کرتا ہوا اپنے مستقبل پر آ گیا۔ اس نے سوچا۔ اب تک مجھے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوتی ہے اور میں جلد ہی ان شہروں کا بادشاہ بن جاؤں گا۔ مجھے چاہیئے کہ اپنے سچے اور مخلص ہمدرد پیدا کروں اور میں اپنے دوستوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ کر رہا ہوں۔ میں قبطان پاشا کو گمنامی کی چادر سے نکال کر کل فوج کا بڑا افسر بنا چکا ہوں۔ وہ میرے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا اور وقت پر میری ضرور مدد کرے گا۔ خسرو پاشا کچھ

دیر تک انہی خیالات میں کھویا رہا۔ پھر ایک غلام کو بلا کر قلعہ کی فصیل دیکھنے کے لئے چلا۔ غلام نے ایک خفیہ دروازہ کھول کر خسرو کو قلعہ کی دیوار تک پہنچا دیا۔ اب خسرو کی نظروں کے سامنے قاہرہ کا پورا شہر، مسجد، پل اور مینار پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی نظر قبروں کی ایک چھوٹی سی بستی پر رک گئی جسے دیکھ کر اس نے سمجھا کہ مصر کے مرحوم خلفاء کے یہ مقبرے اسے مبارکباد دے کر نصیحت کر رہے ہیں کہ ابن آدم جب تجھے قوت و اختیار حاصل ہو جائے تو یاد رکھ کہ تو مر جائے گا اور خدا کا شکر ادا کر کہ تو اب تک زندہ ہے۔ خسرو پاشا نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنا منہ دوسری طرف کر کے دریائے نیل کو بل کھا کر بہتے ہوئے دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اسے نیل چاندی کی ایک ایسی طشتری معلوم ہو رہی تھی جو نقش و نگار سے مزین ہو اور اس آباد و سنسان بیابان میں حد فاصل کا کام دے رہی ہو۔ جہاں اگلے لوگوں کی یادگار کھڑی ہے اور گمنام مردے قیامت کے منتظر ہیں۔ پاشا افق کے کنارے پر جیزہ کے اہرام اور اس کے پیچھے دہشور کے اہرام کو دیکھ کر مسکرایا اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوا قصر میں آ کر بلند مسند پر بیٹھ گیا تاکہ امراء کا سلام قبول کرے۔

ابھی پاشا کو بیٹھے کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ غلام نے کمرے میں داخل ہو کر قبطان پاشا کے قاصد حسن آغا کی آمد کی اطلاع دی۔ قاصد اجازت پا کر کمرے میں آیا اور سر جھکا کر سلام کرنے کے بعد خط پیش کر دیا۔

قبطان پاشا نے الوداعی خط میں لکھا تھا کہ وہ چاہتا ہے مصر کو عثمانی سلطنت کے ماتحت کرنے کا فخر خسرو پاشا کو حاصل ہو۔ اس لئے وہ خسرو پاشا کو طاقتور ممالیک کے پنجہ سے بچا کر واپس آستانہ جا رہا ہے اور اپنی محبت و وفاداری کے ثبوت میں ایک خیر خواہ بہادر جوان کو پاشا کی خدمت کے لئے بھیج رہا ہے جس کی ابوقیر کے واقعہ میں آزمائش بھی کر چکا ہے۔

خسرو پاشا نے خط پڑھ کر قاصد کو حکم دیا کہ قبطان پاشا کے بھیجے ہوئے آدمی کو لائے۔ حسن آغا بلک باشی کو کمرے میں لایا تو خسرو پاشا نے اسے سرسری نظر سے دیکھا اور اس کا کرخت چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

بک باشی! تمہیں کس نام سے پکارتے ہیں اور تمہارے وطن کا کیا نام ہے؟"
بک باشی نے آگے بڑھ کر غور سے پاشا کو دیکھا اور سر جھکا کر بولا:
"مجھے محمد علی کہتے ہیں اور میں قوالہ کا باشندہ ہوں۔"
محمد علی کی شکل و شباہت اور گفتگو نے خسرو پاشا کو پریشان کر دیا۔ اسے جوہرہ کو قتل کرنے کا کوئی افسوس نہ تھا لیکن اسے اکثر اپنے فعل پر ندامت ہوا کرتی تھی جو وہ محمد علی کو اس دردناک واقعہ کے دیکھنے پر مجبور کر کے کر چکا تھا۔ قدرے خاموش رہ کر پاشا نے دوبارہ کہا۔
"مجھے یاد آرہا ہے کہ میں اپنے قیام قوالہ کے دوران اپنے میزبان شوربجی کے بیٹے عثمان کے ایک دوست محمد علی نام سے مل چکا ہوں۔ میں نے عثمان کو لکھا تھا کہ اپنے دوست کو بلک باش کا عہدہ دے کر اپنے ہمراہ لے آئے لیکن عثمان تو آیا ہی نہیں۔ پھر تم تو وہ محمد علی ہرگز نہیں ہو سکتے جو عثمان کا دوست تھا۔"
"جناب عالی! معاف فرمائیں تو عرض کروں کہ میں وہی محمد علی ہوں لیکن اب میری سرکشی اور بدتمیزی رخصت ہو چکی ہے۔ پہلے میں آپ کا مخالف تھا لیکن اب مخلص خادم ہوں اور عثمان کا نیازمندانہ سلام اور شکریہ لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے اُن پر بڑی مہربانی کی تھی اور وہ بھی فوراً آپ کے حکم کی تعمیل میں چل پڑے تھے لیکن صحت خدا کی دین ہے۔ عثمان اب تک کمزور ہیں۔ ابوقیر کے واقعہ نے ان کی صحت کو مزید بگاڑ دیا تھا۔ اس لئے وہ قبطان کی اجازت سے قوالہ لوٹ گئے ہیں اور میں حضور کی مہربانی سے ان کی جگہ پر مقرر کیا گیا ہوں۔"
خسرو پاشا ہمہ تن گوش ہو کر محمد علی کی باتیں سنتا رہا اور اس کے چہرے کو بغور دیکھتا رہا تاکہ اس کے دلی ارادوں کو سمجھ سکے۔ محمد علی نے اپنے چہرے پر اس خوبی سے ملمع کر لیا تھا کہ خسرو پاشا دھوکہ کھا گیا اور اس کی فرمانبرداری سے مطمئن ہو کر بولا:
"تم واقعی بچپن کی حدود سے نکل کر مہذب و سنجیدہ ہو گئے ہو۔ میں تمہیں اپنے خاص آدمیوں میں شامل کر کے تمام البانوی سپاہ کا افسر مقرر کرتا ہوں کیونکہ تم خود بھی البانوی ہو۔ ان پر بحسن و خوبی حکومت کر سکو گے۔"

"میں اپنے عمل سے آپ کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کروں گا" محمد علی نے خوش ہو کر کہا۔ خسرو پاشا محمد علی پر نظریں جمائے ہوئے سوچ رہا تھا گو قبطان پاشا مجھے تنہا چھوڑ کر جا رہا ہے لیکن میں اس بہادر نوجوان کو جو اس سے زیادہ بلند حوصلہ اور دلیر ہے اعلیٰ عہدہ دے کر اپنا غلام بننے پر مجبور کر لوں گا اور خود ہر فکر سے آزاد ہو جاؤں گا۔ گو ابوقیر کے واقعہ نے میرے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا ہے لیکن میں سچے دوستوں کو پیدا کر کے اپنے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دوں گا۔ محمد علی نے اپنی محبت بھری گفتگو سے پاشا کو اس قدر متاثر کیا کہ پاشا نے اسے ٹھہرنے کا حکم دے کر حسن آغا کو رخصت کر دیا اور خود کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ اس کی رنگین ریشمی عبا فرش پر گھسٹ رہی تھی اور سنہرے رنگ کا جڑاؤ ہلالی عمامہ سر پر آب و تاب دکھا رہا تھا۔ محمد علی نے اس پر نظر ڈال کر فوراً سر جھکا لیا تاکہ پاشا اس کے چہرے سے وہ خیالات نہ پڑھ لے جو اس کے دل میں اٹھ رہے ہیں اور اس نے دل میں قسم کھائی کہ اپنی قسم کو پورا کرنے کے لئے جوہرہ کے خون ناحق کا انتقام لوں گا۔ گو آج میں اپنے دشمن کے سامنے سر جھکا رہا ہوں لیکن یہ گزشتہ حساب لینے کے لئے ضروری ہے۔ میرا انتقام قتل سے پورا نہ ہوگا۔ میں اپنے دشمن کو عذاب دے دے کر انتقام لوں گا۔ اگر میں اس وقت اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہوں تو کوئی بھی میرے آڑے نہیں آ سکتا۔ یہاں کوئی میرا نگران بھی نہیں ہے۔ پھر دروازہ کھلا ہے جس سے میں بہ آسانی فرار ہو سکتا ہوں لیکن قتل عذاب کے مقابلہ میں انتہائی نرم سزا ہے۔ اے دشمن خسرو پاشا! عرصہ دراز تک زندہ رہ، عذاب کی زندگی گزار اور زندگی بھر محمد علی کے انتقام کو دیکھتا رہ۔ محمد علی ان الفاظ کو دل ہی دل میں دہراتا رہا۔ حتیٰ کہ خسرو پاشا کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے اچانک اس کے سامنے رک کر بولا:

"محمد علی! ذرا میری طرف دیکھنا"

محمد علی نے پاشا کے چہرے کی طرف دیکھا اور دونوں کچھ دیر ایک دوسرے کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کرتے رہے۔ محمد علی نے خسرو پاشا کے تفکرات پڑھ لئے لیکن پاشا محمد علی کے دلی جذبات و احساسات سے واقف نہ ہو سکا، آخر پاشا نے گفتگو کی ابتدا کی۔

"تم کہتے ہو سابق محمد علی مر چکا ہے؟"

"یوں کہہ لیجیے کہ اس کا جوشِ جوانی فنا ہو چکا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ماضی کے تلخ تجربات نے اسے نیا انسان بنا دیا ہے۔"

"مجھے تمہاری بات کا یقین ہے۔ میں اکثر افسوس کرتا ہوں کہ میں نے کیوں تمہارا ماضی تاریک کر دیا لیکن تمہیں علم ہی ہے کہ میں قانون کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔" خسرو پاشا نے کہا۔

"مجھے علم ہے کہ از روئے قانون بھاگے ہوئے غلام اور غلام کو بھاگنے میں مدد دینے والے دونوں سزائے موت کے مستحق ہیں۔ آپ نے فرار شدہ لونڈی کو موت کی نیند سلا دیا کیونکہ انصاف کا تقاضا تھا لیکن اپنی انتہائی مہربانی کا ثبوت دے کر اُسے میری آنکھوں کے سامنے سزا دینے پر اکتفا کیا اور مجھے معاف کر دیا۔"

پاشا نے دوبارہ محمد علی کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اطاعت و فرمانبرداری کے آثار دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ پاشا پھر بولا:

"محمد علی! میرا خیال ہے کہ عاشق کی آنکھوں کے سامنے محبوب کو قتل کرنے سے بہتر یہ ہے کہ عاشق کو قتل کر دیا جائے۔ میں اکثر اپنے اس ظالمانہ فعل کو یاد کر کے شرمندہ ہوتا رہتا ہوں۔ میرا ضمیر مجھے لعنت ملامت کرتا رہتا ہے۔ کیا تم میرے اس اعتراف کے بعد میرے ظلم کو فراموش کر دو گے۔ کیا تم میری معذرت کو سابق محمد علی تک پہنچاؤ گے اور کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ یہ سُن کر گذشتہ واقعات کو بھول جائے گا؟"

"آپ کی یہ باتیں مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔ معذرت ہی بہت کافی تھی۔ آپ نے تو اس واقعہ پر اظہارِ افسوس بھی کر دیا ہے جو محض انصاف کا لازمی نتیجہ تھا۔"

"میں مجبور تھا کیونکہ مجھے غصہ آ گیا تھا اور تم نے میرے غصہ کی آگ بھڑکا دی تھی۔" خسرو پاشا نے قدرے سر جھکا کر کہا۔

"میرا اس محمد علی سے کوئی تعلق نہیں رہا جس نے آپ کے غصہ کو بھڑکایا تھا۔ وہ بے سمجھ لڑکا تھا جو مر چکا ہے۔ جیسے سمندر نے نگل لیا ہے۔ خیر چلیے! اگر وہ زندہ ہے اور آپ

کی گفتگو سن رہا ہے تو آپ سے جلیل القدر پاشا کی نرم گفتاری، معذرت اور ایک اتفاقی فعل پر اظہار افسوس نے اسے پوری طرح مطمئن کر دیا ہے۔ بہر حال میری سابق محمد علی سے ملاقات ہوئی تو میں آپ کی اخلاقی جرأت کو بیان کر دوں گا۔"

خسرو پاشا نے خوش ہو کر کہا:

"اس وقت میری مسرت شباب پر ہے۔ میرے ساتھ میرے دوستوں کو بھی خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ میری خواہش ہے تمہیں اس ملاقات کی کچھ یادگار دوں۔ میں تمہیں اسی لمحہ سے کرنل بناتا ہوں۔ سلطان نے مجھے چار بہترین گھوڑے تحفہ دیئے ہیں۔ تم ان میں سے اپنی پسند کا ایک گھوڑا لے لو۔ ہاں جب تک میں تمہارے لائق کوئی مکان تلاش نہ کر لوں تم میرے ہی قصر میں قیام کرو گے۔ مجھے اس وقت تمہارے شکریہ کی ضرورت نہیں۔ میں کسی وقت تمہاری خدمت گزاری سے شکریہ قبول کر لوں گا۔ اچھا خدا حافظ۔" یہ کہہ کر پاشا نے خواجہ سرا کو بلا کر ہدایات دیں اور محمد علی بڑے احترام سے پاشا کے سامنے جھک کر رخصت ہو گیا۔ پاشا نے خوش ہو کر سوچا۔ یہ آدمی میرا زر خرید غلام بن گیا ہے۔ اس میں واقعی تبدیلی ہو گئی ہے اور یہ میری خوش نصیبی ہے کہ یہ میرے ہاتھ آ گیا ہے۔

محمد علی اصطبل سے ایک گھوڑا پسند کرنے کے بعد خواجہ سرا کے ساتھ اس کمرے میں آ گیا جو اس کے قیام کے لئے پسند کیا گیا تھا۔ تنہائی پاتے ہی محمد علی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور وہ اپنے دل سے مخاطب ہوا۔ میرے کام کی ابتدا ہو چکی ہے۔ پاشا سانپ کو دودھ پلا کر پرورش کرے گا۔ اس کا خیال ہے کہ اس کی میٹھی میٹھی باتیں اور تحفے اس کی سیاہ بختی کو شکست دے دیں گے لیکن یہ کبھی نہ ہوگا۔ جلد ہی اسے پتہ چل جائے گا کہ محمد علی کو بھول جانے کی عادت نہیں ہے۔ اے بدنصیب خسرو! میرے انتقام کا وقت قریب تر آ رہا ہے۔ تو خواب غفلت کے مزے لوٹ۔ میں جلد ہی تجھے بیدار کر لوں گا۔ میں تیری جان نہ لوں گا بلکہ تجھے اپنی آنکھوں کے سامنے ذلیل و خوار ہوتا دیکھوں گا۔ یہاں تک کہ تو اس ہولناک عذاب سے رہا ہونے کے لئے موت کی تمنا کرے گا اور موت بھی تم سے آنکھیں چرانے کی اور یہی تیرے اس ظلم و ستم کی سزا ہو گی جو تو نے مجھ پر اور جوہرہ پر روا رکھے تھے۔

(۳۴)

ست نفیسہ کی دانائی

•

ممالیک کے سردار اعظم مراد بک کی بیوی ست نفیسہ بہت خوبصورت عورت تھی۔ وہ حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن سیرت کا بھی ایک شاہکار تھی۔ مصر کا ہر فرد و بشر اُس کے نام سے واقف تھا۔ مسافر اسی کے ذکر میں محو اپنی منزل پر پہنچتے تھے اور شعراء کا دل پسند موضوع اس کی ذات تھی مصری ہی اس پر فدا نہ تھے بلکہ فرنگی بھی اس کے شیدائی تھے۔ جنرل کلیبر اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے راتوں کو مراد بک کے پائیں باغ کے قریب گھومتا رہتا تھا اور صبح تک منتظر رہتا تھا کہ شاید مصر کی حسینہ کی ایک جھلک دیکھنے کا موقع مل جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے جو بہادر اور غیور مراد بک کا بھیجا ہوا تھا باغ مذکور کے قریب جنرل کلیبر کو قتل کر دیا تھا۔ قاہرہ کے اکثر لوگ ست نفیسہ کے ادنیٰ اشارہ پر جان دینے کے لئے مستعد رہتے تھے۔

ایک دن ست نفیسہ نے اپنے باغ میں بیٹھے ہوئے لونڈیوں کو حکم دیا کہ درختوں کے جھنڈ میں پھیل کر گائیں۔ لونڈیوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ست نفیسہ اپنے باغ کے عین درمیان میں بنے ہوئے کمرے میں اکیلی رہ گئی اور اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ کر گانا سننے میں محو ہو گئی۔ گانا المیہ تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے جنہیں وہ رومال سے خشک کرنے لگی تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ حتیٰ کہ لونڈیاں بھی اجازت کے بغیر کمرے میں داخل نہیں ہو سکتیں مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ اس وقت گنجان درختوں کے ایک جھنڈ سے دو آنکھیں اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ست نفیسہ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد محبت کے جذبہ کو دل سے نکال دیا ہے اور پاکدامن عورت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ ست نفیسہ خود بھی کہا کرتی تھی کہ میں اپنے شوہر کے بعد کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

وہ آنکھیں اسے مسلسل دیکھنے میں مصروف تھیں کہ اچانک اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی جیسے اٹھنے کا ارادہ کر رہی ہو۔ اس کی جنبش دیکھتے ہی وہ دو آنکھیں فوراً درختوں کی آڑ میں غائب ہو گئیں۔ چند لمحوں بعد درختوں کے دوسری طرف ایک حسین نوجوان باغ کے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اپنے دل سے باتیں کر رہا تھا کس قدر خوبصورت ہے ست نفیسہ اور کس قدر خوش قسمت و بدقسمت ہوں میں۔ میں اس کے حسن کا نظارہ کرتا رہتا ہوں لیکن خدانخواستہ اسے میری تانک جھانک کا پتہ چل جائے تو مجھے فوراً اپنے گھر سے نکال کر میری خوش قسمتی کو بدقسمتی میں بدل دے۔ افسوس! اسے میرے پیار کی کوئی خبر نہیں۔ میں اس کا حقیر خادم ہوں۔ اس کا شوہر مجھے عزیز رکھتا تھا۔ اس لیے اپنے گھر کا داروغہ بنا گیا اور یہ مجھ سے ایسے ہی واقف ہے جیسے اپنے گھر کے پلے ہوئے کتے سے۔ آہ! میں کب تک تڑپوں۔ اس کے بغیر کیسے زندگی کے دن بسر کروں۔

یہ نوجوان اسی قسم کے خیالات میں محو باغ کے دروازے پر آیا تو عثمان بک پردیسی کو دیکھ کر چونک پڑا۔ نوجوان نے سوچا۔ افسوس! یہ آدمی اکثر میرے محبوب کی زیارت کرتا رہتا ہے۔ عثمان بک نے داروغہ کو دیکھتے ہی پوچھا:

"یوسف! کیا ست نفیسہ باغ میں موجود ہیں؟"

"ہاں! کیا میں آپ کی آمد سے مطلع کروں؟"

"ضرور! لیکن کہو تم کب تک یہ بیکاری کی زندگی بسر کرتے رہو گے۔ تم ایک بلند حوصلہ نوجوان ہو۔ یقیناً زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے متمنی ہو گے۔ میں نے بھی تمہاری طرح اپنی زندگی کا آغاز ایک داروغہ کی حیثیت سے کیا تھا۔ اب میں تین ہزار سپاہیوں کا حاکم ہوں۔ تم بھی کوشش کرو تو میری طرح ترقی کی منازل طے کر سکتے ہو۔ ہم جلد ہی دشمن پر حملہ کرنے والے ہیں تم بھی میرے ساتھیوں میں شامل ہونا چاہو تو میں ست نفیسہ سے تمہارا ذکر کروں۔"

"جناب! میں آپ کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن میں اس گھر سے دور نہیں ہونا چاہتا۔ ابتدا میں مجھے آقا مراد بک کے ایک ادنیٰ غلام ہونے کا شرف حاصل تھا۔ انہوں نے میری رہائی کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ میں زندگی بھر ان کے پاس رہوں گا۔ پھر انہوں نے مجھے گھر کا داروغہ

مقرر کر دیا تھا۔ میں نے اُسی زمانہ میں قسم کھائی تھی کہ زندگی بھر ان کی اور ان کے بعد ان کے متعلقین کی خلوص سے خدمت کرتا رہوں گا۔ مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے آپ سیدہ ست نفیسہ سے میرے سلسلہ میں کچھ نہ کہیں۔ ممکن ہے انہیں ناگوار گزرے۔"

"اگر تم اپنی زندگی کا یہی مقصد بنا چکے ہو تو تمہاری مرضی۔ خیر جاؤ اپنے آقا سے ملاقات کی اجازت لو۔"

یوسف نے ایک لونڈی کو ست نفیسہ کے پاس بھیجا۔ لونڈی نے ست نفیسہ کو عثمان کی آمد سے مطلع کیا۔ ست نفیسہ نے کہا۔

"عثمان کو بھیج دو اور لونڈیوں کو حکم دو کہ کمرے کے سامنے آکر المیہ غزلیں گائیں کیونکہ عثمان بردیسی کو گانے سے بڑی دلچسپی ہے۔"

عثمان ایک کمرے میں داخل ہوا تو لونڈیوں کے گانے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ نفیسہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس وقت وہ بے نقاب تھی کیونکہ امراء کی بیواؤں کے لئے چہرے پر نقاب ڈالنا ضروری نہ تھا۔ اس نے بردیسی کی طرف دیکھا تو اُسے بے نقاب دیکھ کر بردیسی کے اٹھے ہوئے قدم رک گئے تھے اور وہ اس کے رعب حسن سے کھڑے ہو کر کانپ رہا ہے نفیسہ کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ انسان جو موت کے منہ میں جانے سے دریغ نہیں کرتا۔ اس وقت کھڑا کانپ رہا ہے۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔

"عثمان! خاموش کیوں ہو۔ میرے مرحوم شوہر کے عزیز دوست! اس وقت تمہاری آمد کا کیا مقصد ہے؟"

عثمان، نفیسہ کے آخری فقرہ کا مطلب سمجھ گیا اور اپنا دل مضبوط کر کے آگے بڑھ گیا۔ پھر اس کے سامنے آکر گھٹنوں کے بل جھکا اور بڑے ادب سے اس کی چادر کو چوم کر بولا:

"آپ کی لونڈیوں کے گانے نے میرے جذبات کو بیدار کر دیا تھا۔ اس لئے میں کھڑا ہو گیا تھا۔ میں یہ گانے سن چکا ہوں اور میری زندگی کا وہ یادگار دن تھا جب پہلے پہل مجھے یہ گانے سننے کا موقع ملا تھا۔"

نفیسہ ہاتھ کے اشارے سے عثمان کو بیٹھنے کی اجازت دے کر بولی:

"تم نے یہ گانے پہلی بار کہاں سنے تھے؟"

"میں نے پہلی بار یہ گانے اس وقت سنے جب میں ایک خوفناک معرکہ میں اپنے سردار مراد بک کی رہنمائی میں شریک ہوا تھا۔ اس وقت خونریزی شباب پر تھی۔ ایک دشمن نے میرے سردار مراد بک پر ایسا بھرپور وار کیا کہ میرے دوست کا ایک ہاتھ بالکل بیکار ہوگیا۔ عثمان قدرے توقف کے بعد بولا۔" اور میرا دوست تلوار اٹھانے کے قابل نہ رہا۔ دشمن نے میرے دوست کو ہلاک کرنے کے لئے دوبارہ تلوار بلند کی۔ یہ دیکھتے ہی میں نے آگے بڑھ کر اپنے دوست کے دشمن کو ایک ہی وار میں قتل کر دیا اور اپنے زخمی دوست کو اس کے خیمہ میں لا کر اس کی بیوی کے حوالے کر دیا۔ یہ میری زندگی کا پہلا دن تھا جب میں تمہیں بے نقاب دیکھ سکا تھا۔ پھر میں نے میدان جنگ میں لوٹ کر اپنے دوست کے اختیارات سنبھالے۔ مجھے علم نہیں کہ اس وقت میں اپنے دوست کو زخمی دیکھ کر جوش میں بھر گیا تھا یا یہ تمہاری نگاہوں کا اعجاز تھا کہ میں نے لوٹ کر دشمن کو شکست فاش دی اور اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ پھر میں اپنے دوست کی قیام گاہ کی طرف چلا تاکہ اس کی عیادت کروں اور اسے فتح کی خبر بھی سناؤں۔ میں اپنے دوست کے مکان پر پہنچا تو وہاں کوئی خادم نہ تھا جو میری آمد کی اطلاع دیتا۔ میں کمرہ میں داخل ہوا اور پردہ اٹھا کر دیکھا تو دوسرے کمرے کا پردہ اٹھا ہوا تھا اور میرا دوست سونے کی تیاری کر رہا تھا اور نفیسہ گا رہی تھی۔ اس وقت وہ ایک ایسی دایہ کے روپ میں تھی جو اپنے بچے کو لوریاں دے کر سلانے کی فکر میں ہو۔ میری سیدہ! میں دروازے کے قریب کھڑے ہو کر آپ کا گانا سنتا رہا۔ آپ جمیل اور اس کی محبوبہ کے عشق کا حال بیان کر رہی تھیں اور میرے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ آخر کار آپ نے خاموشی اختیار کر لی جس سے مجھے علم ہوگیا کہ میرا دوست سو چکا ہے۔ اب اسے بیدار نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر میں باہر آگیا اور کوئی بھی میری آمد سے مطلع نہ ہوسکا۔ میں نے رزم گاہ کی طرف نظر اٹھائی ہلکی ہلکی چاندنی میں خیمے اور میدان جنگ سفید چادر سے ڈھکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ میں نے وہ رات اپنے خیمے سے باہر اپنی جنت کے ایک گنج میں گذاری۔ آج پھر وہی گانا سن کر میرا وہ دیرینہ درد جاگ اٹھا ہے جیسے سلانے کے لئے میں اپنے دوست کی زندگی میں کامیاب رہا تھا۔ میری سیدہ! اب تمہاری

عدت بھی گذر گئی ہے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ تم پھر پہلے کی طرح خوش و خرم ہو۔"
"بیشک زمانہ نے میرے غم کو کھا لیا ہے لیکن میں آج بھی مراد بک کو فراموش نہیں کر سکی۔ میں اپنی زندگی کے بقیہ دن گزار دینا چاہتی ہوں۔"
"براہ کرم کسی فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے یہ سن لیجئے کہ میں آپ کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ آپ نے مجھے مایوس کر دیا تو یقین کیجئے۔ میں آپ کی محبت میں دیوانہ ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔"
"عثمان! خاموش ہو جاؤ۔ یہ تم پر میرے شوہر کا اعتماد ہے کہ تم مجھے بے نقاب دیکھ رہے ہو۔ تم اپنے دوست کی امانت میں خیانت کرنا چاہتے ہو۔ تم نے قسم کھائی تھی کہ زندگی بھر اپنے دوست کی بیوی کی حفاظت کرتے رہو گے۔" ست نفیسہ نے عثمان کی بات کاٹ کر کہا۔
"میں آپ کی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہوا۔ بلکہ آپ سے سچی محبت کرتا ہوں۔ میں خود کو آپ کی غلامی میں دے کر اپنی وفاداری و اطاعت شعاری کا ثبوت دے رہا ہوں۔ میری درخواست ہے کہ آپ مجھے اپنی غلامی میں قبول کر کے میری دولت اور میری زندگی کی مالک بن جائیں۔"
"عثمان! میں نہیں چاہتی کہ دوبارہ ایسی باتیں سنوں۔ کاش! میں یہ نہ سنتی۔ میں تمہیں اچھا انسان سمجھتی ہوں۔ تم میری اس رائے کو تبدیل نہ کرو۔ اب مجھے کسی سے محبت نہیں ہو سکتی۔ میں کسی کی قید میں رہنا گوارا نہیں کر سکتی۔ یاد رکھو۔ مراد بک کی بیوہ اپنے شوہر کی امانت میں خیانت نہ کرے گی۔ ہم دونوں کو چاہیئے کہ اس وقت کی گفتگو کو بھلا دیں۔ خیال رہے گو میں ایک مجبور عورت ہوں لیکن اپنی ضروریات کے لئے میرے پاس کافی مال و دولت ہے۔ اگر میں نے کبھی کسی مخلص دوست کی ضرورت محسوس کی تو تمہارا نام سرفہرست ہو گا۔ لو اب ہوشیار ہو جاؤ۔ میری خادمہ کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔ شاید وہ کوئی خط لا رہی ہو۔ تم اسے اپنا چہرہ نہ دیکھنے دینا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس وقت تمہارے چہرے پر جو جذبات و احساسات رقصاں ہیں انہیں کوئی بھی نہ دیکھ سکے۔"
عثمان بک بردیسی اپنا منہ موڑ کر اس طرح بیٹھ گیا جیسے بڑے انہماک سے گانا سن رہا ہو۔
خادمہ نے اندر آ کر اطلاع دی کہ الفی بے دروازے پر کھڑے ملاقات کے متمنی ہیں۔ الفی بے کا نام سنتے ہی عثمان بک پریشان ہو گیا کیونکہ الفی بے اثر رسوخ اور مال و دولت میں اس کا ہم پلہ

ہونے کے ساتھ ساتھ حریف بھی تھا۔

"الغی بے کو خیر مقدم کہو اور اپنے ہمراہ اندر لے آؤ۔" ست نفیسہ بولی۔

"کیا الغی بے اندر رہ کر آپ سے ملاقات کرے گا؟" عثمان نے کہا۔

"یقیناً۔ اس لئے کہ الغی بے بھی عثمان بک کی طرح میرے شوہر کا دوست ہے۔"

"آپ نے درست فرمایا۔ میں اپنی بیوقوفی پر نادم ہوں اور رخصت کی اجازت مانگتا ہوں تاکہ آپ خوشگوار ماحول میں ملاقات کریں۔"

"مجھے امید ہے کہ تم میرے ساتھ موجود رہو گے۔" ست نفیسہ نے کہا اور اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر اسے سونے کے تاروں سے مضبوط کس کر کھڑی ہو گئی۔ یہ دیکھ کر عثمان بردیسی کو نہایت خوشی ہوئی اور اُس نے کہا "نفیسہ میرے سامنے بے نقاب آئی تھی لیکن الغی سے نقاب پوش ہو کر ملے گی۔ یہ میری کامیابی کی دلیل ہے۔ میں خداوند کریم کا شکر گزار ہوں۔" نفیسہ عثمان کے ان الفاظ کو نہ سن سکی کیونکہ وہ الغی بے سے ملاقات کے لئے تیاری کر رہی تھی۔

(۲۵)

اتحاد

●

الفی بک بڑے وقار و تمکنت سے قدم اٹھاتا ہوا کمرے میں آیا۔ اُس کے پیچھے چار غلام تھے جنہوں نے ایک صندوق اٹھا رکھا تھا۔ الفی بک نے نفیسہ کے سامنے جھک کر کہا:

"میرے خوابوں کی ملکہ! میں اپنی محبت کے ثبوت میں ایک ناچیز تحفہ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں" الفی کے اشارہ سے غلاموں نے نفیسہ کے سامنے صندوق رکھ دیا اور باہر چلے گئے۔

"میں تمہیں اپنے غریب خانہ پر دیکھ کر خوش ہو رہی ہوں۔ اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تمہارے زخم بھی میرے دوست عثمان بک کے زخموں کی طرح بھر چکے ہیں۔ مجھے تمہاری دوستی کا یقین ہے۔ کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی"

"آپ سچ فرما رہی ہیں لیکن دوستی کو مضبوط کرنا بھی اچھی بات ہے۔ اگر میرا شمار بت پرستوں میں ہوتا تو میں یہ کہے بغیر نہ رہ سکتا کہ میں اپنی حسین دیوی کے مندر میں اپنی محبت کی بھینٹ لے کر حاضر ہوا ہوں" الفی بک نے کہا۔

"خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تمہیں مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو کام بُت پرستوں کے ہیں ان سے نیک بہادر مملوک الفی کا کوئی واسطہ نہیں" نفیسہ نے کہا۔

"تمہارے سامنے کچھ بھی یاد نہیں رہتا۔ صرف اتنی سی بات یاد رہتی ہے کہ تم میری آقا ہو۔ میں تمہارا غلام ہوں۔ جو چاہتا ہے کہ آسمان سے ستارے نوچ کر تمہارے قدموں تلے بچھا دے" الفی نے کہا اور صندوق سے کئی ایسے برتن باہر نکالے جن میں بیش قیمت جواہرات زیور اور قیمتی پتھر تھے۔ الفی دوبارہ بولا:

"آپ تو واقف ہی ہیں کہ میں انگلستان گیا ہوا تھا۔ انگلستان میں برابر آپ کی یاد ستاتی رہی اور میں آپ کے لئے تحفے تحائف جمع کرتا رہا۔ آج ان تحائف کو نذر کرنے آیا ہوں۔

امید ہے غلام کا ہدیہ قبول فرما کر ممنون فرمائیں گی۔"

"گو مراد بک کی بیوہ کے لئے اس قدر قیمتی تحفے لانا ضروری نہیں ہے لیکن میں اپنے شوہر کے مخلص دوست کو خوش کرنے کے لئے ان قیمتی تحائف کو بعد شکریہ قبول کر لیتی ہوں میں ان چیزوں کو اپنے صحن کی زینت بناؤں گی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ الغی بک اپنے بہادر سردار اور عزیز دوست کی بیوہ کو بڑی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتا ہے۔" نفیسہ نے کہا۔ پھر عثمان بک سے مخاطب ہو کر بولی :

"عثمان بک! ذرا قریب آ کر دیکھو۔ الغی بک میرے لئے انگلستان سے کئی تحفے لائے ہیں۔"

الغی بک پر عشق کا بھوت سوار تھا۔ اس لئے وہ اب تک عثمان بک کی موجودگی سے واقف نہ تھا۔ اب عثمان کا نام سن کر شرمندہ ہوا اور چند قدم ہٹ کر بولا :

"کیا عثمان بک بھی کمرے میں موجود ہے ؟"

"ہاں، وہ بھی ابوقیر کے واقعہ میں زخمی ہونے کے بعد تندرست ہو گئے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ جب میں تم سے ملاقات کر سکتی ہوں تو مجھے ان کی ملاقات سے کون باز رکھ سکتا ہے۔"

الغی بک نے اپنی بیوقوفی پر ندامت کا اظہار کیا اور عثمان بک کو سلام کر کے بولا :

"تم اپنی محبت کے ثبوت میں جو تحفے لائے ہو مجھے بھی دکھاؤ۔ میں تمہیں اپنے تحفے دیکھنے کی اجازت دیتا ہوں۔"

"ٹھہرو، میں تمہیں اپنے تحفے دکھاتا ہوں۔" عثمان بک نے حقارت سے کہا اور باغ کی سمت چلا گیا۔ باغ میں کئی گلاب کے پودے بہار دکھا رہے تھے۔ عثمان بک گلاب کے ایک بڑے سرخ پھول کو توڑ کر لایا اور نفیسہ کے سامنے جھک کر پھول کو اس کے قدموں کے قریب رکھ کر بولا :

"میری سیدہ! میرا تحفہ یہ پھول ہے جو میں آپ کے قدموں کے قریب رکھ رہا ہوں۔ یہ آپ کے باغ کا آپ ہی کی طرح تر و تازہ، حسین اور خوشبو سے مہکا ہوا ہے۔ کیا میں اُمید

رکھوں کہ آپ اسے قبول کر کے میری عزّت افزائی فرمائیں گی "۔

" عثمان بک ! میں تمہارے تحفہ کو انتہائی شکریہ اور نہایت خوش دلی سے قبول کرتی ہوں ۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے خدا نے بنایا ہے "۔ ست نفیسہ نے مسکرا کر کہا ۔ پھر پھول کو زمین سے اٹھا کر سونگھتی ہوئی اپنی مسند پر جاکر بیٹھ گئی اور عثمان سے مخاطب ہو کر بولی :

" میں تم دونوں کے تحفے قبول کرتی ہوں اور دونوں سے درخواست کرتی ہوں کہ میری خوشی کو دوچند کرنے کے لئے میرے سامنے صلح صفائی کر لیں ۔ میں تمہاری پرانی دشمنی سے واقف ہوں ۔ مجھے مملوک سرداروں کی دشمنی سخت ناپسند ہے ۔ تمہیں آپس کی عداوت کو چھوڑ دینا چاہیئے ۔ تم خواہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہو جاؤ ۔ تمہاری قوت اتحاد کی عدم موجودگی میں پارہ پارہ ہو جائے گی ۔ میری خواہش ہے کہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ تم اپنے دشمن کے مقابلے میں متحد ہو ۔ اس وقت تمہیں اتحاد کی بڑی ضرورت ہے کیونکہ تمہارے مقابلے میں ایسی نئی تُرکی فوج آئی ہے جس کی کمان ایک بڑے بہادر ، منچلے ، اور ظالم افسر کے ہاتھ میں ہے ۔ میں تمہیں اس لیئے ایک دوسرے کا دوست دیکھنا چاہتی ہوں کیوں سرداروں کا اختلاف پوری قوم کو کمزور کر دیتا ہے "۔

" اگر عثمان بک نفیسہ کو حاصل کرنے کی کوشش میں میرے مزاحم نہ ہوں تو میں ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا سکتا ہوں "۔ الفی بک نے کہا ۔

" میں اس کا فیصلہ نفیسہ پر چھوڑتا ہوں ۔ وہ جسے چاہے پسند کرلے ۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا ۔ اگر نفیسہ نے انتخاب کر لیا تو گو میں الفی کو اپنا دوست نہ سمجھ سکوں گا مگر اسے قتل کرنے کی کوشش نہ کروں گا ۔ نفیسہ کی خاطر میں اپنے دل کی آرزوؤں کو دفن کرنے کے لئے بھی تیار ہوں "۔ عثمان بردیسی نے کہا ۔

نفیسہ الفی بک سے مخاطب ہو کر بولی :

" کیا تم بھی قسم کھا کر کہتے ہو کہ تم میرا فیصلہ منظور کرو گے ؟ "

" میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نفیسہ کے فیصلے کو تسلیم کروں گا اور وہ جس کا انتخاب کرے گی اسے ہلاک کرنے کی ذرا سی کوشش بھی نہ کروں گا "۔ الفی بک نے کہا ۔

گفتگو کے اسی مرحلہ پر خاموشی طاری ہو گئی اور دونوں رقیب بڑی بے قراری سے اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے لیئے نفیسہ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگے ۔ نفیسہ کی آنکھوں میں عجیب و غریب

جھک آگئی اور وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ لونڈیاں مسلسل گانے میں مصروف تھیں۔ ایک لونڈی نے درد بھرے لہجے میں ایک نظم شروع کی جس میں بیان کیا گیا تھا کہ ایک غلام کو اپنی سیّدہ سے محبت ہوگئی اور اس نے سیّدہ کی بے رخی کے سبب اپنی جان دے دی۔ تفصیل یہ تھی کہ غلام نے کافی عرصہ تک اپنی محبت کو چھپائے رکھا۔ حتیٰ کہ صبر و قرار کھو بیٹھا۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں ایک امیر سیدہ کی ملاقات کے لئے آیا اور غلام کی موجودگی میں اس کی محبوبہ سے اظہار عشق کرنے لگا اور وہ بھی محبت کا جواب محبت سے دینے لگی۔ حتیٰ کہ امیر نے جرأت کی۔ اس کے روبرو جھکا اور اس کے ہاتھ کو پکڑ کر چومنے لگا۔ سیّدہ نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ یہ دیکھتے ہی غلام نے چیخ مار کر کہا۔ آہ! میں تیرے عشق میں جان سے ہاتھ دھوتا ہوں اور زمین پر گر کر گہری نیند سو گیا۔ نفیسہ، عثمان اور الفی نظم کو پوری توجہ سے سنتے رہے۔ لونڈی نے نظم ختم کی تو نفیسہ دونوں سے مخاطب ہو کر بولی۔

"تم اس نظم سے کوئی اثر نہ لو۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میں تمہارے ساتھ ہرگز شادی نہ کروں گی۔ تمہیں میرا شوہر اپنے دوست سمجھتا تھا۔ اسی طرح تم میرے بھی شناسا ہو۔ میں نے اپنے شوہر کے بستر مرگ پر بیٹھ کر اپنے آنسوؤں سے اُن کے زخم دھوتے ہوئے قسم کھائی تھی کہ اُن کے بعد شادی نہ کروں گی۔ مراد بک کی بیوہ شادی نہ کرنے کا عہد کر چکی ہے اب میں تم دونوں سے سوال کرتی ہوں کہ کیا تم پسند کرو گے کہ مراد بک کی بیوہ اپنی قسم کو پس پشت ڈال دے اور بدعہدی کی مرتکب ہو۔ تم میرے اس سوال کا جواب دو گے تو میں اپنے فیصلہ کا اعلان کروں گی۔"

یہ سن کر عثمان اور الفی نے سر جھکا دیا اور دونوں نے کہا:

"اے نفیسہ! ہم تجھے قسم توڑنے کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ افسوس! ہم دونوں کے مقدّر میں کامیابی نہیں لکھی۔ اب ہم تیری اطاعت کی قسم کھاتے ہیں۔"

"میں خوش ہوں کہ اب تم دونوں نے صحیح راہ اختیار کر لی ہے۔ میں تم دونوں کو اپنا دوست اپنا بھائی سمجھتی ہوں۔ اب تم دونوں متحد ہو کر اپنے دشمن کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی قسم کھاؤ۔ ہمارا خیال تھا کہ فرانسیسیوں کی روانگی کے بعد ہم اطمینان کا سانس لیں گے مگر ترکی لشکر نے

ہمارے اطمینان کو تباہ کر ڈالا ہے۔ دشمن کو برابر مدد مل رہی ہے اور اس تُرک لشکر کی کمان ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے جو بڑا بہادر اور خطرناک آدمی ہے" نفیسہ نے مُسکرا کر کہا۔

عثمان اور الفی نے گلے مل کر قسم کھائی کہ اپنے مشترکہ دشمن سے متحد ہو کر مقابلہ کریں گے پھر دونوں نے نفیسہ سے اس خطرناک افسر کے بارے میں پوچھا جس کا وہ کئی بار ذکر کر چکی تھی۔ نفیسہ نے کہا۔

"میں اُسی آدمی کا ذکر کر رہی ہوں جو ابوقیر کے واقعہ میں ترکی فوج کا افسر تھا۔ اب تو وہ قصبہ رشید کو بھی فتح کر چکا ہے۔ وہ شیر کی طرح بہادر اور لومڑی کی طرح مکّار ہے۔ تمہیں اُس سے ہوشیار رہنا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو اُسے اپنے ساتھ ملانا چاہیئے۔ اگر تم اس میں کامیاب ہو جاؤ اور محمد علی کو ممالیک کا حامی بنا تو وہ تمہیں اس قدر طاقتور بنا دے گا کہ کوئی بھی تمہارے مقابلہ میں فتح یاب نہ ہو سکے گا"

"میں اس شخص سے بخوبی واقف ہوں۔ ہماری پہلی ملاقات بچپن میں ہوئی تھی اور ہم آپس میں جھگڑ پڑے تھے۔ ہماری دوسری ملاقات ابوقیر کے واقعہ کے دن ہوئی اور محمد علی نے مجھے اپنے سپاہیوں کے ہاتھوں سے بچا لیا۔ اگر وہ آڑے نہ آتا تو اُس کے سپاہی مجھے قتل کر دیتے۔ اب میں اسے اپنا رفیق بنانے کی کوشش کروں گا۔ ہم اس میں کامیاب ہو گئے تو واقعی ممالیک بڑے طاقتور ہو جائیں گے اور ہم صاحب اختیار ہو گئے تو اس کا سہرا نفیسہ کے سر ہوگا"۔

نفیسہ نے دونوں کا شکریہ ادا کیا اور دونوں کے ساتھ ہاتھ ملا کر بولی :

"جاؤ، بازار میں اکٹھے نکلو تاکہ تمہیں دیکھ کر لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ممالیک کے دو بڑے سردار متحد ہو گئے ہیں۔ اس سے عوام کی بے چینی دور ہو جائے گی اور سب متحد ہو کر اپنے وطن کے دشمن کا مقابلہ کریں گے"۔

عثمان اور الفی رخصت ہو گئے اور نفیسہ اکیلی رہ گئی تو مسند پر لیٹ کر خیالات کی دنیا میں کھو گئی۔ اُس کے چہرے پر رنج والم کے آثار چھائے ہوئے تھے اور وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔ گو میں نے اپنے شوہر کے سامنے قسم نہیں کھائی کہ کسی اور سے محبت نہ کروں گی لیکن میں نے اس سلسلہ میں جھوٹ بول کر خود کو ان دونوں امیروں کی دستبرد سے بچا لیا ہے۔ گو میں

اس وقت بھی محبت کے جذبے سے نا آشنا نہیں ہوں لیکن افسوس! میں جس پر فدا ہوں اس کا نام کسی کو نہیں بتا سکتی۔ حتیٰ کہ اپنے محبوب پر بھی اپنی محبت کا اظہار نہیں کر سکتی۔
نفیسہ کچھ دیر اپنے خیالات میں محو رہی۔ پھر اٹھ کر اپنے گرم گرم آنسوؤں کو کپڑے سے پونچھ ڈالا۔ اچانک اس کا جسم کانپا اور چہرے پر سرخی آ گئی کیونکہ اس کی نظر کے داروغہ یوسف پر پڑ گئی تھی جو سامنے سے آ رہا تھا۔ یوسف کی نظر جیسے ہی نفیسہ کے شاداب چہرے پر پڑی۔ نفیسہ نے فوراً چہرے پر نقاب ڈال لی اور اپنی مسند پر بیٹھ کر گلاب کے پھول کو سونگھنے لگی۔ یوسف نے خود کھڑے ہو کر کہا۔
"حضور! سواری تیار ہے۔ اجازت ہو تو میں بھی گھوڑے پر سوار ہو کر گاڑی کے ساتھ ساتھ رہوں۔"
"میں خوش ہوں تم میرے حکم کی فوراً تعمیل کرتے ہو۔ میرے ہمراہ خواص جائیں گے۔ تمہیں بھی چلنے کی اجازت ہے۔" نفیسہ نے کہا۔ اس کے ہاتھ سے پھول گر گیا۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب سے ہوتی ہوئی گزر گئی۔ یوسف دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر نفیسہ کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور اپنے دل میں اس کے حسن و جمال کی داد دیتا ہوا کہنے لگا۔ کاش میں اس کے رخساروں پر سے گزرنے والی ہوا ہوتا۔ کاش! اس کے دل میں میری جگہ ہوتی۔ پھر یوسف چاروں طرف دیکھ کر جھکا اور گلاب کے پھول کو چوما پھر سینے سے لگا کر سرد آہ بھرنے لگا۔

۳۶
جنگ کی ترغیب

محمد علی نے ممالیک کو کئی معرکوں میں شکست دی اور اُن کے دو مضبوط قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ خسرو پاشا ان خبروں کو سن کر بہت خوش ہوا اور اپنی خوش قسمتی پہ ناز کر کے سوچنے لگا کہ مجھے بہادر محمد علی کی حمایت حاصل ہے۔ اس لیے اب مجھے مصر کا مستقل پاشا بننے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن ڈرتا ہوں کہ کہیں محمد علی مجھے چھوڑ کر نہ چلا جائے کیونکہ وہ کسی وجہ سے مستقل میرے پاس رہنے پر مجبور نہیں ہے۔ اگر میں اسے اپنی ایک لڑکی دے کر اپنا داماد بنا لوں تو وہ ہمیشہ میری مدد کرنے پر مجبور ہوگا۔ مجھے بعض اوقات اس کی آنکھوں میں خاص قسم کی چمک نظر آتی ہے۔ میں اسے بلا کر گفتگو کرتا ہوں۔ دیکھیے، کیا کہتا ہے۔ فوراً ہی خسرو پاشا نے ایک خواجہ سرا کو بلا کر حکم دیا کہ محمد علی کو لے آئے۔ محمد علی آ گیا تو خسرو پاشا اُسے قہوہ اور حقہ پیش کر کے بولا:

"محمد علی اس وقت تمہاری عمر کیا ہے اور کیا تم شادی کر چکے ہو؟"

"میرا خیال ہے۔ اس وقت میری عمر تیس برس کے لگ بھگ ہوگی۔ حسان شور بجی کی بھتیجی میری بیوی ہے اور میں تین لڑکوں کا باپ ہوں۔"

"تعجب ہے تم ایک بیوی کے خاوند ہو؟"

"میں زیادہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"ہر شخص کا یہی خیال ہوتا ہے لیکن دوسری مل جائے تو وہ انکار بھی نہیں کرتا۔ تم خدا کی قسم کھا کر کہو کہ تمہیں ایک نوجوان حسین و جمیل، نیک سیرت بیوی مل جائے تو کیا اُسے اپنی دوسری بیوی کی حیثیت سے قبول نہیں کرو گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے لیے ایک اچھی بیوی تلاش کروں گا اور جب تم آئندہ جنگ میں کامیاب ہو کر آؤ گے تو فوراً اس سے تمہاری شادی کر دوں گا۔"

"کیا کوئی نئی جنگ تیار ہے۔ یہ جنگ کہاں ہوگی اور کس کے ساتھ ہوگی؟"

"سلطان ممالیک کی سرکشی اور مکاری کو ناقابل برداشت سمجھتے ہیں۔ اس لیئے ان کی مکمل سرکوبی کر کے ملک میں امن وامان قائم کرنا چاہتے ہیں۔"

"واقعی اگر ایک بھی مملوکی بچ نکلا تو وہ دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے لیئے کوشش کرے گا کیونکہ ممالیک کے ہر فرد کا خیال ہے کہ وہ خدا اور رسول صلعم کے حکم سے مصر کا مالک ہے۔"

"فرانسیسیوں نے ممالیک کی قوت کو بڑی حد تک کمزور کر دیا ہے۔ پھر اب سلطان کے حکم سے چرکسی اور کرد بھی مصر میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ممالیک کی قوت روز بروز کمزور ہو رہی ہے۔"

پھر بھی ان کی فوج میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے خانہ بدوشوں اور البانوی قیدیوں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا ہے اور احمد علی عربی کے قبیلہ سے بھی عہد و پیمان کر لیئے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو کرد اور چرکسی سپاہی ترکی اور عربی سپاہیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لومڑی شیر نہیں بن سکتی اور نہ بلی، چیتے کی جگہ لے سکتی ہے۔ مراد بک کی وفات کے بعد طمبوجی اس کا جانشین تھا جو ابوقیر کے واقعہ میں مر چکا ہے۔ اب ممالیک کے تین سرداروں عثمان بک، الفی بک اور ابراہیم بک میں اقتدار حاصل کرنے کے لیئے رسہ کشی ہو رہی ہے۔ عثمان کا جھکاؤ فرانسیسیوں کی طرف ہے اور الفی بک انگلستان کا حامی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے شدید مخالف ہیں۔ ہم ان کی دشمنی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ابراہیم نے فرانسیسی جنرل لونا پارٹ سے ترکوں کے خلاف مدد کی درخواست کی ہے اور الفی بے نے ترکوں کو مصر سے نکالنے اور اپنے حریفوں کو شکست دینے کے لیئے انگلستان سے مدد کی اپیل کی ہے۔ صاف ظاہر ہے وہ ہماری قوت سے خوفزدہ ہیں۔ ممالیک سرداروں نے اپنے قاصدوں کو فرانس اور انگلستان بھیجنے کے بعد مجھے پانچ مہینہ کے لیئے صلح کا پیغام دیا تھا جو میں نامنظور کر چکا ہوں۔ میں چاہتا تھا کہ عثمان بک حسن مملوکی طرح قاہرہ آکر اطاعت قبول کر لیں لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ میرے خیال میں اب ہمیں چاہیئے کہ انہیں اپنے مقابلہ کے لیئے تیار ہونے کا مزید موقع دیئے بغیر ان پر حملہ کر دیں۔ مجھے یوسف بک کی جنگی قابلیت پر پورا بھروسہ ہے۔ میں اسے پہلے لشکر کا افسر مقرر کرتا ہوں۔ محمد علی دوسرے لشکر کا افسر ہوگا۔"

"میں اس افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"میں صعید کے سپہ سالار طاہر پاشا کو حکم دے چکا ہوں کہ وہ بھی تم سے آملے۔ اس وقت ہمارے پاس صرف سولہ سترہ ہزار لشکر ہے جو ملک بھر میں پھیلا ہوا ہے اور کسی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا۔ اس لشکر میں صرف چار ہزار قابل اعتماد البانوی سپاہی ہیں۔ یہ قبطان پاشا کے بھیجے ہوئے بہادر سپاہی ہیں جو ترکی النسل نہیں ہیں۔ ان پر قابو پانا بھی بڑا دشوار ہے۔"

"افسوس! میں بھی ترکی النسل نہیں ہوں۔" محمد علی نے کہا۔

خسرو بولا۔ "مجھے تم پر پورا اعتماد ہے لیکن میں البانوی سپاہیوں پر پورا بھروسہ نہیں کر سکتا۔ اسی لئے میں نے حبشیوں کی ایک پلٹن کو ترتیب دیا ہے اور کچھ منتخب حبشی سپاہیوں کو اپنی حفاظت پر مامور کیا ہے۔ ان سپاہیوں پر بھروسہ کر کے مطمئن ہو گیا ہوں۔"

"آپ کو کسی سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم سب آپ کی حفاظت کریں گے۔ مجھے ممالیک کی سرکوبی کے لئے کب میدان جنگ کی طرف جانے کا حکم ملے گا؟" محمد علی نے کہا۔

"تم فوراً روانہ ہو جاؤ۔ یاد رکھنا خسرو پاشا فتحمند محمد علی کو بدلہ دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ میں ایک حسین اور مالدار لڑکی سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ جاؤ تیاری کرو۔ طاہر پاشا تم سے مل جانے کے لئے روانہ ہو چکا ہو گا۔ یوسف بک بھی بالکل تیار ہے۔ جب تم سب اکٹھے ہو جاؤ تو جنگ کی ابتدا کر دینا۔" یہ کہہ کر خسرو پاشا مسکرایا اور محمد علی کو رخصت کی اجازت دے دی۔ محمد علی سر جھکا کر باہر آگیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا۔ خسرو پاشا میرے انتقام سے بچنے کے لئے حبشیوں پر بھروسہ کرتا ہے۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی ہے۔ شاید ان حبشیوں کی سیاہ روئی خسرو پاشا کی سیاہ بختی کی نشانی ہے۔

(۳۷)

مشورے

●

عثمان بک بردیسی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ومہنور کے میدان میں ٹھہرا ہوا تھا اور الفی بک اور دوسرے ممالیک سرداروں کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے جاسوس پورے ملک میں پھیل کر برابر خبریں پہنچا رہے تھے۔ اس کے ایک جاسوس شیخ عنان بدوی نے ومہنور پہنچ کر خبر دی کہ ترکی فوج ممالیک پر حملہ کرنے کے لئے قاہرہ سے روانہ ہو چکی ہے اور طاہر پاشا بھی صعید سے سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ چل پڑا ہے۔ بردیسی اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوا کیونکہ اس کے خیال میں کام کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اب اسے الفی بک کا انتظار تھا تاکہ ترکوں کے آنے والے بڑے لشکر سے ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ بردیسی کو زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا تھا کہ الفی بک تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ آ پہنچا۔ لوگوں نے الفی کو گھیر لیا اور دشمن کی طاقت کا حال بیان کرنے لگے۔ عثمان کی رائے تھی کہ ہر ترک لشکر سے الگ الگ مقابلہ کیا جائے اور انہیں اکٹھے ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔ الفی بک نے افسردہ دلی سے کہا۔

"میرے خیال میں ہم سب کو اپنی اپنی جگہ پر رہنا چاہیئے۔ ہمارے انگریز دوستوں کی بھی یہی رائے ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ تین ترک لشکر ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ یوسف بک پہلے لشکر کی کمان کر رہا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے محمد علی آ رہا ہے۔ محمد علی وہی جنگجو آدمی ہے جس سے نفیسہ نے ہمیں خبردار رہنے کے لئے کہا تھا۔ ان دونوں ترک لشکروں کے پیچھے طاہر پاشا کا لشکر آ رہا ہے۔ ہم نے ان پر حملہ کیا تو شکست کھا جائیں گے۔"

"لیکن ہم ترکوں سے مقابلہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔ بھاگنے کے لئے نہیں آئے۔ پھر ہم اپنے دشمن کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر رکنا چاہتے ہیں۔ تم ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو نہ سہی۔" عثمان نے کہا۔

"میں اس سردار کو ہوشیار سمجھتا ہوں جو دشمن کی طاقت اور اپنی بے سروسامانی پر غور کر کے کوئی قدم اٹھائے۔ میں پیچھے ہٹ رہا ہوں۔ بھاگ نہیں رہا۔ میں اپنے انگریز دوستوں کی نصیحت کے مطابق ترکوں پر حملہ نہیں کروں گا۔" الفی نے کہا اور سلام کر کے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چلا گیا۔ کچھ دور انگریزوں کا ایک رسالہ اس کا منتظر تھا۔ الفی پہنچا تو سب دن رات چل کر طنبطا پہنچے اور وہاں سے تازہ دم گھوڑے لے کر سکندریہ پہنچ گئے۔ الفی بک انگریز جہاز پر سوار ہو کر اپنے ملک سے باہر چلا گیا تاکہ سیر و تفریح میں ست نفیسہ کے خیال کو بھلا سکے۔

عثمان بک الفی کی روانگی کے بعد ممالک کے سردار ابراہیم بک و حسن آغا کو بلا کر بولا:

"آپ لوگوں کے کیا ارادے ہیں۔ کیا آپ ہمارے ساتھ مل کر ترکوں سے مقابلہ کریں گے یا مناسب موقعہ کے انتظار میں الفی کا ساتھ دیں گے۔ شیخ عثمان نے بتایا ہے کہ یوسف بک یہاں سے دوروز تک کی راہ پر پہنچ چکا ہے اور محمد علی تین دن کی مسافت پر چلا آرہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ محمد علی کے آنے سے قبل ہی یوسف بک پر ایسا بھرپور حملہ کروں کہ وہ مغلوب ہو جائے۔ ہم نے پہلے لشکر کو شکست دے کر بھگا دیا تو دوسرے لشکر پر حملہ کر دیں گے اور بڑی آسانی سے فتح حاصل کرلیں گے کیونکہ طاہر شاہ کو پہلی فوج کے حشر کا علم ہوا تو وہ ہمارے مقابلہ پر نہ آئے گا اور ہم بے خوف و خطر قاہرہ کی طرف بڑھ جائیں گے۔ وہاں اس وقت کوئی لشکر نہیں ہے۔ ہمارا قاہرہ پر قبضہ ہو جائے گا۔"

ممالیک نے عثمان کی تقریر سن کر جوش و خروش سے کہا کہ "ہمارے گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے ہیں اور ہماری تلواروں کو فرشتوں کی مدد حاصل ہے۔ ہم ترکوں پر ضرور حملہ کریں گے۔"

عثمان بردیسی نے ممالیک کے جواب سے خوش ہو کر کہا:

"اس وقت سب لوگ آرام کریں اور گھوڑوں کو ستانے دیں۔ ہم علی الصبح دشمن پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوں گے۔ خدا ہمارا حامی و مددگار ہو۔"

لوگ خوش و خرم واپس آئے اور اپنے گھوڑوں کو ستانے کے لئے چھوڑ کر خود بھی شام ہی کو سو گئے تاکہ آرام کر کے تازہ دم ہو جائیں۔ رات کی آمد کے ساتھ ہی دمنہور کی

لشکر گاہ پر خاموشی طاری ہوگئی۔ عثمان بک بردیسی جواب تک بیدار تھا، خیمہ سے نکل کر اپنے جاسوس شیخ عنان کے پاس پہنچا اور اُسے بیدار کر کے بولا:

"اگر تم میرا ایک کام کرنے کی حامی بھر لو تو میں صرف تمہیں میدان جنگ میں مال غنیمت اکٹھا کرنے کی اجازت دے دوں۔ ترکی فوج کے ہتھیار، گھوڑے، مال و سامان سب کچھ تمہاری نذر کروں۔"

"فرمایئے! کیا حکم ہے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ میں اپنی بہادر لڑکی لطیطہ کی خاطر ہر سختی برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ کے انعام سے مال و دولت اکٹھا کروں۔"

"تم نے کہا تھا کہ یوسف بک اور محمد علی کے درمیان پورے ایک دن کی مسافت کا فاصلہ ہے۔"

"جی ہاں، مگر محمد علی ہوشیار نوجوان ہے۔ ممکن ہے اور سواروں کے ساتھ رات دن چل کر یوسف بک سے مل جائے۔" "گو یہ ممکن بھی ہے مگر میں ان دونوں کو اکٹھے ہونے کا موقع دینا نہیں چاہتا۔ مجھے محمد علی سے لڑنا پسند نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تمہیں جگا کر اس معاملہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آؤ لشکر سے باہر چل کر باتیں کریں۔"

دونوں لشکر سے باہر آکر باتوں میں محو ہو گئے۔ عثمان بردیسی ہولے ہولے کچھ کہتا رہا جسے سن کر شیخ عنان کے چہرے پر خوشی کے جذبات رقص کرتے ہیں۔ شیخ عنان بولا:

"مجھے آپ کے خیال سے اتفاق ہے۔ اگر آپ انعام کا وعدہ نہ کرتے تو بھی میں آپ کی خواہش کو عملی جامہ پہنا دیتا۔ بہر حال میں بڑی ہوشیاری سے آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ میں اسی وقت جانے کی اجازت مانگتا ہوں۔ صبح آپ کا یوسف بک سے مقابلہ ہوگا۔ میں اس وقت اپنے قبیلے والوں کے ہمراہ مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔ میں اب اہرام کی طرف جا کر اپنے خیمہ میں پہنچتا ہوں اور اپنی بیٹی لطیطہ کو رائے دیتا ہوں کہ وہی اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ میں صبح سویرے آپ کے خیمہ پر آجاؤں گا۔ اگر میں وقت مقررہ تک نہ پہنچ سکا تو آپ سمجھ لیں کہ شیخ عنان جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ محمد علی اس کے مقابلہ میں بڑا ہوشیار آدمی ہے۔"

❀

۲۸

صحرائی دوشیزہ

محمد علی نے خسرو پاشا کے منتخب لئے ہوئے پانچ ہزار البانوی سپاہیوں کے ساتھ جنہرہ کے سبزہ زار میں عارضی پڑاؤ ڈال دیا۔ یوسف بک سپاہیوں کی اتنی ہی تعداد لے کر آگے بڑھ چکا تھا۔ خسرو پاشا نے حکم دے رکھا تھا کہ سب سے پہلے یوسف بک ممالیک پر حملہ کرے اور اگر اسے کامیابی حاصل ہو تو محمد علی اس کے پیچھے نہ جائے بلکہ اپنی فوج کے ہمراہ چھاؤنی لوٹ آئے۔ اگر یوسف بک ممالیک پر اکیلا غالب نہ آسکے تو محمد علی اس کے پیچھے میدان جنگ میں داخل ہو۔ محمد علی سمجھ گیا کہ خسرو پاشا یوسف بک کو بہت عزیز رکھتا ہے اس لئے چاہتا ہے کہ محمد علی کو یوسف کے بعد میدان جنگ میں بھیجے تاکہ فتح کا سہرا یوسف کے سر باندھا جائے۔ اگر وہ ناکام ہو تو محمد علی آگے بڑھ کر میدان جنگ میں آئے۔ یوسف اور محمد علی کے درمیان ایک دن کا فاصلہ ہے۔ محمد علی یوسف کی شکست سے دیر میں واقف ہو گا۔ فوری حملہ کا وقت گزر جائے گا۔ از سر نو جنگ شروع ہو گی تو پھر بھی محمد علی کا سہرا محمد علی کے سر نہ باندھا جائے گا۔ محمد علی رات کی خاموشی میں اسی قسم کے خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ اس کا لشکر میدان میں پھیل کر سو رہا تھا۔ ہر سپاہی اپنے گھوڑے کے قریب لیٹا ہوا تھا۔ اچھا موسم تھا اور قیام کی مدت نہایت تھوڑی تھی۔ اس لئے سپاہیوں نے اپنے اپنے خیمے نصب نہیں کئے تھے۔ پورے میدان میں صرف کرنل محمد علی کا ایک سفید خیمہ نصب تھا جس کے سامنے سرخ پرچم اڑ رہا تھا۔ اگر کسی قاصد کو محمد علی کے پاس پہنچنا ہوتا تو سرخ پرچم اور خیمے کو دیکھ کر بآسانی پہنچ جاتا۔ دو سپاہی خیمہ کی حفاظت کر رہے تھے۔ جب پورے لشکر پر خاموشی طاری ہو گئی تو محمد علی خیمہ سے باہر آکر پہرہ داروں سے مخاطب ہوا۔

"افسر کو اپنے وفادار سپاہیوں کے درمیان کسی پاسبان کی ضرورت محسوس نہیں ہونی چاہیئے۔ اب تم دونوں آرام کرو تاکہ کل کے لئے تازہ دم ہو سکو۔"

پہرہ داروں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ محمد علی کا شکریہ ادا کر کے ایک گوشہ کی طرف گئے اور اپنی بانہوں کو سر کے نیچے رکھ کر لشکر کے دوسرے سپاہیوں کی طرح سو گئے۔
محمد علی خیمہ میں لوٹ کر دوبارہ اپنے خیالات کی دنیا میں کھو گیا۔ اس نے سوچا۔ میں خسرو کے احکامات کی تعمیل کروں یا جو مناسب سمجھوں کروں۔ اگر اکیلا یوسف فتح یاب ہو گیا تو میری شہرت ختم ہو جائے گی۔ اگر میں یوسف کی شکست کے بعد حملہ آور ہوا تو اپنے تھوڑے سپاہیوں سے کامیاب نہ ہو سکوں گا۔ اس وقت مجھے کون سی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ کیا میں ظالم خسرو سے بغاوت کر کے اپنے اس کام کی ابتدا کر دوں جو مجھے یہاں لایا ہے یا کل کی جنگ کے نتیجے کا انتظار کروں۔ محمد علی اپنے خیالات میں اس قدر محو تھا کہ ان دو آنکھوں کو بھی نہ دیکھ سکا جس کا مالک دبے پاؤں لشکر میں سے ہوتا ہوا خیمہ کے قریب کھڑا ہو گیا تھا۔ محمد علی اپنے خیالات کی دنیا میں کھویا ہوا تھا نیند نے اپنے بازو پھیلائے۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ خواب میں بھی عثمان اور خسرو کو دیکھنے لگا۔ ایک بار آہٹ سے اُس کی آنکھ کھل گئی اور وہ خیمہ میں غور سے دیکھنے لگا اور کسی کو نہ پا کر اطمینان سے سو گیا۔ محمد علی کی گھات میں بیٹھا ہوا شخص مناسب موقعہ پا کر چیتے کی طرح خیمہ میں گھسا اور بلّی کی مانند دبے پاؤں چلتا ہوا محمد علی کے قریب پہنچ گیا اور ایک مضبوط رسّی سے محمد علی کے ہاتھ پاؤں باندھنے لگا۔ محمد علی بے خبر سو رہا تھا۔ اُس شخص نے ہاتھ پاؤں باندھ کر برق رفتاری اور جرأت سے محمد علی کے منہ میں کپڑا ٹھونسا اور اوپر سے تھیلی چڑھا کر گردن کے پاس کس دی۔ محمد علی بیدار ہوا تو اس کے کان میں آواز آئی "جناب، کوئی فکر نہ کریں۔ آپ کو کوئی قتل نہیں کرنا چاہتا۔" یہ سن کر محمد علی نے چاہا کہ اٹھ کر کچھ کہے لیکن ناکام رہا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا افسوس! میرا انجام برا ہوا ہے۔ اب لوگ مجھ پر ہنسیں گے۔ افسوس! میری وہ حالت ہے جو ظالم خسرو کی ہونی چاہیئے۔ میں جوہرہ کا انتقام لینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ خسرو کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ اب وہ میرے انتقام سے بچنے کے لئے میری جوہرہ کی طرح مجھے بھی دریا میں پھینک کر قتل کر دے گا۔
محمد علی کو گرفتار کرنے والا شیخ عنان تھا جو اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے دبے

باؤں چلتا ہوا لشکر کے باہر آگیا اور کچھ دور پہنچ کر زمین پر رکھنے کے بعد بولا۔ "اے کرنل! اب تم قیدی ہو۔ صبح جب تمہارا لشکر بیدار ہوگا اور تمہیں غائب دیکھے گا تو کس طرح کوچ کرے گا"۔ پھر شیخ نے قہقہہ بلند کرنے کے بعد اپنی بیٹی کو آواز دی جو خچر کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ آئی تو شیخ بولا:

"بیٹی بطیطہ! اس قیدی کو سنبھالو اور سوار ہو کر فوراً خیمہ گاہ کی راہ لو۔ جب تک عثمان بک آکر اس قیدی کو طلب نہ کرے۔ یہ قیدی تمہاری حفاظت میں رہے گا۔ یاد رہے گو تم مجھے بہت عزیز ہو لیکن یہ قیدی فرار ہو گیا تو میں تمہارا سر قلم کر دوں گا۔ تم اس کی حفاظت کرو گی تو اپنی جان بچا لو گی"۔

بطیطہ اس قدر بلند آواز سے کہ اس کی آواز محمد علی بھی سن لے۔ بولی:

"ابا جان! مطمئن رہیں۔ میں اپنی قیمتی دولت کی طرح اس قیدی کی حفاظت کروں گی"۔

"مناسب ہے تم جاؤ۔ میں اس طرف جا رہا ہوں جہاں کل جنگ ہوگی اور میں بک کے وعدہ کی روشنی میں اپنی اس بہترین خدمت کے انعام میں میدان جنگ سے بیش قیمت مال غنیمت اکٹھا کر لوں گا"۔ یہ کہہ کر شیخ نے اپنی بیٹی کو خچر پر بٹھایا اور اس کے سامنے قیدی کو رکھ کر رخصت کر دیا اور خود بھی ہوا سے باتیں کرتا ہوا چل پڑا۔

محمد علی پر عذاب کی کیفیت طاری تھی۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ خچر پر سوار چلا جا رہا ہے اور کسی کے نرم نرم ہاتھ اسے گرنے سے بچانے کے لئے تھام تھام لیتے ہیں۔ کچھ دیر بعد بطیطہ خچر کو ٹھہرا کر بولی:

"غریب قیدی! تجھے اس حالت میں خچر پر سواری سے تکلیف ہو رہی ہے اور میں تجھ پر رحم کر کے تیرے منہ سے کپڑا نکالنا چاہتی ہوں اور تیری آنکھیں بھی کھولنا چاہتی ہوں لیکن ڈرتی ہوں کہ تو جوشِ انتقام میں مجھے کاٹ لے گا"۔ یہ سن کر محمد علی نے سر ہلا دیا۔ بطیطہ بولی:

"تو سر ہلا کر وعدہ کر رہا ہے کہ مجھے کاٹ نہیں کھائے گا۔ خیر میں تجھے زین سے کسنے کے بعد تیرے منہ اور آنکھوں کو آزاد کرتی ہوں"۔

بطیطہ نے اپنی شال اتار کر محمد علی کو خچر کے زین سے کس دیا اور پھر غلاف کو سر سے

الگ کر کے منہ سے کپڑا بھی نکال دیا۔ سیاہ رات تھی۔ لطیفہ محمد علی کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔ محمد علی یکلخت دیکھنے اور بولنے سے قاصر تھا۔ اس لئے اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر تازہ ہوا کھانا ضروری خیال کیا۔ لطیفہ نے سوچا۔ یہ غریب قیدی تو بڑا خوبصورت ہے۔ پتہ نہیں اس نوعمری میں اسے کیونکر افسر بنا دیا گیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ کوئی بوڑھا کھوسٹ ہوگا۔ جس کے بڑھاپے پر میں رحم کروں گی لیکن یہ تو ایک مضبوط نوجوان ہے۔ میں یہ سوچ کر اور بھی غمگین ہوگئی ہوں کہ اس وقت یہ کڑیل نوجوان ایک کمزور لڑکی کا قیدی ہے۔

ہولے ہولے محمد علی تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہوگیا۔ اس نے لطیفہ کا خوبصورت چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، سرخ لب اور چمکدار دانت دیکھ کر سرد آہ بھری اور کہا۔

"اے لطیفہ! تمہیں میری حالت پر غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں کسی آدمی کی قید میں ہوتا تو میری شرمندگی کی کوئی حد نہ رہتی لیکن اگر کوئی بہشت کی حور مجھے قیدی بنا کر اپنی گود میں اٹھائے چلے تو میری شخصیت قابل رشک بن جاتی ہے۔"

لطیفہ خوش ہو کر بولی:

"تم تو بڑی پیاری باتیں کرتے ہو۔ تمہارے الفاظ سحر انگیز موسیقی کی طرح میرے دل میں اُتر رہے ہیں۔ میں ایک بار اپنے باپ کے ہمراہ طنطا گئی تھی تو وہاں ایک شاعر بھی تمہاری طرح دلچسپ باتیں کرتا تھا۔ خدا کے لئے اپنی گفتگو جاری رکھو تاکہ میں بیخود ہو کر تمہارے گیتوں کو گاتی رہوں۔"

"اگر میری گفتگو راگ ہے تو تمہاری گفتگو ساز ہے جس سے مجھ میں سُر اور تال پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں یہ تو کہو ہم کہاں جا رہے ہیں اور مجھے اس طرح کس نے گرفتار کروایا ہے؟"

"تمہیں میرے والد نے گرفتار کیا ہے جو عثمان بردیسی کی خدمت میں رہتے ہیں۔ مجھے علم نہیں تمہاری گرفتاری کا کیا مقصد ہے لیکن مجھے اس قدر ضرور پتہ ہے کہ وہ تم سے خوفزدہ ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ کل کی لڑائی میں تمہیں شریک ہونے کا موقع نہ ملے۔ عثمان بک نے تمہیں لڑائی سے دُور رکھنے کے لئے میرے والد کو بڑا انعام دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

محمد علی نے اپنے دل میں سوچا کہ میرا خیال تھا یہ خسرو پاشا کی کاروائی ہے لیکن نہیں یہ تو کوئی قدرت کا کرشمہ ہے۔ کون جانے لطیفہ کا ہاتھ وہی ہاتھ ہو جو مجھے اس تخت پر بٹھائے جو

میری ماں خواب میں دیکھ چکی ہے اور یہی ہاتھ جوہرہ کا انتقام لینے میں میری مدد کرے گا
لطیفہ نے محمد علی کی آنکھوں میں چمک دیکھی تو بولی :

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ تمہیں اس قید سے خوشی حاصل ہو رہی ہے۔"

"اگر میں تمہارے گورے گورے بازوؤں میں قید ہوتا اور مجھے زیادہ عرصہ کے لئے اسیر کر دیا جاتا تو میری خوشی شباب پر ہوتی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم پھر گلنے لگے ہو۔ میں تمہارے الفاظ پسند کرتی ہوں اور ہاں شاید تمہیں بھوک ستا رہی ہے۔ کچھ خرمے کھالو۔" یہ کہہ کر لطیفہ نے خرمے نکال کر بڑھائے۔ وہ یہ بھول گئی کہ محمد علی کے ہاتھ کھلے ہوئے نہیں ہیں۔ محمد علی بولا :

"میں خود کھانے سے معذور ہوں۔ تم ان خرموں کو میرے منہ کے قریب لاؤ۔ میں تمہارے ہاتھوں کے لمس سے از سر نو زندہ ہو جاؤں گا۔"

یہ سن کر لطیفہ نے خوش ہو کر محمد علی کو خرمے کھلانے شروع کر دیئے۔ وہ جیسے ہی اپنا ہاتھ محمد علی کے منہ کے قریب لاتی۔ محمد علی اپنے ہونٹوں کو بڑھا کر اس کی خوبصورت پتلی پتلی انگلیوں کی نرم و نازک پوروں کو بوسہ دے دیتا۔ اس وقت وہ خود کو فراموش کر بیٹھا تھا اور اسے اس حسین و جمیل صحرائی دوشیزہ کے سوا کچھ بھی یاد نہ رہا تھا۔ صحرائی دوشیزہ بھی اسے پیار بھری نظروں سے دیکھنے میں مصروف تھی۔ محمد علی خرمے کھا چکا تو لطیفہ کو یاد آیا کہ ابھی خیمہ کافی فاصلہ پر ہے اور اسے اپنے قیدی کو لے کر نور کے تڑکے سے قبل خیمہ پر پہنچنا ہے۔ اگر راہ میں کسی بدوی نے قیدی کو رہا کر دیا یا اپنے قبضے میں کر لیا تو باپ اُسے موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ اُس نے محمد علی پر جھک کر خچر کی باگ ہاتھ میں لے لی۔ خچر مسلسل تیز رفتاری سے چلتا رہا تھا اور لطیفہ قیدی پر رحم کھا کر کئی بار راہ میں دم لینے کے لئے رکی تھی۔ اس لئے خیمہ کی آمد سے قبل ہی آفتاب طلوع ہو گیا تھا۔ راستہ میں لطیفہ کی پیار بھری نظریں محمد علی پر جمی رہی تھیں۔ طلوع آفتاب کے بعد وہ مسکرا کر بولی :

"کمال ہے طلوع آفتاب کے بعد ہمارا خیمہ زمین پر بھی دکھائی دے رہا ہے۔ دو لوگ ایک ساتھ بھاگ رہے ہیں اور باہم پیار بھی کر رہے ہیں۔"

"اگر ہم بھی ایک دوسرے کو پیار کر لیں تو کیا حرج ہے۔"
یہ سن کر لطیفہ شرما گئی اور منہ پھیر کر بولی:
"تمہاری یہ تمنا پوری نہ ہو گی کیونکہ میں اپنے والد سے عہد کر چکی ہوں کہ مجھے وہی شخص پیار کرے گا جس سے میری شادی ہو گی۔ میرے اس وعدہ کے بعد والد نے مجھے بے نقاب گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی۔ ہاں جب میں طنطا کے میلہ میں جاؤں تو ہجوم کی وجہ سے نقاب پوش ہو جاتی ہوں۔ اپنے ہونٹوں کو رنگین بناتی ہوں اور ہاتھوں پر مہندی بھی لگا لیتی ہوں۔"
"اس طرح تم اپنی پاکیزہ صورت کو عام عورتوں کی طرح بد نما بنا لیتی ہو جو مجھے سخت ناپسند ہے۔ اے لطیفہ! حسن و جمال کی مورت! صحرا کی ملکہ! میں تمہیں بناؤ سنگار سے بے نیاز دیکھنا پسند کروں گا۔"
"تم میرے اس نام سے کس طرح واقف ہو گئے۔ میرے قبیلہ میں مجھے اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ میرے والد قبیلہ کے شیخ ہیں۔ لوگوں کو ان کے ساتھ محبت ہے اور وہ میرے والد کی اطاعت کرتے ہیں۔ گو سب لوگ میری تعریف کر کے مجھے خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن میں اپنی تعریف کو ناپسند کرتی ہوں تاکہ میرے والد میری آزادی نہ چھین لیں۔ خیر تجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ کیا تم وہ سیاہ سی چیز دیکھ رہے ہو۔ دراصل وہ اس صحرا کی ملکہ کا بت ہے۔ میں تمہیں اس کا نظارہ کرانے کے لئے اس کے قریب سے لے چلوں گی۔"
محمد علی نے نظر اٹھائی تو ایک خوفناک بت دیکھا جس کا سر بہت بھاری تھا اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جیسے پوری دنیا کو دیکھ رہی ہوں۔ اس بت کا "کلا" "ٹھلا" دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمام کائنات کا حال بیان کرنے کے لئے اپنی جگہ پر ڈٹ کر کھڑا ہے۔ اس کا چہرہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ میں زمانہ کے سرد و گرم سے واقف ہوں اور مجھے یہ بھی علم ہے کہ خوش قسمتی و بد قسمتی، اعتمادی و بد اعتمادی اور تکلیف و راحت کا کیا مفہوم ہے۔ میں سمجھ چکا ہوں کہ یہ سب کچھ جھوٹ اور ناپائدار ہیں۔ انہیں قرار حاصل نہیں ہے۔ مجھے انسان کی خود فریبی پر ہنسی آتی ہے اور میں خداوند کریم کی طرف گردن اٹھا کر سالہا سال سے کھڑا ہوں۔ میری مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ صدیوں سے

انسانوں کی حالت میں تغیر و تبدل ہو رہا ہے۔ شہنشاہ فقیروں کی طرح زندگی سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ عظیم الشان سلطنتیں ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ انسانی خیالات و احساسات میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ وقت رواں دواں ہے لیکن میں اپنی حالت پر قائم ہوں۔ دوسروں کی باتیں سنتا رہتا ہوں لیکن میری بات سننے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں ہوتا۔ سب مجھ سے ڈرتے ہیں لیکن میں کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے مجھے ابوالہول کہنا شروع کر دیا ہے۔

لطیطہ ابوالہول کے سامنے پہنچ کر خچر سے اتری اور محمد علی کو قریب سے دکھانے کے بعد دوبارہ سوار ہو کر چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد لطیطہ نے دوسری طرف اشارہ کر کے کہا۔

"لو یہ اہرام شاہانِ مصر کے مقبرے بھی دیکھ لو۔ اس کے سامنے اہرام سقارہ جو ممیسوں کا قبرستان ہے۔ دکھائی دے رہا ہے۔ اس کے قریب ہی بدوشین کا شہر نظر آ رہا ہے اور اس میدان کے آخر میں جو سفید نقطہ ہے وہ ہمارا خیمہ ہے۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔" یہ کہہ کر لطیطہ نے خچر کی لگام کو ڈھیلا کر دیا۔ خچر بھاگتا رہا اور وہ سفید نقطہ ہولے ہولے بڑا ہوتا گیا حتیٰ کہ بہت بڑا ہو گیا۔ خچر اس کے سامنے پہنچ کر خود بخود رک گیا۔ لطیطہ خچر کو جھکنے کا حکم دے کر محمد علی سے مخاطب ہوئی۔

"اے مسافر! اب ہمارا سفر اختتام کو پہنچا۔ میں اپنے باپ کے خیمہ پر تمہیں فراخ دلی سے خوش آمدید کہتی ہوں۔ بسم اللہ کہو اور خیمہ میں داخل ہو جاؤ۔" یہ کہہ کر لطیطہ نے اپنی شال کھول کر محمد علی کو آزاد کیا اور ایک بچہ کی طرح اپنی گود میں اٹھا کر خیمہ میں آ گئی۔ مسند پر بٹھا کر یہ کہا کہ میں تمہارے لئے کھانا لانے جا رہی ہوں اور خود باہر نکل گئی۔ محمد علی اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اس وقت محمد علی اپنے ماضی اور مستقبل کو بھول کر حال پر غور کر کے غمگین ہو گیا۔ لطیطہ نے لوٹ کر دیکھا تو بولی۔

"کیا میں تمہاری مصیبت کو ہلکا کر سکتی ہوں؟"

"تمہاری آواز جادو کا اثر رکھتی ہے۔ اپنے والد کی آمد تک میرے قریب بیٹھ کر

باتیں کرو تو میں اپنی مصیبت کو بھول سکتا ہوں۔"

"مجھے اس وقت کھانا تیار کرنا ہے۔ اگر تم فرار نہ ہونے کی قسم کھاؤ تو میں تمہاری بیڑیاں کھول کر تمہیں بھی ساتھ کے اُس خیمہ میں لے چلوں جہاں کھانا تیار کیا جاتا ہے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ میں اپنی قسم کا پاس کروں گا۔"

"قسم کھا کر اُسے پورا نہ کرنے والوں کو زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ اچھے انسان کی پہچان یہی ہے کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک اپنی بات کو نبھاتا ہے۔ بہادر لوگ اپنی قسم کا احترام کرتے ہیں اور بزدل وعدہ خلاف بن جاتے ہیں۔"

"تم یہ کس طرح کہہ سکتی ہو کہ میں بہادر ہوں؟"

تمہاری صورت تمہاری بہادری کا اعلان کر رہی ہے۔ میں تمہاری بیڑیاں کھول دوں گی۔ پہلے تم قسم کھاؤ کہ میرے والد کی آمد تک فرار ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

محمد علی لطیطہ کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے قسم کھا کر بولا:

"میں تمہارے والد کی آمد تک فرار ہونے کی کوشش نہیں کروں گا۔ تمہارے قریب رہ کر تمہیں غلاموں کی طرح تکتا رہوں گا۔ کیا تم مجھے اپنی غلامی میں لینے پر رضامند ہو؟"

یہ سن کر لطیطہ نے سنی ان سنی کر دی اور شرم و حیا سے سمٹ کر محمد علی کے ہاتھ پاؤں سے بیڑیاں کھولنے میں مصروف ہو گئی۔ پھر بیڑیاں کھول کر بولی:

"اب تم اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکتے ہو کیونکہ تم آزاد ہو گئے ہو۔"

محمد علی نے آزاد ہو کر اپنے ہاتھ بڑھائے تاکہ اس کے گلے سے لپٹ کر شکریہ ادا کرے۔ لطیطہ بھاگ کر خیمہ کے دروازے پر آ گئی اور بولی:

"تم تو بڑے احسان فراموش نکلے۔ افسوس! میں تمہیں نیک سمجھتی تھی۔"

"میں معافی کا خواستگار ہوں۔ اب تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔" محمد علی نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"تم خیمہ میں آزادی سے گھوم گھام سکتے ہو۔ باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر کوئی اس طرف سے گزرتا ہوا نظر آئے تو چھپ کر بیٹھ جانا۔ میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ ہمارے

خیمہ میں کوئی نہیں آئے گا۔ حتیٰ کہ کوئی عورت بھی داخل نہیں ہو گی۔ میرے والد کو عورتوں سے نفرت ہے۔ وہ بارہ شادیاں کر کے اپنی سب بیویوں کو اُن کے گھر واپس بھیج چکے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عورتوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ عورتیں چغل خور اور حاسد ہوتی ہیں۔ اس لئے آدمی کی تکلیفوں میں اضافہ کرتی رہتی ہیں۔ میں ان کی پہلی بیوی کی اولاد ہوں۔ میرا کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ میرے والد مجھے بیحد چاہتے ہیں۔ خصوصاً اب تو ان کے پیار میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ میں ان کی حسبِ خواہش ان کی خدمت کرتی ہوں۔ انہیں کھانا پکا کر کھلاتی ہوں۔ کپڑے سی دیتی ہوں۔ جانوروں کی دیکھ بھال کرتی ہوں اور مجھے جو بھی حکم دیا جائے اس کی تعمیل کرتی ہوں۔ ہم باپ بیٹی بچھڑ کر نہیں رہ سکتے۔ مجھے ان سے بڑی محبت ہے اور وہ بھی خلوص دلی سے میرے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اپنی شادی کی کوئی فکر نہیں۔ میں اپنی تمام عمر ان کے ساتھ بسر کرنے کا ارادہ کر چکی ہوں۔"

"تمہاری باتیں ثابت کر رہی ہیں کہ تم محبت کے نام سے ناآشنا ہو۔ اچھا بتاؤ تو کیا تم مجھے اپنے شوہر کی حیثیت سے قبول کر لو گی؟"

بطیطہ خاموش رہی۔ اُسے محمد علی کے الفاظ پر شک و شبہ تھا۔ اس نے خیمہ کا پردہ اٹھایا اور باہر جاتے ہوئے کہا کہ میں کھانا تیار کرنے جا رہی ہوں۔ تم یہیں میرے منتظر رہو۔ محمد علی خیمہ میں اکیلا رہ گیا تو ماضی کی یاد آ گئی۔ وہ خیال ہی خیال میں قوالہ پہنچ گیا اور دیکھا کہ جوہرہ اسے غور سے دیکھ رہی ہے اور یہ بطیطہ سے باتوں میں محو ہے۔ پھر اسے اپنی بیوی کا خیال آیا جس کے ساتھ زندگی کے دس برس گزرے تھے اور جو کئی لڑکوں کی ماں تھی۔ اب اسے اپنے بچوں کی یاد ستانے لگی۔ وہ کچھ دیر بعد حال میں لوٹا تو یہ جان کر بڑا متعجب ہوا کہ اب اسے اس صحرائی دوشیزہ سے محبت ہو گئی ہے اور اگر صحرائی دوشیزہ شیخ العرب کی لڑکی نہ بھی ہوتی بلکہ کوئی چرکسی لونڈی ہوتی تو بھی وہ اس سے ضرور شادی کر لیتا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ہمارے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی فطرت کے پیش نظر چار عورتوں سے شادی کی اجازت دے

کر انسانیت پر احسان عظیم کیا ہے۔ جب لطیفہ میری دوسری بیوی بن جائے گی تو مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہوگا۔ محمد علی خیالات میں کھویا رہا حتیٰ کہ لطیفہ نے ایک تھال میں خرمے، روٹی، مکھن اور دوسری چیزیں لاکر اس کے سامنے رکھ دیں اور کہا کہ آؤ اے عزیز مہمان! ہم دونوں ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھائیں کیونکہ دوستی اور محبت کا یہی تقاضا ہے۔ محمد علی نے ایک روٹی کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑا اسے دے دیا اور دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے۔ لطیفہ نے اس کا دل بہلانے کے لئے اپنے کاموں کی فہرست سنانی شروع کر دیں۔ میں بکری کو اس طرح دوہتی ہوں، اون ایسے بنتی ہوں۔ محمد علی اس کی باتوں پر غور کرتا ہوا اپنے ماضی میں چلا گیا جہاں نوعمری کے زمانے میں اسے قوالہ کی چٹان پر لطیفہ کی طرح جوہرہ نے گھیر رکھا تھا۔ محمد علی لطیفہ کی سادگی دیکھتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد اسے خیال آیا کہ اس وقت یوسف بک اور مما لیک میں قوت آزمائی شروع ہو چکی ہوگی۔ اگر یوسف بک نے مما لیک کو شکست دے دی تو عثمان بردیسی قیدی محمد علی سے سخت انتقام لے گا اور اگر مما لیک نے یوسف بک کو شکست دے کر بھگا دیا تو پھر بھی میرے لئے برا ہوگا کیونکہ یوسف بک خسرو پاشا سے میری غیر حاضری کی شکایت کر کے مجھ پر غداری کا الزام دھرے گا اور کوئی بھی یقین نہ کرے گا کہ مجھے مما لیک نے قید کر لیا تھا۔ اب خیالات کے ہجوم نے محمد علی کو بیٹھنے نہ دیا۔ وہ اٹھ کر خیمہ میں چہل قدمی کرنے لگا۔ پھر لطیفہ سے مخاطب ہو کر بولا:

"میں تمہاری مہمان نوازی کا ممنون ہوں لیکن میں تمہارے گھر کے کاموں میں رکاوٹ بننا نہیں چاہتا۔ جاؤ میری تنہائی کا خیال چھوڑ کر گھر کے کام کرو۔"

لطیفہ، محمد علی کے ان فقروں سے پژمردہ ہو کر اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی:

"مجھے یاد نہ رہا تھا کہ آپ سا عظیم الشان افسر غریب صحرائی لڑکی کی باتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ آپ میری یہ خطا معاف کر دیں۔ میں اپنا کام کرتی ہوئی یقین رکھوں گی کہ آپ اپنے وعدہ کے مطابق خیمہ سے باہر نہیں جائیں گے۔"

"مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔ میں تمہارا قیدی بھی ہوں اور غلام بھی۔ پھر میں تمہاری قید میں رہنے کو اپنی خوش قسمتی بھی سمجھتا ہوں۔"

آخری فقرہ سن کر بطیطہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی اور وہ اظہارِ تشکر کے انداز میں سر جھکا کر باہر نکل گئی۔

محمد علی دن بھر اپنے خیمہ میں تنہا بیٹھا ہوا تفکرات میں کھویا رہا۔ تنہائی نے اُسے بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا۔ پھر وہ بردیسی اور یوسف کی جنگ کا حال سننے کے لئے بے چین تھا۔ اُسے بطیطہ کا دیدار بھی میسر نہ ہوا تھا کیونکہ وہ سارا دن خیمہ سے باہر کام میں مصروف رہی تھی اور محمد علی کی ناراضی کے پیشِ نظر خیمہ میں نہ آئی تھی۔ غروب آفتاب کے وقت بطیطہ کھانا لائی اور دونوں نے مل کر کھایا۔ محمد علی کی خواہش تھی کہ اپنے تفکرات کو دور کرنے کے لئے بطیطہ سے باتیں کرے۔ بطیطہ اس کی خواہش کو اس کے چہرے سے پڑھ کر نظر جھکا کر بولی:

"تم پریشان ہو۔ پسند کرو تو میں تمہاری پریشانی دور کرنے کا سامان کروں۔ میرا خیال ہے تمہاری بلند ہمتوں کے لئے ہمارا خیمہ تنگ ہے۔ تم تو اس وسیع و عریض خوشنما دنیا پر چھا جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔"

"تم یہ کس طرح کہہ سکتی ہو کہ دنیا حسین و جمیل اور لمبی چوڑی ہے۔" محمد علی نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے کئی بار اپنے والد کے ہمراہ طنطا کی سیر کی ہے اور وہاں قصہ گو لوگوں سے دنیا کے دلچسپ حالات سنے ہیں۔ میں نے وہاں لونڈیوں کے گیت بھی سنے ہیں اور شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود بھی ایک بانسری خرید لی ہے۔ اب والد کی غیر حاضری میں تنہائی کی وحشت کو دور کرنے کے لئے بانسری بجا کر گایا کرتی ہوں۔ لو تم بھی سن لو شاید تمہارا دل بہل جائے۔"

یہ کہہ بطیطہ نے محمد علی کا جواب سننے سے پہلے اٹھ کر بانسری لی اور اسے منہ سے لگا کر پختہ مشق لوگوں کی طرح انگلیاں چلا کر درد بھری آواز سے گانے میں مصروف ہو گئی۔ اس نے ایک گیت گا کر محمد علی کی طرف دیکھا تو وہ خوش و خرم نظر آیا۔ بطیطہ نے خوش ہو کر کہا۔

"اب تمہارے چہرے پر مسرت ناچ رہی ہے۔ میرا علاج مفید ثابت ہوا ہے۔ اس

لئے میں پھر گاتی ہوں۔" اور اس نے دوسرا گیت شروع کیا۔ اس میں ایک ایسے نوجوان کی کہانی بیان کی گئی جو ایک دوشیزہ پر عاشق تھا۔ جب دوشیزہ اُسے ٹھکرا دیتی ہے تو وہ کہتا ہے ـــــ اے حسینہ! میرا دل چرا کر اب نظریں کیوں چراتی ہو۔ مجھ سے نظر ملاؤ اور اپنے عاشق کا دل نہ توڑو۔ یہ سن کر محمد علی فوراً ہاتھ پھیلا کر بولا۔

" اے صحرائی دوشیزہ! تو میرے رنج و غم کو دور کر کے میرے دل کو چرا کر لے گئی ہے۔ اے لطیطہ! مجھ سے نظر ملاؤ۔ اپنے عاشق پر رحم کرو اور تا زیست میری ہو کر رہنے کا وعدہ کرو۔"

لطیطہ خاموشی سے اٹھ کر خیمہ کے دروازے پر آئی اور تاریک راہ کی طرف دیکھ کر بولی:

" کیا تم ان دو آدمیوں کو دیکھ رہے ہو جو ہمارے ہی طرف آ رہے ہیں۔ ان میں ایک تو میرے والد ہیں اور دوسرے آدمی کو میں پہچان نہیں سکی۔"

محمد علی تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے بعد بولا:

" مجھے تو کوئی بھی نظر نہیں آ رہا۔ پھر میں اس وقت تمہارے والد کی آمد سے خوش نہیں ہوا بلکہ میرے غم میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اگر تم یہ خیال کرتی ہو کہ میں تمہارے خیمہ میں مزید قیام کرنا نہیں چاہتا تو تمہارا خیال غلط ہے کیونکہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔"

" جناب! میرے والد مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلا رہے ہیں۔ آیئے! اب دوسرے خیمہ میں چلیں میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" لطیطہ نے بات ٹالنے کے لئے کہا اور محمد علی کو دھکیل کر دوسرے خیمہ میں لے آئی۔ پھر بولی:

" مجھے آپ سے جو کچھ کہنا تھا میں بھول گئی ہوں۔ بہرحال میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کیونکہ آپ کو میرا قرب ناگوار نہیں گزرا۔ گو ہم چند لمحے ایک دوسرے کے قریب رہے ہیں لیکن میں ان چند لمحوں کو سالہا سال کے برابر سمجھتی ہوں۔ ان لمحات نے مجھے یکسر بدل دیا ہے اور اب میں وہ نہیں ہوں جو کل تھی۔"

" میری لطیطہ! تمہارے جسم پر کپکپی کیوں طاری ہو گئی ہے۔ تمہاری آنکھوں میں آنسو کیوں آ رہے ہیں؟"

" میں ہوش و حواس میں نہیں ہوں۔ مجھ پر ایک نئی مصیبت نازل ہو رہی ہے۔ آہ!

تمہاری روانگی کا وقت قریب آرہا ہے کیونکہ میرے والد کے ہمراہ آنے والا آدمی تمہیں اپنے ساتھ لے جائے گا اور میں تمہیں دیکھنے سے محروم ہو جاؤں گی۔"

"اگر ایسا ہوگا تو میں تمہاری اجازت سے تمہارے لبوں پر سے ایک گلاب کا پھول لینا چاہتا ہوں۔ یہ تمہاری نشانی ہو گی۔"

بلیطہ نے حیران ہو کر اپنے لبوں پر ہاتھ پھیرا اور بولی:

"تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ یہاں تو گلاب کا کوئی پھول نہیں ہے۔"

"تمہارے ہونٹ گلاب کے پھول ہیں اور میں انہیں چومنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں اپنے والد سے عہد کر چکی ہوں کہ ....

...... مجھے پیار کرنے والا صرف میرا خاوند ہوگا۔ تمہیں اس سلسلہ میں اصرار نہیں کرنا چاہئے لو میرے والد بھی آ گئے۔ اب میں تمہیں خداوند کریم کی امان میں دیتی ہوں۔ شاید پھر کبھی ہم ایک دوسرے سے نہ مل سکیں۔ بہر حال میں تمہیں ہمیشہ اچھے الفاظ سے یاد کرتی رہوں گی کیونکہ تم نے مجھے مجبور کر کے وعدہ خلاف نہیں بنایا۔ میں تمہاری کامیابی کے لئے دعائیں مانگتی رہوں گی۔" یہ کہہ کر بلیطہ، محمد علی کو خیمہ میں چھوڑ کر اپنے باپ کے خیر مقدم کے لئے باہر آ گئی۔ شیخ بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ شیخ، بلیطہ اور تیسرا آدمی خیمہ میں داخل ہوئے تو محمد علی تن کر کھڑا ہوا تھا۔

بلیطہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ محمد علی بولا۔

"اے شیخ! آخر تو نے مجھے لشکر سے نکالنے کی کیونکر ہمت کی؟"

"حضور! میں نے تو اپنے آقا عثمان بک بردیسی کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ وہ جنگ میں .... کامیاب ہو کر میرے ہمراہ آئے ہیں۔ وہی آپ کو اس سوال کا جواب دیں گے۔" شیخ نے سر جھکا کر کہا اور اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر خیمہ سے باہر آ گیا تاکہ ان دونوں کو پوشیدہ باتیں کرنے کا موقع مل جائے۔ عثمان، محمد علی کے سامنے پہنچا تو دونوں نے کچھ دیر تک کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر عثمان بولا:

"محمد علی! آج ہم تیسری ملاقات کر رہے ہیں۔ پہلی بار اتفاقاً ہم قوالہ میں ملے تھے۔

اُس وقت ہم دونوں نوعمر تھے۔ اس لیے بچوں کی طرح اُلجھ پڑے تھے۔ میں تمہاری جواں ہمتی کو ایک عرصہ تک فراموش نہیں کر سکا تھا۔ ہماری دوسری ملاقات ابوقیر کی خونریزی کے بعد ہوئی تھی۔ گو اس وقت ہمارے مابین دوستی نہ تھی لیکن تم نے اپنے سپاہیوں سے میری جان بچا کر مجھ پر مہربانی کی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ میں تمہارے احسان کو نہ بھولوں گا اور ہمیشہ تمہارے دوست کی حیثیت سے تمہیں ملتا رہوں گا۔ اس وقت تمہارے گرفتار کرانے کی تین وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں دشمنوں کی طرح تم سے جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ دوسرے یہ کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم یوسف بک کی شکست کے بعد ممالیک کے سامنے آؤ۔ خود شکست کھا جاؤ یا ممالیک کو شکست دو۔ تمہاری گرفتاری کی تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ بے ایمان خسرو پاشا کا ساتھ چھوڑ کر ممالیک کے ساتھ مل جاؤ۔ میں نے دوسری ملاقات میں تمہاری آنکھوں میں ایک عجیب سی روشنی دیکھی تھی جس کے سبب مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ میں نے اسی قسم کی روشنی اپنے دشمن نپولین بوناپارٹ کی آنکھوں میں بھی دیکھی تھی۔ وہ بھی تمہاری طرح بڑا حوصلہ مند، ذہین اور دلیر آدمی تھا۔ وہ پوری دنیا کو فتح کرنا چاہتا تھا لیکن اس سے ایک بڑی غلطی ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ اپنے ارادوں میں ناکام رہا۔ اس نے ممالیک کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ اگر تم اپنے ارادوں میں کامیابی چاہتے ہو تو نپولین کی غلطی کو نہ دہراؤ بلکہ ممالیک کی دوستی حاصل کر لو۔ ممالیک بڑے بہادر ہیں۔ میں اس وقت یوسف بک کو شکست دے کر آ رہا ہوں۔ اس کے تین ہزار آدمی قتل ہوئے ہیں اور ہمارے صرف ساٹھ آدمی کام آئے ہیں۔ یوسف بک کے ساتھی قاہرہ کی طرف بھاگ گئے ہیں تاکہ خسرو پاشا کو خبر دیں۔ بے غیرت یوسف بک بھی میدان سے بھاگ گیا ہے۔ اب میدان جنگ میں شیخ عثمان کے ساتھی مال غنیمت لوٹ رہے ہیں۔ ممالیک خوشی سے نعرے بلند کر رہے ہیں اور ان کے خیال میں آج روز عید ہے لیکن جب یہ خبر خسرو پاشا سنے گا تو کہے گا کہ یہ منحوس دن ہے خسرو پاشا کو اس ملک سے نکالنے کے لئے تم سے بہادر آدمی کی ضرورت ہے۔ تم ہمارا ساتھ دو گے تو ہم تمہیں مراد بک کی جگہ اپنا سردار بنا کر قلعہ کی حکمرانی سونپ دیں گے۔ ہم تمہارے اطاعت گزار رہیں گے اور تمہیں اپنا بھائی اور سردار سمجھیں گے۔ میری بات

ختم ہو چکی۔ اب میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"میں اس وقت ترکی وردی میں ملبوس تمہارا قیدی ہوں۔ اس لئے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"تم آزاد ہو۔ میں نے تمہیں صرف اس مقصد سے جال بچھا کر بلوایا تھا کہ تم سے گفتگو کروں۔ تم آزادی سے اپنی رائے ظاہر کرو۔"

"اس وقت کوئی جواب دینا میری شان کے خلاف ہے۔ میں آٹھ روز کے بعد بنت نفیسہ کے ہاتھ اپنا جواب بھیجوں گا۔ کیا اب میں جا سکتا ہوں۔"

"تمہیں پورا اختیار ہے۔ تمہاری گرفتاری کے واقعہ سے کوئی بھی واقف نہیں ہے۔ نہ تو تمہارے لشکر میں کسی کو علم ہے اور نہ میرے آدمیوں کو پتہ ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ کسی کو اس واقعہ کی خبر نہ ہونے دوں گا۔ اس وقت میرے، شیخ عنان اور اس کی بیٹی کے سوا کوئی بھی تمہاری گرفتاری کے حال سے واقف نہیں۔ شیخ اور اس کی بیٹی قبر سے بھی زیادہ بات کو چھپانے کی اہلیت رکھتے ہیں اور سچے امین ہیں۔ اس وقت میں تمہارے ہمراہ باہر نہ نکلوں گا تاکہ لوگ ہمیں اکٹھے دیکھ کر ہمارے اتحاد سے واقف نہ ہو جائیں۔ میں تم سے پہلے چلا جاتا ہوں۔ میرے ہمراہی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ تم خچر پر سوار ہو کر چلے جاؤ۔ بطیطہ تمہیں چھوڑ آئے گی۔ ہاں لاؤ کہاں ہے تمہارا ہاتھ۔ میں تم سے مصافحہ کرتا ہوں۔ ہم شیخ کے خیمہ تک اکٹھے چلیں گے۔ وہاں تم خچر کی روانگی تک آرام کر لینا۔"

محمد علی اور عثمان اکٹھے شیخ کے خیمہ تک آئے۔ عثمان شیخ کو یہ حکم دے کر روانہ ہو گیا کہ اپنی بیٹی کو محمد علی کی رہنمائی کے لئے بھیجے تاکہ محمد علی اپنے لشکر میں پہنچ جائے۔ محمد علی خیمہ میں داخل ہوا۔ تو بطیطہ سر پہ ہاتھ رکھے اس جگہ کو اداس نظروں سے دیکھنے میں محو تھی جہاں اُس نے محمد علی کے ساتھ کھانا کھایا تھا۔ وہ محمد علی کی آمد سے بے خبر رہی۔ جب محمد علی نے اُسے پکارا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ محمد علی نے اسے اداس دیکھ کر پوچھا کہ وہ غمگین کیوں ہے۔

"میرے والد تمہارے لئے خچر تیار کر رہے ہیں۔ اب ہم جدا ہو جائیں گے۔"

"ہاں اب میں اپنے لشکر کی طرف جاؤں گا۔ تم میری رہبری کے لئے میرے ہمراہ جا رہی ہو

"میں نے اپنے والد سے کہہ دیا ہے کہ میں تھکن محسوس کر رہی ہوں اس لئے وہ تمہارے ساتھ چلے جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے ساتھ جانے سے میری محبت میں اضافہ ہو جائے گا۔ میں تم سے نہیں اپنے نفس سے خوفزدہ ہوں۔ تم ایک بڑے فوجی افسر ہو اور میں ایک غریب گنوار صحرائی لڑکی ہوں۔ بھلا تمہارا میرا کیا مقابلہ"

"مجھے تمہاری خوشی منظور ہے۔ چلو یونہی سہی لیکن یہ بتاؤ۔ کیا تم یہ وعدہ کرتی ہو کہ مجھے کبھی نہ بھولو گی۔ میں تو تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

"کیا تمہارا یہ عہد برقرار رہے گا کہ اپنے خاوند کے سوا تم کسی کو پیار کرنے کی اجازت نہ دو گی۔"

"میں اپنے عہد پر قائم رہوں گی۔"

"اب مجھے تمہیں پیار کرنے کا حق حاصل ہو گیا ہے۔" یہ کہہ کر محمد علی نے لطیفہ کو اپنے سینہ سے لگا کر پیار کیا اور خیمہ سے نکل گیا۔ لطیفہ بیخود ہو کر زمین پر لیٹ گئی۔ اس وقت وہ محسوس کر رہی تھی کہ محبت کے بہشت میں گھوم رہی ہے۔ محمد علی اور شیخ عنان خچر پر سوار ہو کر چلے تو محمد علی نے لطیفہ سے مخاطب ہو کر خدا حافظ کہا لیکن وہ خاموشی سے خیمہ میں بیٹھی ہوئی غم و مسرت کے آنسو بہاتی ہوئی کہہ رہی تھی کہ آہ! گو وہ یہاں سے چلا گیا ہے مگر میں اسے اپنے دل میں ہمیشہ رکھوں گی۔ محمد علی اور شیخ خچر پر سوار بیابان کے کنارے پر آ گئے۔ یہاں شیخ نے پہلے سے دو گھوڑوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر سبزہ زار میں چلتے گئے۔ حتیٰ کہ محمد علی کی لشکر گاہ کے قریب آ گئے۔ محمد علی نے شیخ کا شکریہ ادا کر کے اسے کچھ فاصلہ سے رخصت کر دیا اور خود گھوڑے کو چھوڑ کر رات کی تاریکی میں ہولے ہولے اپنے خیمہ کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ چپ چاپ اپنے خیمہ میں داخل ہوا تو خیمہ خالی تھا اور کچھ فاصلہ پر لوگ اس کی پراسرار گمشدگی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک شخص کہہ رہا تھا کہ اب ہمیں اپنے جرنل کو تلاش کرنا چاہیئے یا قاہرہ لوٹ جانا چاہیئے اور دوسرے لوگ اظہار خیال کر رہے تھے۔ محمد علی

کچھ دیر ان کی باتیں سنتا رہا۔ پھر مسکراتا ہوا اپنے خیمہ کا پردہ اٹھا کر باہر نکلا اور لوگوں کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ سپاہیوں نے اُسے دیکھا تو خوشی سے بے تاب ہو کر نعرے بلند کئے اور اسے چاروں طرف سے گھیر کر غائب ہو جانے کی وجہ دریافت کی۔

"سپاہیوں کو افسروں کے حالات اور ملکی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن تم تو میری محبت کی وجہ سے پوچھ رہے ہو۔ اس لئے میں آپ بیتی سناتا ہوں۔ میں گزشتہ کل یوسف بک اور اس کے لشکر کا حال معلوم کرنے کے لئے دمنہور کی طرف روانہ ہوا۔ میں وہاں پہنچا تو جنگ ہو رہی تھی۔ میں اس وقت اپنے لشکر کو بلا کر یوسف کی مدد کرنے سے قاصر تھا اور نہ یہ واقعہ دیکھ کر چپ چاپ لوٹ سکتا تھا۔ اگرچہ میدان جنگ میں میری موجودگی سے کوئی بھی واقف نہ تھا لیکن میرے ضمیر نے مجھے تلوار کھینچ کر دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ میں خوب ڈٹ کر لڑا لیکن خدا نے ہماری فوج کی قسمت میں ہار لکھی تھی۔ یوسف بک کا لشکر پسپا ہو کر بھاگا تو مجھ اکیلے آدمی کو بھی راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اب ہم اپنے اسی پڑاؤ پر منتظر رہیں گے۔ اگر ممالیک پیش قدمی کر کے حملہ آور ہوئے تو ہم ان کے دانت کھٹے کر دیں گے اور اگر انہوں نے گذشتہ کل کو غنیمت سمجھا اور ہمارے خلاف کوئی قدم نہ اٹھایا تو ہم قاہرہ واپس چلیں گے۔ میں نے پورا واقعہ بیان کر دیا ہے۔ اب تم سب سپاہیوں کو مطلع کر دو۔" محمد علی نے کہا اور اس کے سپاہیوں نے پورے لشکر میں پھیل کر اس کی بہادری کے گن گائے۔ اس واقعہ نے محمد علی کی ہر دلعزیزی میں بڑا اضافہ کیا۔ جب آدھی رات کے وقت پورے لشکر پر خاموشی چھا گئی تو محمد علی اپنے خیمہ میں آکر بستر پر لیٹا۔ اُس نے چاہا کہ تھکن کو مٹانے کے لئے سو جائے لیکن نیند نہ آئی۔ وہ اٹھا اور خیمہ میں چہل قدمی کرنے لگا۔ خیالات نے اسے گھیر لیا اور وہ کبھی تو لطیفہ کے بارے میں سوچنے لگا اور کبھی عثمان کی باتوں پر غور کر کے پریشان ہونے لگا۔ وہ اپنے ماضی اور حال کے واقعات پر غور کرتا ہوا مصر میں ترکوں اور ممالیک کی کشمکش پر غور کرنے لگا۔ اُسے معلوم ہوا کہ دونوں فریق اچھے نہیں ہیں بلکہ اپنی غرض کے بندے ہیں جو انصاف اور شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے سوچا۔ شاید خدا

نے مجھے مصریوں کو ظالموں کے پنجے سے بچانے کے لیے بھیجا ہو۔ شاید خدا میرے ہاتھوں مصریوں کی قسمت کو سنوارنا چاہتا ہے۔ شاید خدا اس خون سے سرخ سرزمین پر مجھے حکمران بنانا چاہتا ہے۔ محمد علی صبح تک اپنے خیالوں میں غلطاں و پیچاں رہا اور آخر کار اس فیصلہ پر پہنچا کہ وہ ہر کام میں عوام کی بہتری کو پیش نظر رکھے گا تاکہ لوگوں کو اس سے محبت ہو جائے اور وہ اپنی مرضی سے اُسے مصر کا شرعی حاکم بنا دیں۔

جب طلوع آفتاب کے وقت جاسوسوں نے خبر دی کہ دشمن غائب ہو چکا ہے تو محمد علی نے قاہرہ کی واپسی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کو سن کر سپاہیوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے اور محمد علی اپنے لشکر کے ساتھ قاہرہ کی طرف چل پڑا۔

یوسف بک کی شکست کی خبریں قاہرہ پہنچ چکی تھیں اور اس کا بھاگا ہوا لشکر بھی شہر قاہرہ میں واپس آ چکا تھا۔ یوسف بک اپنی شکست کے بُرے اثرات سے بچنے کے لئے خسرو پاشا کے سامنے محمد علی اور طاہر پاشا کی شکایت کر چکا تھا کہ محمد علی اور طاہر پاشا نے جان بوجھ کر اس کی مدد نہیں کی۔ حالانکہ وہ واقف تھے کہ یوسف خطرہ میں ہے۔ دراصل وہ دونوں اسے خسرو کی نظر سے گرا دینا چاہتے تھے۔ ان دونوں پر فوج کی تباہی و بدنامی کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس لئے ان دونوں سے جواب طلبی کی جانی چاہیئے۔ خسرو پاشا، یوسف کی ان باتوں سے بڑا متاثر ہوا تھا کیونکہ خود بھی محمد علی سے بدگمان تھا اس شک و شبہ میں مبتلا تھا کہ محمد علی اس سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ خسرو نے وعدہ کیا کہ اس کی تحقیقات کرے گا اور اگر دونوں مجرم ثابت ہوئے تو دونوں کو سخت سزا دے گا۔

انہی دنوں محمد علی اپنے لشکر کے ساتھ قاہرہ پہنچ گیا۔ لوگوں نے خوش ہو کر اس کا خیر مقدم کیا اور وہ سپاہیوں کو ان کی بارکوں میں بھیج کر نئے [illegible]ت کا انتظار کرنے لگا۔ فوراً ہی خسرو نے ایک قاصد بھیج کر محمد علی کو طلب کیا۔ محمد علی نے قاصد کو جواب دیا کہ وہ کل اپنی فوج کے ساتھ قلعہ میں پاشا سے ملاقات کرے گا۔ دوسرے دن صبح محمد علی اپنی فوج کو لے کر قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔ سپاہی خسرو پاشا کے محل کے سامنے پہنچے تو شور مچانے لگے۔

"ہماری تنخواہ ادا کرو۔ ہمیں کھانا اور روپیہ چاہیئے۔ ہم خالی ہاتھ واپس نہ جائیں گے۔"

محمد علی سپاہیوں کو چیختے چلاتے چھوڑ کر اپنے ماتحت افسروں کے ساتھ محل میں داخل ہوا۔ خسرو پاشا اس کا منتظر تھا۔ محمد علی نے کھڑے ہو کر فوجی طریقہ سے سلام کیا اور اپنی دیرینہ عادت کے مطابق خسرو کی کوئی بات سننے سے پہلے بغیر اجازت کہا۔

"آپ نے سپاہیوں کا شور سن لیا ہوگا۔ وہ اپنی تنخواہیں لینے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ کافی عرصہ سے انہیں تنخواہ ادا نہیں کی گئی"۔

"تم پھر قوالہ والے بے حیا لڑکے بن گئے ہو"۔ خسرو نے غصہ اور حقارت سے کہا۔

"ہم دونوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ میں یہ جلد ہی ثابت کر دوں گا"۔ گو پاشا اور محمد علی کی گفتگو کسی نے نہ سنی تھی لیکن سپاہیوں نے خسرو کے بدلتے ہوئے رنگ اور آنکھوں میں ناچتے ہوئے غصہ کو دیکھ لیا تھا۔ خسرو کچھ دیر خاموش رہ کر بولا:

"اس وقت سپاہیوں کو لے جاؤ۔ میں ایک ہفتہ بعد اپنے خزانچی کی معرفت اپنا جواب بھیج دوں گا"۔

محمد علی نے پیٹھ پھیری اور اپنے آدمیوں کے ہمراہ باہر نکل کر سپاہیوں سے چیخ کر کہا۔

"نائب نے نیا وعدہ کیا ہے۔ ہم ایک ہفتہ انتظار کریں گے"۔

سپاہیوں نے محمد علی کے سخت تیور دیکھے تو سمجھ گئے کہ وہ خسرو کا حامی نہیں رہا۔ اس لئے کوئی سخت قدم اٹھانے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔ یہ دیکھ کر وہ خوش ہوئے کیونکہ وہ نائب کی خود پسندی اور رعونت کو ناپسند کرتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ کاش محمد علی اس متکبر انسان کے قتل کا حکم دے اور وہ اس کے محل کو مسمار کر کے اس کا نام و نشان تک مٹا دیں۔ سپاہیوں نے چیخ کر کہا کہ ہم تمہارے حکم سے مجبور ہیں۔ اس لئے انتظار کریں گے کیونکہ ہمارا فرض ہے کہ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ پھر محمد علی نے انہیں بارکوں کی طرف بھیج دیا اور ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ چلا گیا۔

محمد علی کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی اور وہ اپنے قصر کی طرف آتے ہوئے دل ہی دل میں کہتا آرہا تھا کہ یہی مناسب موقع ہے۔ وقت آگیا ہے۔ میں اپنی کارروائی شروع کروں گا اور خسرو پاشا کو دکھا دوں گا کہ اُس کے الفاظ کے مطابق میں وہی قوالہ والا محمد علی ہوں جس نے جوہرہ کے خون ناحق کا انتقام لینے کی قسم کھائی تھی۔

(۳۹)

چال

●

خسرو پاشا کا خیال تھا کہ وہ ایک ہفتہ میں محمد علی کی فوج کو تنخواہ ادا کرنے کے قابل ہو جائے گا لیکن اس کی تقدیر مسکرا رہی تھی۔ جاسوس نے اطلاع دی کہ طاہر پاشا کو ممالیک کے مقابلہ میں شکست ہو گئی ہے اور وہ اپنے بچے کھچے سپاہیوں کو لے کر قاہرہ کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ یہ سن کر خسرو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے سوچا۔ خزانہ خالی ہے۔ ابھی محمد علی کی سپاہ کو تو تنخواہ ادا نہیں کی گئی۔ اب طاہر کی فوج کو کہاں سے ادا کی جائے گی۔ اگر محمد علی کی سرکش فوج کے ساتھ طاہر کی سپاہ مل گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اس لئے طاہر پاشا کے پاس قاصد بھیج کر اسے سیدھا طنطا جانے کے لئے کہا جائے اور اس وقت تک کوئی قدم اٹھانے سے روک دیا جائے جب تک میرا دوسرا حکم نہ پہنچے۔ یہ سوچ کر خسرو پاشا نے اسی وقت قاصد کو طاہر پاشا کی طرف دوڑا دیا۔ قاصد حکم کی تعمیل کے لئے طاہر پاشا کی طرف بھاگا لیکن طاہر پاشا تک نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ طاہر پاشا کو اس سے قبل ہی کسی گمنام شخص کے قاصد نے اطلاع دے دی تھی کہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ جلد از جلد قاہرہ پہنچ جائے کیونکہ خسرو پاشا اس کی اور اس کے آدمیوں کی تنخواہ ادا نہیں کرنا چاہتا۔ اس لئے ایک قاصد بھیج کر اسے قاہرہ آنے سے روکنا چاہتا ہے۔ گو طاہر پاشا اپنے اس گمنام ہمدرد سے واقف نہ تھا لیکن اس کی باتوں کو سچ سمجھ کر قاصد کا شکریہ ادا کر کے دوسرے راستہ سے قاہرہ میں داخل ہونے کے لئے چل پڑا۔ حتیٰ کہ تیسرے دن مع اپنی فوج کے قاہرہ میں داخل ہو گیا۔ سپاہی چھاؤنی میں جانے کی بجائے قاہرہ کے گلی کوچوں میں گھومتے ہوئے قلعہ کی طرف چلے تاکہ اپنی تنخواہ وصول کریں۔ خسرو پاشا طاہر کے لشکر کی آمد سے مطلع ہوا تو اس کے غم و غصہ کی انتہا نہ رہی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر اپنے خزانچی سے بولا:

"اس وقت خزانہ میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ اس لئے سپاہیوں کی تنخواہ ادا نہیں ہوسکتی۔ ہاں میری سمجھ میں ایک تدبیر آئی ہے۔ وہ یہ کہ محمد علی بڑا ہوشیار آدمی ہے۔ میں اس سے مشورہ لیتا ہوں۔ گو وہ میرا دشمن بن گیا ہے لیکن میں اس سے صلح کرلیتا ہوں۔ اگر وہ اور طاہر مل گئے تو میرا اقتدار خطرہ میں پڑ جائے گا۔ تم فوراً جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ۔ ہم فوج کی تنخواہ ادا نہیں کر سکتے تو کیا ہوا۔ افسر کی تنخواہ تو بہ آسانی ادا کر سکتے ہیں۔"

یہ سن کر خزانچی باہر گیا تو خسرو نے اٹھ کر اپنے خاص خزانہ سے اشرفیوں کے دس توڑے نکالے اور ملاقات کے کمرے میں لے آیا۔ خزانچی نے محمد علی کو خسرو کا پیغام دیا۔ اور تنہا چلنے کی استدعا کی۔ محمد علی نے اپنے سپاہیوں کو جمع کرکے کہا۔

"میں پاشا کے پاس جا رہا ہوں تاکہ تمہاری تنخواہ کے بارے میں گفت وشنید کروں۔ میں وہاں صرف ایک گھنٹہ ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اگر میں ایک گھنٹہ تک نہ لوٹوں تو تم جانتے ہی ہو کہ مجھے کہاں ڈھونڈو گے۔"

خزانچی محمد علی کے یہ فقرے سُن کر ڈر گیا اور پاشا کو اس کی آمد سے مطلع کرنے کا بہانہ بنا کر روانہ ہوگیا۔ خزانچی نے خسرو کے پاس پہنچ کر کہا۔

"حضور! آپ محمد علی کو ایک گھنٹہ سے قبل ہی فارغ کردیں۔ اگر اُسے دیر ہوگئی تو اس کی فوج قلعہ پر حملہ کردے گی اور طاہر پاشا کا لشکر جو اسی قسم کے موقعہ کا منتظر ہے۔ فوراً ان سرکشوں کے ساتھ مل جائے گا۔"

"میں اُسے فوراً واپس بھیج دوں گا۔ کاش! میں تو الہ میں اس مار آستین کا سر کچل دیتا تاکہ آج اسے ڈسنے کا موقع نہ ملتا۔" خسرو نے کہا۔

محمد علی خزانچی کی روانگی کے کچھ دیر بعد روانہ ہوا اور قلعہ پر پہنچ گیا۔ ایک خواجہ سرا نے پاشا کو اس کے آنے کی اطلاع دی۔ پاشا نے خزانچی اور خواجہ سرا کو دوسرے کمرے میں جانے کا حکم دے کر فوراً اپنی حالت بدلی اور چہرے پر مسکراہٹ لے آیا۔ محمد علی نے اندر آکر فوجی طریقے سے سلام کیا۔ پاشا دستور کے مطابق مسند پر تکیہ لگا کر نہیں بیٹھا

بلکہ فوراً کھڑے ہو کر چند قدم آگے آیا اور مصافحہ کر کے بولا:

"تم آخری ملاقات میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے جس کا مجھے انتہائی افسوس ہے۔ کاش! تم میرے دلی ارادوں سے واقف ہوتے۔"

"آپ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ میں آپ کے دلی ارادوں کی حقیقت سے واقف ہوں۔" محمد علی نے مشتعل ہو کر کہا۔

محمد علی کا چہرہ دیکھ کر خسرو اس کا مقصد سمجھ گیا اور اپنی پریشانی چھپا کر بولا۔

"میں تمہیں محبت کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم میرے مخلص غلام ہو۔"

"غلام؟ میں کسی کا غلام نہیں ہوں۔ مجھے تمہاری فوج کا سپہ سالار کہا جاتا ہے اور میں بھی تمہاری طرح سلطان کا خادم ہوں۔" محمد علی نے متعجب ہو کر کہا۔

"واقعی ہم سب کو سلطان کے خادم ہونے کا شرف حاصل ہے لیکن میں سلطان کا نائب ہوں اس لئے سپہ سالار محمد علی کے سامنے سلطان کی شان و شوکت بیان کروں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ جبکہ محمد علی نے سلطان کی اطاعت کی قسم بھی کھائی ہوئی ہے۔"

"میں اب تک سلطان کا وفادار ہوں لیکن تم مجھے خواہ مخواہ مشتعل کر رہے ہو۔ آخر میں لشکر کے جائز مطالبہ کی حمایت کیوں نہ کروں۔ میں ان کا افسر ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ لشکر کو مدت سے تنخواہ نہیں ملی۔ اگر غریب سپاہی اپنا جائز حق طلب کرتے ہیں تو کیا گناہ کرتے ہیں۔"

"میں ایک ہفتہ کا وعدہ کر چکا ہوں۔ ابھی تین روز گزرے ہیں۔ سپاہیوں کو منتظر رہنے دو۔ میں تمہیں اپنی جیب خاص سے اشرفیوں کی دس تھیلیاں دے رہا ہوں۔ اپنی تنخواہ سمجھ کر قبول کر لو۔ اپنے خلوص کو ثابت کرنے کے لئے مجھے کوئی ایسی تدبیر بتاؤ جس پر عمل کرنے سے میں فوج کی تنخواہ ادا کرنے کے لئے دولت اکٹھی کر لوں۔"

"میں اشرفیوں کو جو میرا واجبی حق ہے قبول کر کے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ ایک دانا سردار ہیں۔ آپ کو کوئی مشورہ دینا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ بہرحال میری ناچیز رائے یہ ہے کہ آپ نے علماء و مشائخ اور تاجروں پر ٹیکس لگا کر بہت اچھا کیا ہے لیکن امرائے مملکت

کی عورتوں پر ٹیکس نہ لگا کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔ مثلاً آپ مراد بک کی بیوہ ست نفیسہ پر ٹیکس لگا کر اس قدر دولت اکٹھی کر سکتے تھے جس سے لاکھوں سپاہیوں کی تنخواہ ادا ہو جاتی۔ نفیسہ کے مال و دولت کی وجہ سے ہر شخص اس کی عزت کرتا ہے۔ لوگ مالدار لوگوں کی غلامی اختیار کر لیتے ہیں اور جب یہی مالدار لوگ مفلس ہو جاتے ہیں تو لوگ انہیں ذلیل سمجھ کر ان کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ مجھے معتبر لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ مراد بک کی بیوہ ست نفیسہ کا محل سونے چاندی کی کان ہے۔ جہاں جواہرات اور قیمتی ساز و سامان کی بہتات ہے۔ مراد بک نے لڑائیوں میں جس قدر مالِ غنیمت اکٹھا کیا تھا۔ اب وہ نفیسہ کے قبضہ میں ہے۔"

"ہمیں ست نفیسہ کے اس بڑے خزانہ کا کچھ حصہ مل جائے تو ہماری ضروریات کے لئے کافی ہو۔ کوئی ایسا قانونی نقطہ بتاؤ جس سے مال پر قبضہ کر لوں۔ ہاں یاد رہے میں ممالیک کی عورتوں کو قاہرہ میں آزادی سے رہنے کی اجازت دے چکا ہوں" خسرو پاشا نے لالچ کا شکار ہو کر کہا۔

"میرا خیال ہے۔ آپ نے ممالیک کی عورتوں کو باغی ممالیک کی سازشوں میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔ عثمان بک بردیسی اور الفی بک کو ست نفیسہ سے گہری محبت ہے اس لئے وہ اکثر اس کے گھر آتے رہتے ہیں۔ میں چند روز قبل ان دونوں کو اس کے گھر کے دروازے پر دیکھ چکا ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ نفیسہ ان دونوں کو مالی مدد دے کر باب عالی کے خلاف نہ بھڑکاتی ہوگی۔"

"میں آج ہی ست نفیسہ کے خرچ کا روزنامچہ دیکھوں گا اور اس کی تخریبی سرگرمیوں کا ثبوت گھڑ کر اس کے کچھ مال پر قبضہ کر لوں گا۔ محمد علی اب تم جا سکتے ہو۔ میں تمہارا ممنون ہوں۔ تم میرے مخلص ساتھی ہو۔"

محمد علی ایک گھنٹے سے قبل ہی باہر آ گیا۔ اس کے ساتھی صبر و سکون سے منتظر تھے۔ محمد علی کے پیچھے ایک خواجہ سرا اشرفیوں کی تھیلیاں اٹھائے ہوئے چل رہا تھا۔ محمد علی نے اپنے ڈیرے میں پہنچ کر دس سرداروں کو بلایا اور کہا۔

"خسرو پاشا نے کہا ہے کہ ایک ہفتہ کی مقررہ میعاد ختم نہیں ہوئی۔ اس لئے سپاہیوں

کو انتظار کرنا چاہیے۔ ہاں خسرو پاشا نے میری تنخواہ کا کچھ حصہ ادا کیا ہے کیونکہ مجھے آج تک کچھ نہیں ملا تھا۔ اُس نے مجھے اشرفیوں کی دس تھیلیاں پیش کی ہیں۔ گو مجھے ان کی بیحد ضرورت ہے لیکن میں اپنے لشکر کو پریشان حال نہیں دیکھ سکتا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ میری باقی تنخواہ کب ملے گی۔ اس لئے میں ان اشرفیوں کو دو حصوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ پانچ تھیلیاں میں لوں گا اور پانچ تھیلیاں میرا بہادر اور وفادار لشکر لے گا۔ یہ تھیلیاں لشکر کی تنخواہ میں مجرا نہ ہوں گی بلکہ میری طرف سے اظہار خوشنودی کے لئے بطور ہدیہ ہوں گی۔ میرا داروغہ اشرفیوں کو تقسیم کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ اس لئے ہر سپاہی اپنے بستر پر چلا جائے۔"

یہ سن کر لوگ خوشی سے محمد علی زندہ باد.... محمد علی پائندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے اپنے بستروں کی طرف چلے۔ فوراً ہی ان کے پیچھے داروغہ بھی اشرفیاں لے کر روانہ ہو گیا۔

محمد علی نے لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھ کر سوچا کہ یہ سب لوگ میرے غلام بن گئے ہیں۔ میں نے ان کا دل اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ یہ ضرور میرے کام آئیں گے۔ اب خسرو بھی میرے مشورہ پر عمل کر کے ست نفیسہ پر ہاتھ ڈالے گا۔ ست نفیسہ کی پورا شہر عزت کرتا ہے۔ لوگ اس کی غلامی پر نازاں ہیں اور اس کی پاکبازی کی قسم کھاتے ہیں۔ خسرو نے اس کی بزرگی پر ہاتھ ڈالا تو بُری طرح ذلیل ہو جائے گا۔ اب صرف یہی ایک کام باقی رہ گیا ہے کہ ست نفیسہ کو خبردار کر دیا جائے تاکہ وہ اپنا بچاؤ کرے۔ یہ سوچ کر محمد علی کھڑکی سے کود کر باغ میں آیا اور چور دروازہ کی راہ بازار میں نکل گیا۔ اس نے ایک میلے کمبل سے خود کو چھپا رکھا تھا۔ اس لئے اس کو کوئی بھی پہچان نہ سکا تھا۔ وہ تنگ و خالی گلیوں سے ہوتا ہوا ست نفیسہ کے محل پر پہنچا اور ایک تنگ دروازہ سے داخل ہو کر یوسف سے ملاقات کرنی چاہی۔ یوسف نے محمد علی کو پہچان کر سلام کیا۔ محمد علی بولا:

"یوسف کیا تم اپنی سیدہ کی بہت بڑی خدمت کرنا چاہتے ہو؟"

"میں اپنی سیدہ کا خیر خواہ غلام ہوں اور دل و جان سے اس کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا تو غور سے میری باتیں سنو! میں تمہیں ایک بہت بڑا راز بتا رہا ہوں۔ کسی کو نہ بتانا کہ تم نے کس سے سنا ہے۔ فوراً اپنی سیدہ کے پاس جاؤ اور اُسے بتا دو کہ خسرو پاشا

اس کے مال و دولت پر قبضہ کرنے کے لئے آرہا ہے اس لئے وہ جلد سے جلد اپنا تمام سونا، جواہرات اور بیش قیمت ساز و سامان کسی محفوظ جگہ چھپا دے۔ مراد بک کے محل میں کچھ خفیہ تہہ خانے اور کمرے ضرور ہوں گے جن کے حال سے کوئی واقف نہ ہو گا۔ دیکھو خبردار! اپنی بیٹی کو کبھی نہ بتانا کہ تم نے یہ خبر مجھ سے سنی ہے۔ نفیسہ اصرار کرے تو کہنا۔ میں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔"

محمد علی یوسف کو یہ اطلاع دے کر لوٹا تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ اُس نے اپنے کمرہ میں ٹہلتے ہوئے سوچا۔ اگر خسرو، ست نفیسہ کے مال و دولت پر قبضہ کر لیتا تو میری سکیم ناکام ہو جاتی اور وہ سپاہیوں کو تنخواہ ادا کر کے مطمئن ہو جاتا لیکن اب اس کی پریشانیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے زوال کا وقت قریب آگیا ہے۔ اگر اس نے ست نفیسہ کے ساتھ ذرا سا برا سلوک بھی کیا تو اُس کا اقتدار خطرہ میں پڑ جائے گا۔ پورے مصر کی تلواریں اس کی دشمن بن جائیں گی۔ جب وہ پستی کے گرداب میں پھنس جائے گا تو اُس وقت اُسے پتہ چلے گا کہ اس کی تباہی کا باعث کون تھا۔ پھر محمد علی افق کی طرف دیکھ کر بولا:

"اے جوہرہ! تو اپنی وسیع و عریض نیلگوں سرد قبر میں آرام سے سوتی رہ۔ میں نے تیرے خون ناحق کا انتقام لینے کی ابتدا کر دی ہے۔"

(۴۰)

ست نفیسہ کی اسیری

●

داروغہ یوسف نے محمد علی کی کار آمد اطلاع سے اپنی سیدہ کو مطلع کیا اور فوراً پورا خزانہ زر و جواہر اور قیمتی ساز و سامان پوشیدہ حجروں میں رکھ کر مقفل کر دیئے گئے۔ یہ حجرے دیواروں میں بنائے گئے تھے۔ مراد بک نے اپنی موت سے قبل ان کا حال اپنی بیوی کو بتا دیا تھا اور ست نفیسہ اور یوسف کے سوا کوئی تیسرا ان سے واقف نہ تھا۔ جب یہ خزانہ چھپا دیا گیا تو ست نفیسہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ یوسف نے آگے بڑھ کر حجروں کی کنجیاں پیش کیں۔ ست نفیسہ بولی:

"کنجیاں اپنی حفاظت میں رکھو۔ میں اپنی دولت اپنے شوہر کے عزیز داروغہ کی حفاظت میں دیتی ہوں۔ ہاں جب موت آ جائے تو تم یہ کنجیاں عثمان بک بردیسی کو دے کر حجرے کھلوانا۔ عثمان کے سامنے میری دولت کو تقسیم کر دینا۔ میں تمہیں اپنی وصیت پوری کرنے کا اختیار دیتی ہوں۔" یہ کہہ کر نفیسہ اٹھی اور پوشیدہ حجرہ سے ایک چھوٹی سی کتاب لے آئی۔ کتاب پر سونے کا غلاف چڑھا ہوا تھا اور غلاف پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وہ کتاب کو یوسف کے سپرد کر کے بولی۔

"اس کتاب میں میرے دوستوں کے نام اور تحفوں کی تفصیل درج ہے۔ میری موت کے بعد ان لوگوں کو تحفے پہنچا دینا اور اس کتاب کو اپنے پاس ہی رکھنا۔ اس پر میرے نام کو قیمتی پتھروں سے لکھا گیا ہے۔ مجھے یہ کتاب فرانس کے جرنل نپولین بونا پارٹ نے بطور تحفہ دی تھی۔ اس کتاب کو اپنے پاس رکھنا اور جب کبھی میرا نام پڑھو۔ مجھے یاد کر لیا کرنا۔ چلے جاؤ۔"

یوسف اپنے دل کے ہاتھوں بے تاب ہو کر رونے لگا۔ پھر بولا۔

"آپ کی موت کے خیال سے میری روح فنا ہو جاتی ہے۔ براہ کرم موت کا ذکر نہ کیجیے۔"

"تم اپنے دل کو سنبھالو۔ اب میں موت کا ذکر نہ کروں گی۔ اپنے آنسو پونچھ ڈالو۔ میں آنسوؤں کو نہیں دیکھ سکتی"۔ نفیسہ مسکرا کر بولی۔

"میں ہوش و حواس میں آ گیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل کرنا میرا فرض ہے"۔ یوسف نے آنسو پونچھ کر کہا۔

"اب میری صرف ایک ہی خواہش ہے کہ تم میرے بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر عثمان بک بردیسی کے لشکر کی طرف جاؤ اور عثمان کے پاس پہنچنے سے پہلے راہ میں کہیں بھی نہ رکو"۔

"ہمارا ایک دوست ہمیں آنے والے خطرہ سے مطلع کر چکا ہے اس لئے میں آپ کو خطرہ کے منہ میں تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ پھر میں نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے بزدل اور نمک حرام کا خطاب دیں۔ آپ تو ایک فرشتہ ہیں اور فرشتے انسانوں کے دکھ درد سے واقف نہیں ہوتے۔ گو آپ کا دل الماس کی طرح پاک اور صاف ہے لیکن الماس ہی کی طرح سرد اور سخت بھی ہے"۔

"تم میرے حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنی قسم توڑ رہے ہو۔ میرے شوہر نے تمہیں آزاد کیا تھا تو تم نے غلاموں کی طرح ہمارے خدمت کرنے کی قسم کھائی تھی۔ تم بردیسی کے لشکر میں چلے جاؤ۔ اگر لوگوں نے تمہارے سلسلہ میں ایسی افواہیں اڑائیں تو میں تردید کر دوں گی۔ میں تمہیں مجبور کر کے بھیج رہی ہوں۔ اس وقت تمہارے ان گنت دوست لڑائیوں میں دشمن کا صفایا کر رہے ہیں۔ میں تم جیسے نوجوان کو اپنے پاس روک کر ظلم نہیں کر سکتی۔ تم ایک بہادر نوجوان ہو۔ تمہارا گمنام زندگی بسر کرنا تمہارے اور میرے لئے باعث شرم ہے۔ تم اپنے آقا مراد بک کی ذات کو پیش نظر رکھو اور ان کے نقش قدم پر چل کر معرکوں میں حصہ لو۔ میں نے عثمان بک کو لکھا ہے کہ میں اپنے وطن عزیز کی خدمت کے لئے اپنے مخلص خادم اور گھر کے داروغہ یوسف کو بھیج رہی اور چاہتی ہوں کہ تم اسے اپنے ہمراہ معرکوں میں شریک ہونے کا موقع دو۔ یوسف! میری خواہش ہے کہ تم اپنے مردانہ جوہر دکھا کر ممالیک کے سردار بن جاؤ تاکہ شعراء تمہاری تعریف کے گیت گائیں۔ میں اسی امید پر تمہاری

جدائی کے دن کاٹ لوں گی۔"

یہ کہتے ہی نفیسہ کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے آخری فقرے سے اپنا راز فاش کر رہی ہے اس لئے وہ اپنی بات کو مکمل کرنے کے لئے یوں بولی:

"میں تمہیں اپنے شوہر کا سچا دوست سمجھ کر پسند کرتی ہوں۔ فوراً روانہ ہو جاؤ۔ میں الوداعی کلمات کہہ چکی ہوں جب میدان کارزار گرم ہو تو یاد رکھنا کہ تمہاری کامیابی میرے لئے باعث فخر ہو گی۔"

"اے میری سیّدہ! اے ست نفیسہ! تم مجھے کتّے کی طرح نکال رہی ہو۔ خیر میں موت کو اپنے سینہ سے لگانے کے لئے چلا جاتا ہوں تاکہ اپنی زندگی کی الجھنوں سے چھوٹ جاؤں۔"

یوسف نے حسرت ویاس سے کہا۔

"موت تم سے دُور دُور رہے گی۔ یاد رکھو۔ تم ہر جگہ میرے ہو۔ تمہارا فرض ہے کہ میری اطاعت کرو۔ تم آزاد ہوتے ہوئے بھی میری غلامی میں رہنے کی قسم کھا چکے ہو اور میں تمہاری قسم کے پیش نظر تمہیں حکم دیتی ہوں کہ جان بوجھ کر موت کا شکار ہونے کی کوشش نہ کرنا بلکہ نامور سردار بن کر لوٹنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گی اور اس وقت ....." یہ کہہ کر نفیسہ رُکی اور اپنے الفاظ کا رخ بدل کر بولی:

"اب تم میری خواہش سے واقف ہو چکے ہو۔ اب تم قسم کھاؤ کہ موت کو سینہ سے لگانے کی آرزو نہ کرو گے اور بہادر لوگوں کی طرح اپنے ملک، اپنی قوم اور اپنی تعمیر و ترقی کے لئے تلوار اٹھاؤ گے۔"

"میں اپنی کمزوری کی معافی چاہتا ہوں اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ کی قسم کے مطابق خودکشی نہ کروں گا بلکہ گمنام یوسف کی حیثیت سے یوسف بک کی شخصیت میں لوٹوں گا۔"

یہ کہہ کر یوسف نے اپنے ہاتھوں سے منہ کو چھپا کر سر جھکا لیا۔ گو نفیسہ کی نظریں اس پر مرکوز تھیں لیکن وہ اس کے چہرے پر رنج و غم اور خوف و وحشت کے آثار نہ دیکھ سکی۔ یوسف نے دوبارہ چہرہ اٹھایا تو نفیسہ منہ موڑ کر کھڑی رہی۔ یوسف بولا:

"معاف فرمائیے! میں ماضی کی یاد سے مجبور ہو کر آنسو بہانے لگا تھا لیکن اب میں

سنبھل گیا ہوں۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل میں خودکشی کی کوشش نہ کروں گا۔ البتہ خدا کے حکم سے موت آگئی تو ہنسی خوشی جان دوں گا۔ اچھا خدا حافظ!"

یوسف نے گھٹنوں کے بل جھک کر نفیسہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ اس کی طرف دیکھے بغیر باہر کی طرف چل پڑا۔ ست نفیسہ اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اس وقت اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ ہاتھوں کو یوں پھیلا رہی تھی جیسے اسے روکنا چاہتی ہو۔ پھر وہ اپنے دل سے مخاطب ہوئی۔ "آہ! مجھے یوسف سے محبت ہے۔ خدا اسے کامیاب و کامران واپس لائے تاکہ میں ان مصیبتوں کا معاوضہ دے سکوں جو اسے میری محبت میں اٹھانی پڑی ہیں۔ خداوند کریم اسے یوسف بک بنا کر میرے پاس لائے تاکہ میں اسے اپنا شوہر بنا لوں کیونکہ مجھے اس سے محبت ہے۔ کچھ دیر بعد قصر سے یوسف کی سواری نکلی تو ست نفیسہ ایک سرد آہ بھر کر بولی:

"خداوند کریم! میں اپنے یوسف کو تیری امان میں دیتی ہوں۔ اسے صحیح سلامت واپس لا۔ تجھے علم ہے کہ میں اسے خلوص دل سے چاہتی ہوں"۔ پھر نفیسہ اپنے پلنگ پر آکر پڑی اور رومال سے منہ کو چھپا کر چپکے چپکے روتی رہی۔ یوسف کی روانگی کے دو گھنٹے بعد دو خوفزدہ لونڈیاں نفیسہ کے کمرہ میں داخل ہوئیں۔ نفیسہ منہ ڈھانپے رو رہی تھی۔ لونڈیوں کی آمد پر سنبھلی اور منہ پونچھ کر بیٹھ گئی۔ ایک لونڈی نے عرض کی۔

"حضور! دروازہ پر قاضی صاحب مع چار سرکاری پیادوں کے کھڑے ہیں اور خسرو پاشا کا کوئی پیام لائے ہیں"۔ نفیسہ کی اجازت سے قاضی پیادوں کے ہمراہ اندر آیا اور نفیسہ کو پاشا کا سربمہر خط دکھا کر بولا:

"حضور! پاشا نے آپ کو اسی وقت قلعہ میں بلایا ہے۔ آپ کی غیر حاضری میں آپ کے مکان پر پہرہ بٹھانے کا حکم بھی دیا ہے تاکہ کوئی گھر میں داخل نہ ہو اور نہ کوئی گھر سے باہر نکلے۔ آپ اسی وقت میرے ہمراہ تشریف لے چلیں"۔

"بیشک خط پر پاشا کی مہر ہے۔ خیر چلو میں دیکھتی ہوں کہ پاشا کو مجھ سے کیا کام آن پڑا ہے۔ میرے ہمراہ میری دو لونڈیاں بھی ہوں گی کیونکہ مراد بک کی بیوہ خواصوں کے بغیر کبھی

باہر نہیں نکلتی۔ تم پہرہ کے سلسلہ میں جو چاہو کرو۔ میں ان باتوں سے ڈرنے والی نہیں ہوں جاؤ میری سواری دروازہ پر لانے کے لئے کہو۔" نفیسہ نے کہا اور قاضی اس کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر خود ہی باہر گیا اور ایک آدمی کو سواری تیار کرنے کے لئے کہہ کر لوٹ آیا۔ نفیسہ بڑے وقار سے اٹھی اور دو لونڈیوں کو اپنے ہمراہ چلنے کا حکم دے کر باقی خواصوں سے مخاطب ہو کر بولی کہ تم کسی بات سے خوفزدہ نہ ہونا۔ قاضی تمہاری حفاظت کے لئے چار سرکاری آدمیوں کو مقرر کر کے جا رہا ہے۔ پھر نفیسہ نے سر کے اشارہ سے خادموں کو رخصت کیا اور نقاب گرا کر گاڑی میں سوار ہو گئی۔ قاضی اس کی شان و شوکت دیکھ کر اپنی کارروائی پر نادم ہوا اور جب وہ اپنی خواصوں کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ قاضی گاڑی کا دروازہ بند کر کے خود گاڑی کے پچھلے حصہ میں بیٹھ گیا۔

گاڑی روانہ ہوئی تو نفیسہ نے سوچا۔ اگر اس وقت یوسف موجود ہوتا تو مداخلت کر کے خواہ مخواہ مجرم بن جاتا۔ خدا کا شکر ہے۔ میں نے اسے گرفتاری سے بچا لیا۔ اب اسے پاشا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ گاڑی پاشا کے قصر سے قریب ہوتی ہوئی موسکی بازار میں پہنچ گئی۔ بازار میں خرید و فروخت شباب پر تھی۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس لئے لوگوں کو گاڑی کی آمد سے دکھ ہوا۔ انہیں چلنے پھرتے میں ۔ گاڑی پیش آئی تو وہ شور مچا مچا کر اعتراض اور افسوس کرنے لگے۔

ست نفیسہ نے شور و غوغا سنا تو کھڑکی کا پردہ ہٹا کر چہرہ سے نقاب بھی اٹھا دی۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو باآواز بلند کہا۔ آہا! یہ تو ہماری سیدہ ست نفیسہ مراد بک کی بیوہ ہیں اور یہ آواز بازار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئی۔ لوگ خرید و فروخت بند کر کے بھاگ کر گاڑی کے پاس پہنچے اور ست نفیسہ کے اس طرف سے گزرنے کی وجہ پوچھنے لگے جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کی سیدہ ست نفیسہ کو پاشا کے حکم سے قلعہ لے جایا جا رہا ہے تو سب لوگوں نے اپنا کاروبار چھوڑ دیا اور نفیسہ کی گاڑی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ گاڑی جوں جوں آگے بڑھ رہی تھی۔ لوگ آ آ کر شامل ہوتے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ جب گاڑی قلعہ کے قریب پہنچی تو ہزاروں لوگ اس کے ساتھ تھے۔ دربان نے گاڑی کو دیکھ کر قلعہ کا دروازہ کھولا اور گاڑی کے اندر داخل ہوتے ہی فوراً بند کر دیا تاکہ لوگ قلعہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ لوگ

دربان کے اس رویّے کو دیکھ کر سمجھے کہ اُن کی سیدہ ست نفیسہ گرفتار ہو گئی ہے۔ لوگوں نے چیخ چیخ کر کہا کہ ست نفیسہ کو گرفتار کر لیا گیا ہے مگر ہم اپنی سیدہ کو چھڑا کر دم لیں گے۔ گاڑی آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔ ست نفیسہ اور اس کی لونڈیاں پیدل چل کر برآمدہ میں پہنچیں۔ قاضی نے خسرو کو اطلاع دی اور جب نفیسہ اپنی لونڈیوں کو برآمدہ میں چھوڑ کر اندر داخل ہوئی تو خسرو مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ نفیسہ نے اُسے قہر بھری نظروں سے دیکھا تو خسرو نے اس کا استقبال کرنے کے لئے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ نفیسہ نے کوئی جواب نہ دیا اور ایک کرسی پر ڈٹ کر بیٹھ گئی۔ خسرو بولا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے داروغہ یوسف نے کوشش کی تھی کہ میرے ایک عارضی سپاہی کو ورغلا کر بردیسی کے لشکر میں بھیج دے۔ خوش قسمتی سے میرے اس سپاہی نے یوسف کی اس درخواست کو ٹھکرا کر مجھے پورا واقعہ سنا دیا ہے۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ غلاموں کے افعال کی ذمہ داری ان کے آقاؤں پر آتی ہے۔ میں آپ کو اس لئے طلب کیا ہے۔ آپ سے آپ کے خادم کے جرم کی جواب طلبی کروں۔ آپ اپنے خادم کے اس جرم کا ثبوت دیکھنا چاہیں تو یہ دیکھئے۔" یہ کہہ کر خسرو پاشا نے اپنی جیب سے ایک خط نکالا اور کھول کر دور سے دکھانے کے بعد اپنی جیب میں ڈال لیا۔ پھر کہا۔" اس خط میں یوسف نے صادق آغا کو لکھا تھا کہ وہ بردیسی کے لشکر میں چلا جائے تو اس کی تنخواہ دگنی کر دی جائے گی۔ یہ خط یوسف نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور اُس پر اپنی مہر بھی ثبت کی ہے۔"

"میرا داروغہ دوسروں سے زیادہ سچا اور ایمان دار آدمی ہے۔ یہ اس پر کسی دشمن نے بہتان باندھا ہے۔ یہ خط یوسف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے کیونکہ یوسف لکھنے پڑھنے سے قطعی ناواقف ہے۔ اسے کاغذ پر قلم چلانا نہیں آتا۔ وہ تو صرف اپنی تلوار سے دشمنوں کے چہروں پر نقوش بنانا جانتا ہے۔ میں اُس کے افعال کی ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ اب وہ میرا غلام نہیں ہے۔ وہ بردیسی کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے جا چکا ہے اور تم میرے ساتھ خوامخواہ بدسلوکی کر رہے ہو۔ تم نے مجھے پیادوں سے پکڑوا کر رسوا کیا ہے۔ تم نے مراد بک کی شریف خاندانی بیوہ کی بے عزتی کی ہے۔ کیا تم اس ملک کے رسم و رواج سے واقف نہیں ہو کہ جب تم کسی عورت کو پیادوں سے پکڑوا کر بلاؤ گے تو وہ ہمیشہ کے لئے لوگوں کی نظروں سے

گر جائے گی۔"

"تم میرے غصّہ کو بیدار کر رہی ہو۔ حالانکہ تمہارا فرض یہ تھا کہ اپنے خادم کے لئے معافی کی درخواست کرتیں اور التجا کرتیں کہ میں اس خط کو پھاڑ کر یوسف کے جرم کا ثبوت مٹا دوں۔ تمہارا فرض تھا کہ مجھے کچھ مال و دولت دیتیں تاکہ میں اپنی فوج کو خوش کر کے تمہیں بھی خوش کر دیتا۔"

"تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تمہارے سپاہی میرے گھر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ انہیں حکم دو کہ میرے گھر کی تلاشی لیں۔ اگر کچھ مل جائے تو تم لے لو۔ بیشک میں کسی زمانہ میں مالدار تھی لیکن میرا تمام مال لڑائیوں میں فوج کے مصارف پر خرچ ہو چکا ہے۔ ہاں اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اُسے اپنے شوہر کے دشمنوں کو دینے کی بجائے دریائے نیل میں ڈال دیتی۔ میں پھر کہتی ہوں کہ میرا داروغہ بے گناہ ہے۔ اگر تم نہیں مانتے تو نہ سہی۔ غداری کی سزا موت ہے اور تم مجھ پر غداری کا الزام لگا رہے ہو۔ خیر تمہارا جو جی چاہے کرو۔ میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر تم میرے قتل سے باز نہ آئے تو غروب آفتاب سے قبل تم بھی انتہائی ذلیل و خوار ہو کر اس محل سے نکال دیئے جاؤ گے اور دُور ہی دور سے اس حسین و جمیل زرخیز ملک کو حسرت سے دیکھا کرو گے جس میں اس وقت بڑے اطمینان سے زندگی کے مزے لوٹ رہے ہو۔ اس وقت تم اپنی قسمت کو کوسو گے لیکن کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

"میں پہلے مجرم کو سزا دے لوں۔ پھر تمہاری باتوں پر غور کروں گا۔" یہ کہہ کر خسرو نے خواجہ سرا کو آواز دی اور اسے حکم دیا کہ ست نفیسہ کو پرانے قلعہ میں شیخ حبینی کے پاس لے جائے اور اس سے کہہ دے کہ اس عورت کی حفاظت کرے اور کسی کو اس سے نہ ملنے دے۔

ست نفیسہ نے باہر آ کر اپنی لونڈیوں کے ہمراہ گاڑی میں سوار ہونا چاہا تو قاضی نے روک دیا اور کہا ہمیں قریب ہی جانا ہے۔ اس لئے گاڑی پر سوار ہونے کی ضرورت نہیں۔

ست نفیسہ بولی:

"میں تمہارا مقصد پا گئی ہوں۔ تم خوفزدہ ہو کہ باہر کھڑے ہوئے لوگ مجھے دیکھ کر مشتعل ہو جائیں گے۔ میں تمہاری چالوں پر قہقہہ لگانا چاہتی ہوں لیکن نہیں۔ کامیاب

اسی کو کہا جائے گا جو آخر میں ہنسے گا۔"

قاضی خاموش رہا۔ ست نفیسہ اور اس کی دو لونڈیاں اس کے پیچھے چلتی ہوئی شیخ حسینی کی حویلی میں پہنچ گئیں۔ لوگ ابھی تک قلعہ کے دروازہ پر ست نفیسہ کا انتظار کر رہے تھے۔ جب کافی تاخیر ہو گئی تو لوگ شور و غوغا بلند کرتے دروازہ کو پیٹنے اور اپنی سیدہ کو آوازیں دینے لگے۔ سپاہیوں نے قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر بندوقوں کا رخ لوگوں کی طرف کر لیا۔ لوگ پیچھے ہٹ کر دوسری سڑک پر جمع ہو گئے اور دوبارہ چیخ چیخ کر بولے۔

"ہم اپنی پاکدامن بزرگ سیدہ ست نفیسہ کو رہا کرانے آئے ہیں۔ ہم خالی ہاتھ واپس نہ جائیں گے۔ ہماری سیدہ کو رہا کر دو۔" لوگ اس قدر شور مچا رہے تھے کہ شیخ حسینی نے ڈر کر فیصلہ کر لیا کہ لوگوں نے جیسے ہی اس کی حویلی کی طرف رخ کیا وہ فوراً ست نفیسہ کو ان کے حوالے کر دے گا۔ شام کے وقت جب لوگوں کا جوش و خروش بڑھ گیا تو علماء و مشائخ نے جمع ہو کر خاموشی کی تلقین کی اور علی الصبح خود نائب کے پاس ست نفیسہ کی رہائی کی درخواست لے جانے کا وعدہ کیا۔ لوگوں نے علماء و مشائخ کے وعدہ پر خاموشی تو اختیار کر لی لیکن اپنی جگہ کسی نے نہ چھوڑی۔ لوگ رات بھر قلعہ کے دروازوں پر ڈٹ کر کھڑے رہے۔ علی الصبح علماء و مشائخ خسرو کے پاس پہنچے اور شیخ اعظم خسرو کے سامنے کھڑے ہو کر بولا:

"میں اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے جس نے قلعہ کو گھیر رکھا ہے۔ درخواست کرتا ہوں کہ ست نفیسہ کو فوراً چھوڑ دیا جائے۔ آپ کے مقرر کئے ہوئے سپاہیوں نے اس کے مکان کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے۔ مکان کی کوئی چیز اپنی جگہ پر سلامت نہیں رہی۔ غالباً سپاہیوں کا خیال تھا کہ قیمتی ساز و سامان اور مال و دولت لوٹیں گے لیکن ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آیا۔ آخر ست نفیسہ کا کیا گناہ ہے۔ سپاہیوں کو اس کا مکان برباد کرنے کی جرأت کیونکر ہوئی ہے؟"

"ست نفیسہ اپنے داروغہ یوسف کی شریک جرم ثابت ہو چکی ہے۔ یوسف نے میرے ایک سپاہی کو ورغلا کر باغی ممالیک کے لشکر میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ست نفیسہ کو اپنی فوج کے غصہ سے بچانے کے لئے قلعہ میں بلوالیا ہے مجھے اس کی باتوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے داروغہ کے جرم کو تسلیم کرتی ہے۔ گو وہ سزا کی مستحق ہے لیکن میں آپ لوگوں کی خاطر اسے

معاف کرسکتا ہوں۔ بشرطیکہ وہ میری فوج کی تنخواہ ادا کرنے کے لئے کچھ مال دے۔"

"لیکن ہماری شریعت مطہرہ میں اس قسم کے قصاص کی اجازت نہیں ہے۔ اگر ہماری سیدہ مجرم ہے تو مال دے کر سزا سے نہیں بچ سکتی۔ بہرحال ہم خود سیدہ سے مل کر اس کی تحقیقات کرنا چاہتے ہیں تاکہ کوئی فیصلہ کرسکیں۔" شیخ اعظم نے کہا۔

"تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔ یقین کرو وہ مجرم ثابت ہوچکی ہے۔ اب اسے مال دے کر اپنی جان بچانی چاہیئے۔" خسرو نے جھنجھلا کر کہا۔

شیخ نے سب کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا کہ ہم خسرو کے حکم کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ خود نفیسہ کی زبان سے جرم کا اقرار سننا چاہتے ہیں تاکہ شریعت کی روشنی میں کوئی حکم دیں۔

خسرو نے مجبور ہو کر علماء و مشائخ کو نفیسہ سے ملاقات کی اجازت دے دی۔ علماء مشائخ، شیخ حسینی کی حویلی میں پہنچے تو ست نفیسہ نے پورے استقلال سے ان کا استقبال کیا۔ لوگوں کو جو کچھ بتایا گیا تھا۔ انہوں نے ست نفیسہ سے کہا اور اس پر لگائے ہوئے الزام کا حال پوچھا۔ نفیسہ نے مسکرا کر کہا۔

"میں اپنے مرحوم خاوند کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں بے گناہ ہوں۔ میں پاشا کا مطلب سمجھ گئی ہوں۔ وہ چاہتا ہے مجھے ڈرا دھمکا کر مال و دولت حاصل کرے اور اس مال سے اپنی فوج کی تنخواہ ادا کرے جو کئی ماہ سے اس کے ذمہ واجب الادا ہے اس کی نیت کا حال آپ پر عیاں ہوچکا ہے۔ آپ اسے میری طرف سے کہہ دیں کہ میں اسے پھوٹی کوڑی بھی نہ دوں گی۔ وہ بیشک مجھے قتل کردے۔ میں خداوند کریم کے پاس جا کر اس بے ایمان ظالم کی شکایت کروں گی۔"

"ہمیں آپ کی باتوں کا یقین ہے۔ اگر آپ کے پاس دولت ہوتی اور آپ اس ظالم، بے ایمان کی دستبرد سے بچانے کے لئے کہیں چھپا دیتیں یا دریا برد کر دیتیں تو پھر بھی ہم مخالفت نہ کرتے۔ ہم اسے سمجھانے کے لئے جارہے ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔ ہم آپ کو بچانے کی پوری کوشش کریں گے اور ہر حالت میں آپ کا ساتھ دیں گے۔" شیخ اعظم نے کہا۔ یہ سن کر ست نفیسہ نے سب لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور سب لوگوں نے پاشا کے سامنے آکر کہا کہ ان کے خیال میں ست نفیسہ بے گناہ ہے۔ اس کے پاس مال و دولت

نہیں۔ پاشا کے سپاہی اس گھر کے محل کی تلاشی لے چکے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ سیدہ ست نفیسہ کے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے۔

"ہاں مجھے بھی خبر ملی ہے کہ میرے سپاہیوں کے ہاتھ کچھ نہیں آیا" خسرو نے غمگین ہو کر کہا اور اٹھ کر ٹہلتے ہوئے دل میں سوچا میں اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مار چکا ہوں۔ محمد علی نے مجھے تباہ و برباد کرنے کے لیے بہت بُری رائے دی تھی۔ مجھے علم تھا کہ وہ میرا دشمن تھا لیکن آہ میری عقل ماری گئی۔ میں نے خواہ مخواہ اس ہر دلعزیز عورت کی بے عزتی کی لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ کیا میں نرمی اختیار کر لوں لیکن نہیں۔ مجھے یکلخت اپنا رویہ نہیں بدلنا چاہیئے۔ اس وقت بڑے تدبّر کی ضرورت ہے۔ خیر میں خود غرض محمد علی کو سخت سزا دوں گا۔ یہ سوچ کر پاشا نے علماء سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میں اب تک ست نفیسہ کو مجرم سمجھتا ہوں۔ اس لئے اسے سزا دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔"

"ہم انصاف چاہتے ہیں کسی ظالم کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار نہیں۔ تم انصاف کے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر ہماری بے عزتی کر رہے ہو۔" شیخ اعظم نے پاشا سے مخاطب ہو کر کہا۔ پھر اپنے ہمراہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اب ہم یہاں ٹھہر کر مزید وقت ضائع نہ کریں گے۔ آؤ جامع ازہر چل کر اطمینان سے مشورہ کریں کہ ہمیں اب کیا قدم اٹھانا چاہیئے۔"

"تم جو چاہو کرنا لیکن یہ ضرور یاد رکھنا کہ کوئی گڑبڑ یا خلاف امن حرکت ہوئی تو میں اپنی فوج کو باغیوں کے قتل عام کا حکم دے دوں گا۔" خسرو نے غصہ سے کہا۔

شیخ اعظم نے پاشا کے ان فقروں کا کوئی نوٹس نہ لیا بلکہ اسے بڑی بے پروائی اور نفرت بھری نظروں سے دیکھ کر باہر کی راہ لی اور تمام علماء مشائخ بھی اس کے پیچھے قدم اٹھاتے ہوتے باہر آ گئے۔ علماء خسرو پاشا کے قصر سے باہر آئے تو راہ میں محکمہ اوقاف کا مہتمم مصطفیٰ اور بعض دوسرے با اثر لوگ ملے۔ مصطفیٰ اور اس کے ساتھی کل واقعہ سن کر پاشا اور علماء کا سمجھوتہ کرانے کے لئے آ رہے تھے۔ مصطفیٰ نے بیچ میں پڑ کر سیدہ

نفیسہ کو رہا کرانے کی حامی بھری اور علماء کو اپنے منتظر چھوڑ کر خسرو پاشا سے ملنے کے لیے چلا گیا۔ پھر کچھ دیر بعد مصطفےٰ نے لوٹ کر بتایا کہ پاشا نے ست نفیسہ کو اس شرط پر رہا کرنے کا حکم دیا ہے کہ وہ رہائی کے بعد اپنے مکان میں نہ جائے بلکہ کچھ دنوں تک شیخ السادات کے مکان میں مقیم رہے تاکہ باغی ممالیک سردار اس سے ملاقات نہ کرسکیں۔

شیخ السادات اور دوسرے علماء نے نفیسہ کو شیخ حسینی کی حویلی سے اپنے ہمراہ لیا اور نفیسہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر قلعہ کے دروازے کی طرف روانہ ہوئی۔ باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے ست نفیسہ کو آتے دیکھا تو خوشی کے نعروں سے آسمان سر پہ اٹھالیا اور گاڑی کو اپنے حلقہ میں لے کر شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ خسرو نے لوگوں کے نعرے سنے تو ان باغیوں کو سزا دینے کا فیصلہ کرلیا۔

محمد علی بڑے اطمینان سے اپنے کمرہ میں بیٹھا رہا۔ نفیسہ گرفتار ہوئی اور رہا بھی ہوگئی مگر محمد علی اپنے کمرہ سے باہر نہ نکلا۔ وہ اپنی فوج کو بھی باہر نکلنے کی ممانعت کرچکا تھا۔ جب اس نے لوگوں کا شور سنا تو دل میں سوچا۔ میری ترکیب کامیاب ہوئی ہے۔ اس شور کا باعث میری ہی نصیحت ہے۔ خسرو کس قدر بیوقوف آدمی ہے۔ میری ذہانت سے مات کھا گیا ہے۔ کل تک عوام خسرو کو قاہرہ کا انصاف پسند بادشاہ سمجھتے تھے لیکن آج میری وجہ سے انہیں معلوم ہوگیا ہے کہ خسرو ایک بددیانت اور ظالم آدمی ہے اور آج قاہرہ کے سب مرد و زن اس کے نام پر لعنت بھیج رہے ہیں یہ سوچ کر محمد علی مسکرایا اور جوں جوں لوگوں کا شور و غل بڑھتا جارہا تھا۔ اس کی مسرت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اس نے پھر سوچا۔ اس وقت خسرو کو مجھ پر بڑا غصہ آرہا ہوگا اور وہ مجھ سے انتقام لینے کی قسمیں بھی کھا رہا ہوگا۔ آج اسے علم ہوچکا ہوگا کہ اس کا گہرا دوست محمد علی بعض باتوں میں قوالہ والے منہ پھٹ لڑکے کی طرح ہے۔ ہاں ! ہاں ! خسرو نے اپنے طرز عمل سے شیر دل گستاخ محمد علی کو لومڑی کا لباس پہنایا اور لومڑی پر مہربانیاں کرکے اسے اپنا وفادار غلام سمجھا اور یہ بھول گیا کہ ایک دن یہ لومڑی اپنا لباس اتار کر اسے کھانے کے لئے خونخوار شیر بھی بن سکتی ہے۔ خیر اب یہ ہفتہ بھی ختم ہو رہا ہے۔ بس اب حسب وعدہ بردیسی کو جواب دوں گا اور میرے جواب

سے خسرو کا جسم اسی قلعہ میں جس میں وہ موجود ہے کانپ کانپ جائے گا۔

محمد علی اپنے خیال میں گم تھا کہ اچانک پہلے سے زیادہ شور وغل کی آواز آئی۔ اس میں عورتوں یا بچوں کی آوازیں شامل نہ تھیں۔ یہ شور سن کر محمد علی نے فوراً اپنا دروازہ بند کر لیا تاکہ کوئی اسے وقت سے پہلے باہر نکلنے کے لئے نہ کہے۔ پھر اس نے اپنے غلام کو بھیجا کہ اس ہنگامہ کی وجہ معلوم کر آئے۔ غلام چلا گیا اور محمد علی اس کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ شور ہولے ہولے قریب آتا گیا اور آوازیں بلند ہوئیں۔ "لے کے رہیں گے اپنی تنخواہ، دینی پڑے گی ہماری تنخواہ، ہمارا روزینہ لاؤ۔"

محمد علی نے سوچا۔ یہ شاید طاہر پاشا کا لشکر ہے۔ طاہر بڑا لالچی انسان ہے۔ اپنی فوج کے ساتھ قلعہ پر قابض ہونے کے لئے جا رہا ہے تاکہ خسرو کو قلعہ سے نکال کر خود مسند نشین ہو جائے۔ خیر میں طاہر کے اس قصہ سے لاتعلق رہوں گا۔ کیونکہ اس قصہ کا نتیجہ بھی میرے لئے بڑا کارآمد ثابت ہوگا۔ ست نفیسہ نے میرے لئے راہ پیدا کی ہے۔ اب طاہر پاشا میری راہ کے گرد وغبار کو صاف کر رہا ہے۔ مجھے اس وقت صرف صبر کرنا چاہیئے۔ اسی اثناء میں غلام نے لوٹ کر بتایا کہ طاہر پاشا کے لشکر نے بغاوت کر دی ہے۔ پہلے لشکر اپنی تنخواہ وصول کرنے قلعہ میں گیا تھا۔ پاشا نے اسے میر منشی کی طرف بھیج دیا۔ لشکر میر منشی کے مکان پر پہنچا تو میر منشی گھر میں چھپ گیا۔ سپاہی زبردستی اس کے مکان میں داخل ہوئے تو میر منشی نے اپنے بچاؤ کی خاطر کہا کہ محمد علی کو فوج کی تنخواہ ادا کرنے کے لئے خزانہ سے دس توڑے دیئے گئے ہیں۔ اس لئے فوج محمد علی کے پاس جائے اور اپنی تنخواہ وصول کرے۔ یہ سن کر سپاہی شور مچاتے، دھمکیاں دیتے ہوئے چلے آرہے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے ہیں کہ ہم اپنی تنخواہ لئے بغیر نہ مانیں گے۔ وہ اس حیل و حجت سے تنگ آکر کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔ غلام نے اپنی بات ختم نہ کی تھی کہ محمد علی نے سنا۔ "ہم خیرات مانگنے نہیں آئے۔ ہم اپنی تنخواہ کا مطالبہ کرنے آئے ہیں۔ محمد علی! ہماری تنخواہ ادا کرو۔ میر منشی نے بتا دیا ہے کہ محمد علی مال لے گیا ہے۔" یہ سن کر محمد علی اٹھا۔ دروازہ کھول کر سپاہیوں کے سامنے آیا اور بلند آواز سے بولا:

"مجھے ایک عرصہ بعد دس تھیلیاں ملی تھیں۔ حالانکہ میری تنخواہ اس سے کہیں زیادہ باقی رہ گئی ہے۔ خیر میرے سپاہی بتا سکتے ہیں ــــ کہ میں نے اس مال کو کس طرح خرچ کیا ہے۔ میں نے اس مال کو اس طرح خرچ کیا ہے جس طرح ایسے وقت میں ایک ذمہ دار افسر کرتا ہے میں نے اس مال کے دو حصے کئے تھے۔ ایک حصہ اپنی ضروریات اور قرض خواہوں کے لئے رکھ لیا تھا۔ دوسرے حصہ کی پانچ تھیلیاں اپنے سپاہیوں میں بانٹ دی تھیں۔ یہ مال سپاہیوں کی تنخواہ میں وضع نہیں ہوگا۔ یہ میری طرف سے میرے سپاہیوں کو بطور انعام دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ ایک حبہ بھی میرے حصہ میں نہیں آیا۔ میرے سپاہی اس کے گواہ ہیں تمہیں ان سے میری سچائی کا ثبوت مل جائے گا۔"

"ہمیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ بہادر محمد علی راست گو انسان ہے۔ خدا اسے ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔" ایک سپاہی نے کہا اور پھر سب سپاہیوں نے اس کے الفاظ دہرائے۔ کچھ دیر تک اسی قسم کی آوازیں ابھرتی رہیں۔ پھر ایک سپاہی نے باآواز بلند کہا کہ آؤ ہم سب میر منشی کے گھر پر چلیں اور طاقت استعمال کرکے اس سے اپنی تنخواہ وصول کریں۔ فوراً ہی سب لوگ میر منشی کے گھر کی طرف چل پڑے۔ محمد علی خوش و خرم اپنے گھر لوٹ آیا۔ اس نے سوچا۔ بغاوت کا طوفان تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا ہے اور مجھے جس ساحل پر پہنچنا ہے اس پر پہنچنے کے لئے کشتی تیار کھڑی ہے۔ اب کشتی میں بیٹھ کر پتوار چلانے کی ضرورت ہے۔ میں جلد ہی پتوار اپنے ہاتھوں میں لے لوں گا۔ یہ سوچ کر محمد علی اپنے ماتحت افسروں کو طلب کرکے بولا۔

"میں حکم دیتا ہوں کہ اگلے تین گھنٹے تک ہر افسر اپنی جگہ پر موجود رہے اور اپنے سپاہیوں کو نہ تو کیمپ سے باہر نکلنے کی اجازت دے اور نہ ہی باغیوں کے ساتھ مل جانے کا موقع دے۔ اگر تین گھنٹہ کے بعد کوئی دوسرا حکم نہ بھیجوں تو سپاہیوں کو اختیار حاصل ہوگا کہ اپنی بارکوں سے باہر آکر جو کرنا چاہیں پوری آزادی سے کریں۔ باغیوں نے لوٹ کر میر منشی کے مکان کو گھیر لیا اور مال طلب کرنے لگے۔ میر منشی باغیوں کی آمد سے قبل ہی اپنا ایک آدمی پاشا کے پاس بھیج کر مدد کی درخواست کر چکا تھا۔ پاشا نے میر منشی

کا پیغام سن کر سوچا کہ آج کا دن بڑا منحوس ثابت ہو رہا ہے۔ ابھی ست نفیسہ کے معاملہ سے نجات نہ ملی تھی کہ فوج باغی ہو گئی۔ پاشا نے فیصلہ کیا کہ باغیوں کے سر قلم کر کے اپنی بہادری کا ثبوت دے اور اس نے اپنے سپاہیوں کو مسلح ہو کر قلعہ کی دیواروں پر کھڑا ہونے کا حکم دیا اور توپیں بھی نصب کرا دیں۔ پھر قاصد کے ہاتھ میر منشی کو کہلا بھیجا کہ باغیوں کو میری طرف بھیج دے۔ قاصد میر منشی کے پاس پہنچا تو باغی باغ کی دیواروں پر چڑھ رہے تھے۔ میر منشی نے قاصد کو آگے کر کے باغیوں کو بتایا کہ پاشا نے فوج کو اپنے پاس بلایا ہے تاکہ تنخواہیں ادا کر دے۔ سپاہی میر منشی کی بات کو سچ سمجھ کر فوراً قلعہ کی طرف چل پڑے۔ وہ قلعہ کے سامنے آئے تو دروازے بند دیکھ کر دربانوں سے بولے کہ دروازے کھول دیئے جائیں کیونکہ وہ پاشا کے حکم سے آئے ہیں۔ اس کے جواب میں قلعہ کی دیواروں سے بندوقیں سر ہوئیں اور توپوں نے گولے اگلنے شروع کر دیئے۔ سپاہیوں نے چلا کر ایک دوسرے کو بتا دیا کہ انہیں دھوکہ دیا گیا ہے اور پھر وہ تلواریں میانوں سے نکالتے ہوئے سنگین چڑھا کر قلعہ کے دروازے پر حملہ آور ہوئے۔ ابھی خسرو پاشا کے سپاہی اور طاہر کی فوج میں میدان کارزار گرم تھا کہ محمد علی کے سپاہیوں پر بھی کوئی بندش نہ رہی۔ محمد علی کا مقرر کیا ہوا وقت گزر چکا تھا اور تین گھنٹوں کے بعد اس کے سپاہی بھی بھوکے بھیڑیوں کی طرح اپنے ساتھیوں کی مدد کے لئے قلعہ والوں کو قتل کرنے کے ارادے سے دوڑے۔ طاہر پاشا اور محمد علی کے سپاہیوں نے متحد ہو کر قلعہ والوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ طرفین کے سینکڑوں افراد موت کا نوالہ بن گئے۔ طاہر پاشا اور محمد علی کو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے پورے واقعات کی خبریں مل رہی تھیں۔ بیوقوف طاہر پاشا نے گھر سے باہر نکلنے کی غلطی کی اور قلعہ کے سامنے آ کر خسرو کو پیغام بھیجا کہ وہ خسرو سے ملاقات کر کے اس بغاوت کی آگ بجھانا چاہتا ہے۔ خسرو نے طاہر کو کہلا بھیجا کہ وہ باغیوں سے صلح کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ طاہر اپنے گھر چلا جائے۔ وہ کسی کی مدد کے بغیر ہی باغیوں کا سر کچلنے کی طاقت رکھتا ہے۔

طاہر پاشا نے خسرو کا جواب سن کر اپنے سپاہیوں کو بتایا کہ وہ خسرو کے پاس سے

آرہا ہے۔ خسرو جنگ پر آمادہ ہے۔ اس نے فوج کی تنخواہ ادا کرنے سے قطعاً انکار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اکیلا میر منشی ہی وہ شخص ہے جو فوج کی تنخواہ ادا کرنے پر قادر ہے پھر طاہر نے فوج کو بھڑکایا تاکہ سب لوگ میر منشی کے گھر چل کر زبردستی اپنی تنخواہ وصول کریں۔ سپاہی غصہ سے دیوانہ ہو کر میر منشی کے گھر کی طرف دوڑے اور وہاں پہنچ کر پورے گھر کے در و دیوار کو ڈھانے لگے۔ میر منشی اس قدر خوفزدہ ہوا کہ کانپنے لگا۔ وہ سپاہیوں کے سامنے آکر بولا:

"میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ میرے حال پر رحم کرو۔ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ یہ میرے رجسٹر رکھے ہیں۔ انہیں دیکھنے کے بعد تمہیں میری راست گفتاری کا یقین ہو جائے گا۔"

"اچھا! ہم تجھے اور تیرے رجسٹروں کو اپنے افسر کے پاس لے جاتے ہیں۔ وہ رجسٹر دیکھ کر جو فیصلہ کرے گا ہمیں منظور ہوگا۔" سپاہیوں نے کہا اور میر منشی اور اس کے گھر سے جس قدر رجسٹر اور دوسرے کاغذات ملے اپنے ہمراہ لے کر طاہر پاشا کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ لوگ محمد علی کے گھر کے سامنے سے گزرے تو محمد علی انہیں دیکھ کر مسکرایا اور اپنے دل سے مخاطب ہوا۔ بغاوت جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی ہے۔ اب اس پر قابو پانا ناممکن ہے۔ طاہر پاشا نے باغیوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ اب مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

باغی سپاہیوں نے قلعہ کو گھیر کر کشت و خون شروع کر دیا۔ رات بھر خسرو پاشا کے سپاہیوں اور باغیوں میں جنگ جاری رہی۔ محمد علی اپنے گھر سے باہر نہ نکلا۔ طاہر پاشا نے پوری رات رجسٹروں کی جانچ پڑتال کی اور صبح باہر آکر سپاہیوں کو بتایا کہ منشی بے گناہ ہے۔ سارا قصور خسرو پاشا کا ہے جس نے سپاہیوں کی تنخواہ کا وہ روپیہ جو دارالسلطنت سے ملا تھا اور یہاں سے وصول ہوا تھا ہضم کر رکھا ہے۔ اب روپیہ خسرو پاشا کے خزانے سے مل سکتا ہے۔ اگر فوج روپے حاصل کرنا چاہے ہے . . . .
تو میں اس کی رہنمائی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ سپاہیوں نے طاہر پاشا کے ارادوں

سے واقف ہو کر بڑی خوشی کا اظہار کیا اور بعض سپاہی جوش سے بے تاب ہو کر اپنے ساتھیوں کی مدد سے قلعہ کی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ محافظوں کی تعداد کم تھی۔ اس لئے سپاہیوں نے ان سب کو قتل کر کے فوراً قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنے ہمراہیوں کو اندر آنے کی دعوت دی۔ باغیوں کا سیلاب فتح و نصرت کے نعرے بلند کرتا ہوا قلعہ میں گھس آیا۔ دروازے سے چند قدم آگے خسرو پاشا کا خزانچی فوج لے کر مقابلہ کے لئے آیا۔ طاہر پاشا نے جب اسے ڈانٹ کر ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا تو وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے سپاہیوں نے اس کی پیروی کی۔ خسرو پاشا اس صورت سے بے خبر اپنے کمرہ میں ٹہلتا ہوا اپنے خزانچی کی کامیابی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کا جسم کانپا کیونکہ باغیوں کے نعرے اس کے قصر کے نیچے بلند ہو رہے تھے اور غلام خزانچی کے ہتھیار ڈالنے کی اطلاع دے رہا تھا۔ خسرو نے غلام کی وساطت سے اپنے خاص سپاہیوں کو باغیوں پر گولہ باری کرنے کا حکم دیا پھر غلام کو محمد علی کے پاس بھیجا کہ اپنی فوج لے کر آئے اور اس کی مدد کرے۔

محمد علی کے غلام نے اپنے آقا کی ہدایت کے مطابق کسی قاصد کو بھی اس سے ملنے نہ دیا۔ غلام ہر قاصد سے کہتا کہ میرے آقا شدید بیمار ہیں کسی سے ملاقات نہیں کر سکتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے محمد علی کئی روز قبل مستقبل کے واقعات سے واقف تھا یا پھر غصہ نے اسے سخت بخار میں مبتلا کر رکھا تھا۔ محمد علی دو روز تک بے ہوش رہا۔ ہوش میں آنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ باغیوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ خسرو پاشا کافی دیر تک اس کی مدد کا منتظر رہا۔ پھر مجبوراً اپنے خادموں اور حرم کے ساتھ چور دروازہ سے نکل کر صحرا کی طرف بھاگ گیا۔ اب طاہر پاشا نے اس کی جگہ لے لی ہے اور شہر کے سرکردہ لوگ خلعت پیش کر کے اپنی اطاعت کا اعلان کر چکے ہیں۔ یہ سن کر محمد علی نے فوراً ایک غلام کو بلایا اور دریائے نیل کے کنارے بدرشین کے قریب مقیم ممالیک کے پاس بھیجا تاکہ عثمان بک بردیسی کے سامنے پیش ہو کر اسے کہے کہ کام کرنے کا وقت آ پہنچا ہے۔ پندرہ روز قبل جو شخص جنیرہ کے بڑے اہرام کے قریب

ملا تھا۔ اب پھر اسی مقام پر اُس سے ملاقات کرنے کا متمنی ہے اور اپنے لشکر کے ہمراہ آ رہا ہے۔

غلام کی روانگی کے فوراً بعد طاہر پاشا کے قاصد نے محمد علی کو اطلاع دی کہ اُسے طاہر پاشا نے اسی وقت قلعہ میں بلایا ہے۔ محمد علی اپنے آٹھ سپاہی لے کر قلعہ کی طرف چل پڑا۔ اس نے قصر میں داخل ہو کر دیکھا کہ طاہر پاشا کے ہاتھ میں خسرو پاشا کا پائپ ہے اور وہ خسرو پاشا کی ریشمی مسند پر تکیہ لگائے لمبے کش لگا رہا ہے۔ طاہر نے محمد علی کو دیکھا تو بیٹھنے کا اشارہ کر کے کہا۔

"محمد علی! دیکھو یہ جرأت کا کرشمہ ہے کہ میں آج خسرو پاشا کی جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں۔"

"میری دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔ میری دعا ہے کہ خدا آپ کی عزت میں مزید اضافہ کرے۔"

"خوش قسمتی کا جواں ہمتی سے گہرا تعلق ہے۔ اگر تم میری طرح جرأت کرتے تو آج تم میرے بجائے اس جگہ پر بیٹھتے کیونکہ میرے مقابلہ میں تم اس عزت افزائی کے زیادہ مستحق تھے۔"

"عزت خدا کی دین ہے جسے چاہے دے۔ میں آپ کی ذرہ نوازی کا ممنون ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں حکمرانی کے قابل نہیں ہوں۔"

"خیر میں تو اپنے آپ کو حکمرانی کے قابل سمجھتا ہوں۔ ہاں پورا قاہرہ میری سرداری کو تسلیم کر چکا ہے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟" طاہر نے مسکرا کر کہا۔

"میں اپنی اطاعت کا اقرار کرتا ہوں۔ آج سے آپ میرے سردار ہیں۔"

"دوست! میں تمہارا ممنون ہوں۔ تم مجھے اجازت دو کہ میں اسی وقت ممالیک کے سردار کو پیغام بھیجوں کہ ہم صلح کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ممالیک سے صلح ہو جائے کیونکہ ممالیک سے صلح کرنے کے بعد ہمارے اقتدار کو کوئی خطرہ درپیش نہ ہوگا اور ہم تھوڑی سی کوشش کے بعد ترکوں کی بالادستی سے رہا ہو جائیں گے۔"

محمد علی نے طاہر پاشا کی اس رائے سے اتفاق ظاہر کیا اور اس کے حکم سے ممالیک کو صلح کا پیغام پہنچانے کے لئے باہر کی طرف چل پڑا۔ وہ دروازے سے باہر نکل کر مسکرایا۔ پھر اپنے دل سے مخاطب ہو کر بولا کہ طاہر پاشا ایک بیوقوف آدمی ہے۔ اسے علم نہیں کہ اس کا پیغام پہنچانے سے میری پوری سکیم ناکام ہو جائے گی۔ بھلا میں خود اپنے پاؤں پر کیسے کلہاڑا چلا سکتا ہوں۔ وہ خود تو خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ قلعہ کی دیوار پر چڑھنے سے یہ سمجھ

بیٹھا ہے کہ تحت کے قابل ہوگیا ہے۔ حالانکہ اب تک منزل کی راہ سے کوسوں دور ہے۔

"تین روز کی مسافت طے کر کے محمد علی کے قاصد نے عثمان بک بردیسی کو اپنے آقا کا پیغام دے دیا۔ جسے سن کر عثمان نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور تین روز بعد ممالیک نے جنیرہ پہنچ کر دریائے نیل کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ چوتھے روز عثمان نے محمد علی کو چند سپاہیوں کے ہمراہ اپنے لشکر کی طرف بڑھتے دیکھا اور شیخ عثمان کو اپنے ہمراہ لے کر اس کا استقبال کیا۔ محمد علی نے عثمان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ہم دونوں گذشتہ زمانہ کو یاد کرتے ہیں۔ میں اس نام کو اب تک نہیں بھول سکا۔ جس کو یاد رکھنے کی تم نے قوالہ میں تاکید کی تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ جن دو لڑکوں کے درمیان قوالہ میں سخت گفتگو ہوئی تھی۔ اب سچے دوستوں کی طرح متحد ہیں۔ میں اس کی تصدیق کے لئے اپنا ہاتھ بڑھاتا ہوں اور تمہارے اپنے لشکر میں داخل ہونے پر آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔"

محمد علی نے اپنا ہاتھ بڑھا کر دوستی کا عہد مضبوط کیا اور اس کو بتایا کہ اس کے پیچھے اس کا لشکر بھی آرہا ہے۔ پھر دونوں نئے نائب طاہر پاشا اور قاہرہ کی تازہ صورت حال پر گفتگو کرتے رہے۔ محمد علی نے امید ظاہر کی کہ وہ شاید طاہر پاشا کی فوج کو بھی اپنی مدد پر آمادہ کر سکے۔ گو اس کے لئے قدرے انتظار کی ضرورت ہے۔ اسی اثناء میں پڑاؤ آگیا اور ممالیک محمد علی کو اپنے گھیرے میں لے کر مسرت کا اظہار کرتے رہے اور مبارک سلامت کے نعرے بلند کرتے میں مصروف رہے۔

قاہرہ میں باغی پھیلے ہوئے تھے اور طاہر پاشا انہیں قابو میں لانے سے قاصر تھا۔ وحشی سپاہی نئے نائب سے اپنی تنخواہ طلب کرتے تھے اور پہلے کے مقابلہ میں زیادہ تشدد کرتے تھے۔ خزانہ بالکل خالی تھا کیونکہ خسرو پاشا خزانہ کا آخری سکہ بھی اپنے ہمراہ لے جا چکا تھا۔ طاہر پاشا نے پوری کوشش کی کہ کسی طرح سپاہیوں کو مطمئن کر سکے لیکن ناکام رہا۔ مجبوراً اس نے بڑے بڑے مالدار لوگوں اور ساہوکاروں سے روپیہ قرض مانگا کہ سپاہیوں کی تنخواہ ادا کر سکے لیکن کسی شخص نے حامی نہ بھری۔ طاہر پاشا نے بعض لوگوں کو کوڑوں سے قتل کروایا تو بعض کو بندوق کا نشانہ بنا دیا۔ سپاہیوں نے تھک کر اپنے دو افسروں موسیٰ آغا اور اسماعیل آغا

کو طاہر کے پاس بھیجا کہ آخری بار تنخواہوں کا مطالبہ کر آئیں۔ طاہر پاشا نے اپنے قصر میں بلوا کر موسیٰ اور اسماعیل سے سخت کلامی کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ وہ سپاہیوں کی دھمکیوں سے متاثر نہ ہوگا۔ وہ نہ تو ان کی تنخواہ ادا کر سکتا ہے اور نہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ اب کوئی باغی اس کے سامنے اس قسم کی درخواست لے کر آیا تو وہ اس کا سر کاٹ کر اس کے سپرد کر دے گا۔

"اگر تمہارا یہی آخری فیصلہ ہے اور تم یہی دے سکتے ہو تو تمہیں بھی اس کی ضرورت ہے۔ ہم تمہارے فیصلہ کے مطابق تمہارے ساتھ وہی سلوک کرتے ہیں جو تم ہمارے ساتھ کرنا چاہتے ہو۔ لو اب ہوشیار ہو جاؤ۔" اسماعیل آغا نے کہا اور دونوں نے یکبارگی طاہر پاشا پر حملہ کر کے اس کا سر کاٹ لیا۔ پھر دونوں سر کو لے کر فوج کے سامنے آ گئے۔ سپاہیوں نے خوشی کے نعروں میں اپنے افسروں کا استقبال کیا اور پوری قوت سے قصر پر حملہ کر دیا۔ طاہر پاشا کے خاص سپاہیوں نے باغیوں کو روکنے کی کوشش کی مگر شکست کھا کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سپاہیوں نے قصر میں داخل ہو کر خوب لوٹ مار مچائی۔ ابھی طاہر پاشا کو برسر اقتدار آئے پورے بیس دن بھی نہ ہوئے تھے کہ موت نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ یہ خبر سن کر محمد علی نے عثمان بک سے کہا کہ وہ پہلے کہہ چکا تھا کہ ذرے انتظار کی ضرورت ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب قاہرہ پہنچنے کا یہی مناسب موقع ہے۔

فوج نے محمد علی کی زبانی قاہرہ کا نام سنا تو فوراً روانگی پر آمادہ ہو گئی۔ عثمان بک اور محمد علی آگے آگے چل رہے تھے اور ان کے پیچھے پوری فوج قاہرہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ محمد علی نے شیخ عنان کے خچر کو دیکھتے ہی شیخ سے مخاطب ہو کر کہا۔

اس خچر پر جو دوشیزہ سوار ہوا کرتی تھی وہ ان دنوں کہاں ہے؟"

"خیمے میں میری واپسی کی منتظر ہے۔" شیخ عنان نے جواب دیا۔

"معلوم ہوتا ہے اس کی ملاقات اب تک کسی ایسے آدمی سے نہیں ہوئی جو اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتا اور اپنی بیوی بنا لیتا۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میری بیٹی کے لئے کئی پیغام آئے تھے۔ اکثر نوجوان خوبصورت تھے اور وہ دولت مند بھی لیکن وہ اس لئے میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے تھے کہ اس کی

دولت پر قبضہ کریں جو میں نے دمنہور کی جنگ سے اپنی بیٹی کے لئے اکٹھی کی تھی۔ میری بیٹی نے سب کو ناپسند کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ جس نوجوان سے سچی محبت کرتی ہے اس سے شادی کرے گی اور شادی سے قبل اس کا نام کسی کو بھی نہ بتلائے گی۔"

"شیخ! مجھے تمہاری گفتگو سن کر خوشی ہوئی ہے۔ تم واپس جاکر اسے ملو تو میرا اسلام کہہ دینا اور اسے یہ بھی بتانا کہ وہ جس کا انتظار کر رہی ہے وہ جلد ہی اس کے پاس آئے گا اور اسے اپنی بیوی بنا کر پیار کرے گا۔ اسے میرا پیغام دے دینا کہ خدا کے فضل و کرم سے مایوس نہ ہو جائے۔ مسافر جلد ہی اس کے پاس پہنچے گا اور ہاں دیکھو اسے میرا اسلام کہنا نہ بھول جانا۔" یہ کہہ کر محمد علی شیخ کو رخصت کر کے ممالیک سرداروں کی معیت میں قاہرہ پہنچ گیا۔ قاہرہ کے شہری استقبال کی غرض سے آئے تو محمد علی کو فوج کے آگے دیکھ کر خوشی کے نعرے لگانے لگے اور اس کا خیر مقدم کر کے امن و امان قائم رکھنے کی درخواست کی۔ محمد علی نے مسکرا کر ان کو تسلی دی۔ پھر اپنی ارمنی سپاہ کے افسروں سے مشورہ کیا اور ممالیک کو قلعہ میں بھیج کر وہیں قیام کرنے کا حکم دیا۔ ممالیک قلعہ میں داخل ہو کر اپنے محسن محمد علی کے گن گانے لگے۔ محمد علی اپنے مکان میں پہنچ کر اپنے خاص کمرے میں گیا اور قلعہ کی طرف منہ کر کے مخاطب ہوا۔ اے ممالیک! میں تمہیں اپنا مہمان سمجھتا ہوں۔ حالانکہ تم خود کو مصر کے حاکم سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہو چکے ہو۔ یاد رکھو میں تمہیں بھی اپنے ملک سے اسی طرح جلا وطن کر دوں گا جس طرح تم سے پہلے نائب خسرو پاشا کو کر چکا ہوں ابھی اس کا مناسب موقع نہیں آیا لیکن جلد ہی آ رہا ہے۔

(۴۱)

خسرو پاشا کی گرفتاری

•

ممالیک کو ایک بار پھر شہر قاہرہ میں واپس آنے کا موقع ملا اور وہ قاہرہ کے حاکم بن گئے۔ شہر میں امن وامان کا دور دورہ ہوا اور شہریوں کو یقین ہوگیا کہ یہ سب کچھ محمد علی کی بدولت ہوا ہے۔ محمد علی شہر کے گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومتا رہتا اور خود سپاہیوں پر کڑی نظر رکھتا۔ ممالیک نے اسماعیل بک کو اپنا سردار منتخب کر کے قصر میں قیام کی جگہ دی تھی۔ عثمان بک بردیسی اور محمد علی اس کے صلاح کار امصاحب مقرر ہوئے تھے۔ البانوی اور ارمنی سپاہیوں کو اپنے سردار محمد علی سے بڑی محبت تھی اور وہ اس کے اشاروں پر کٹ مرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ خسرو پاشا نے مصر میں گشت لگا کر اپنے حامیوں کی ایک بڑی تعداد پیدا کر لی تھی اور ان کو اپنے ہمراہ لے کر دمیاط کے قلعہ میں مقیم ہوگیا تھا۔ پھر اس نے طاہر پاشا کے قتل کی خبر سنی تو اپنی گذشتہ شان وشوکت حاصل کرنے کے لئے اپنے ساتھیوں کی معیت میں قاہرہ کی طرف پیش قدمی کی۔ محمد علی کو یہ خبر ملی تو اس نے بردیسی اور اسماعیل بک کے مشورے سے خسرو کو روکنے کا پروگرام بنایا اور سب سے پہلے حسن بک کو ایک دستہ فوج کے ساتھ خسرو کی طرف روانہ کیا۔ پھر ارمنی، البانوی، مملوکی ترکی اور بدوی فوج روانہ ہوئی۔ خسرو نے اچانک فرسکور کے مقام پر حسن بک کی فوج اور ذخیرہ پر چھاپہ مارا۔ وہ دمیاط میں آکر اپنی حفاظت کی تدابیر اختیار کرنے لگا۔ شہر میں داخل ہونے کے لئے جس پل سے گزرنا پڑتا تھا۔ خسرو نے اس پر دو بڑی توپیں نصب کرادیں اور سامان جنگ اور رسد کا ذخیرہ مہیا کر کے دشمن کی راہ دیکھنے لگا۔ محمد علی اور عثمان بردیسی کی سیاہ سیلاب کی طرح بڑھتی ہوئی دمیاط کے سامنے پہنچی۔ محمد علی نے پل پر بڑی بڑی توپیں نصب دیکھیں تو دوسروں سے مشورہ کیا کہ دریا پار کس طرح کیا

جائے۔ اس کا خیال تھا کہ کسی نہ کسی مقام پر دریا ضرور پایاب ہوگا۔ اگر کوئی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر شہر میں داخل ہو جائے تو شہریوں سے ایسے مقام کا پتہ چل سکتا ہے۔ ست نفیسہ کے داروغہ یوسف نے خود کو خطرہ میں ڈال کر دمیاط جانے کا فیصلہ کر لیا اور اپنے کپڑے اور ہتھیار اتار کر کسانوں کی پوشاک پہن لی اور پھل کا ایک ٹوکرا سر پر رکھ کر صبح سویرے دمیاط کی طرف روانہ ہو گیا۔ راہ میں کسی نے روک ٹوک نہ کی۔ حتیٰ کہ وہ پھل پھل کی صدا لگاتا ہوا شہر میں داخل ہوا اور سڑک کے کنارے بیٹھ کر اطمینان سے پھل فروخت کرنے میں مصروف ہو گیا اور بظاہر اپنے کام کے سوا ہر شے سے لاتعلق ہو گیا۔ کچھ آدمیوں نے اس پھل فروش سے ممالیک کے لشکر کا تذکرہ کیا تو اس نے خسرو پاشا کی بڑی تعریف کی اور دعا کی کہ خسرو کو کامیابی نصیب ہو۔ اُس کی گفتگو سن کر لوگ مطمئن ہو گئے اور کچھ آدمی اس کے قریب کھڑے ہو کر جنگ کی باتیں کرنے لگے۔ بعض لوگوں کی خواہش تھی کہ جنگ طول نہ کھینچے۔ ایک صاحب بولے:

"میں ڈرتا ہوں کہ دشمنوں نے دریا عبور کر کے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم شکست کھا جائیں گے۔ گو پل کا عبور کرنا تقریباً ناممکن ہے مگر دریا کی فلاں فلاں جگہ پایاب ہے۔ خصوصاً اس موسم میں تو ان جگہوں سے بآسانی دریا کو عبور کیا جا سکتا ہے۔"

یوسف نے بڑی توجہ سے ان باتوں کو سنا لیکن اپنے چہرے سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔ وہ تمام دن اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ شام گہری ہوئی تو فوراً اُس طرف روانہ ہوا جس کا ذکر دن میں سن چکا تھا۔ اس نے پھل کے ٹوکرے کو پانی کی نظر کر کے دریا میں قدم رکھا اور پار نکل آیا۔ محمد علی اور عثمان بردیسی نے کل واقعہ سنا تو بردیسی نے خوش ہو کر اسے اپنے خاص حفاظتی دستہ کے سو ممالیک کا سردار مقرر کیا اور بک کے خطاب سے بھی نوازا۔ یوسف نے بردیسی کا شکریہ ادا کر کے سوچا کہ میں بڑا خوش قسمت انسان ہوں۔ جب میری سیدہ ست نفیسہ کو یہ خبر ملے گی تو وہ بڑی خوش ہوگی اور مجھے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت بھی بخش دے گی۔

دوسرے دن یوسف بک کی رہنمائی میں ممالیک لشکر دریا کے پایاب حصہ سے

پار اُتر گیا۔ محمد علی نے یوسف بک کا شکریہ ادا کر کے سوچا کہ اب خسرو پاشا کی تباہی میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا۔ پھر محمد علی نے اپنے چند البانوی سپاہیوں کو حکم دیا کہ دریا کے پل پر نصب کردہ توپوں کا رخ شہر کی طرف کر دیں۔ اس کے سپاہیوں نے دشمن کے پاسبانوں کو قتل کر کے توپوں کا رخ شہر کی طرف کر کے گولے پھینکنے شروع کر دیئے۔ فوراً ہی پوری فوج شہر پر حملہ آور ہوئی اور گھمسان کی جنگ کے بعد محمد علی نے مکمل فتح حاصل کر لی۔ جنگ کے دوران میں محمد علی اور بردیسی نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ اتفاقاً بردیسی دشمن کے ایک دستہ سے مصروف پیکار ہوا تو اس دستہ کے مقدمہ میں خسرو پاشا بھی شامل تھا۔ خسرو پاشا پوری دلجمعی سے لڑ رہا تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ دشمن پر فتح پائے گا یا لڑتے لڑتے مر جائے گا۔ اتفاقاً کسی نے اس کے گھوڑے کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ گھوڑا گرا تو خسرو فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے ہمراہیوں کو پکار کر اپنے ساتھ قلعہ میں چلنے کی تلقین کی۔ بردیسی نے یہ سنا تو سامنے آ کر کہا۔ خسرو! تمہیں ارادہ میں ناکامی ہوگی اور اپنی تلوار بلند کر کے چاہا کہ خسرو کا سر کاٹ دے کہ ایک مضبوط ہاتھ نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ یہ محمد علی تھا جو کہہ رہا تھا۔

"بردیسی! براہ کرم یہ قیدی مجھے عنایت کر دو۔"

بردیسی نے حیران ہو کر محمد علی کی طرف دیکھا۔ پھر فوراً ہی اپنے دوست کے چہرے کا جائزہ لے کر اندازہ کر لیا کہ وہ اس قیدی کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ عثمان بردیسی مسکرا کر بولا:

"محمد علی! میں یہ قیدی تمہیں دیتا ہوں۔ لو سنبھالو۔"

محمد علی نے آگے بڑھ کر خسرو کے ہاتھ سے تلوار لی اور دور پھینک کر اسے کندھے سے پکڑ کر کہا۔

"خسرو! تم آج سے میری قید میں ہو۔" خسرو نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی گرفتاری سے جنگ ختم ہو گئی۔ محمد علی نے خسرو کو ایک تنگ و تاریک مکان میں بند کر کے نگرانی کے لیے چند سپاہی مقرر کر دیئے۔ پھر اپنے سپاہیوں کے پاس آ کر ان کی ضرورت کے سلسلہ میں ہدایات جاری کیں اور پھر دوبارہ اپنے قیدی کے پاس پہنچا۔ خسرو نے اسے دیکھ کر ایک سرد آہ بھری۔ محمد علی کچھ دیر تک اس کے سامنے کھڑا ہوا حقارت سے قہقہے بلند کرتا رہا۔ خسرو کو محمد علی کے قہقہوں کی ضربیں اپنے دل پر محسوس ہوئیں۔ محمد علی بولا:

خسرو! تو نے اب تک میرے چہرے پر نقاب ڈال کر اسے چھپایا ہوا تھا لیکن آج میں نے اس نقاب کو نوچ کر الگ پھینک دیا ہے۔ اب تو بآسانی میرے اصلی خدوخال کو دیکھ سکتا ہے۔"

"میری نظروں کے سامنے وہ محمد علی ہے جسے میں نے اپنی مہربانی سے ایک پلٹن کا سردار بنایا تھا۔ اب وہ اپنے چہرے کو شرم کی نقاب سے آزاد کر کے بغض و حسد کا مجسمہ بن گیا ہے۔"

"میں بغض و حسد کا مجسمہ نہیں ہوں۔ میں انتقام کی چلتی پھرتی تصویر ہوں۔ میں گذشتہ تیرہ برس سے اس وقت کا منتظر تھا۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ مجھے پوری دنیا کی حکمرانی دے کر بھی انتقام کے خیال سے باز رکھا جا سکتا ہے۔"

"نہیں، مجھے علم ہے کہ تم پوری دنیا لے کر بھی انتقام لینے کے خیال سے باز نہیں آ سکتے اور ہاں میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اس لونڈی کو ایک نظر دیکھنے کے لئے جسے میں تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کر چکا ہوں۔ تیرہ برس کے طویل انتظار، مکر و فریب، آج کی کامیابی اور بے پناہ مسرت کو بیچنے کے لئے بھی تیار ہو لیکن اب وہ تمہیں نہیں مل سکتی۔ محمد علی! در اصل تمہیں فتح حاصل نہیں ہوئی بلکہ میں فتحیاب ہوا ہوں۔ مجھے تمہاری باتوں سے بڑی مسرت حاصل ہوئی ہے۔ مجھے علم ہو گیا ہے کہ میں نے تمہارے سینہ پر جو گھاؤ چھوڑا تھا۔ وہ آج بھی تازہ ہے۔ اس گھاؤ کے کیڑے آج بھی تمہارے گوشت کو کھا رہے ہیں۔ اب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ تم بغض و حسد یا انتقام کی تصویر نہیں بلکہ بدقسمتی و ناکامی کا ایک زندہ ثبوت ہو۔ تمہیں خوب یاد ہو گا کہ میرے حکم سے تمہاری محبوبہ جوہرہ کو تمہاری آنکھوں کے سامنے غرق کیا گیا تھا۔ میں تمہاری محبوبہ کا قاتل ہوں۔ اب تم مجھے میرے اس فعل کے بدلہ میں قتل بھی کر ڈالو گے تو میں بڑی خوشی اور مزے سے موت کو سینے سے لگاؤں گا کیونکہ مجھے علم ہے کہ تمہارا گھاؤ اب تک تازہ ہے اور ہمیشہ تازہ رہے گا۔"

یہ سن کر محمد علی نے غصہ سے پیچ و تاب کھا کر خنجر نکال لیا لیکن پھر فوراً خنجر کو میان میں رکھ کر کہا:

"تم اپنی ذلت و خواری سے بچنا چاہتے ہو۔ اس لئے مجھے مشتعل کر رہے ہو تاکہ میں تمہیں قتل کر دوں۔ گو تم قاتل ہو اور تمہاری سزا موت ہے لیکن میں تم سے بخوبی واقف ہوں۔ میں

جانتا ہوں کہ تمہارے لئے قتل نہایت نرم سزا ہے۔ میں تمہیں قتل کر کے تمہارے ساتھ بھلائی نہ کروں گا بلکہ تمہیں ہمیشہ ذلیل کرتا رہوں گا تاکہ تم ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دو۔ تم میرے ساتھ قاہرہ جاؤ گے تاکہ وہاں کے لوگ بھی میرے انتقام کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ہاں تمہارا یہ خیال ہے کہ میرے گھاؤ اب تک تازہ ہیں۔ میں جوہرہ کی محبت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب میرے گھاؤ بھر چکے ہیں۔"

"میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرتا۔ میں تمہارا شریف آقا ہوں۔ تم مجھے جس حال میں بھی رکھو گے میں تمہارا آقا ہی رہوں گا۔" خسرو نے کہا۔

"قاہرہ پہنچ گے تو وہاں کے لوگوں پر خود کو آقا ثابت کرنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھنا کہ وہ لوگ کیسے آقا تسلیم کرتے ہیں۔ اگر قاہرہ کا ایک شہری بھی تمہاری مدد کے لئے نہ اٹھے اور تمہیں مایوسی ہو تو اسے بھی میرا انتقام سمجھنا۔ اگر میں مشتعل ہو کر تمہارا سر کاٹ لوں تو میری انتقام کی قسم پوری نہ ہو گی۔ اے خسرو زندہ رہو اور میرے انتقام کا تماشا دیکھتے رہو۔ میں سالہا سال تک عذاب کے شکنجے میں جکڑا رہا ہوں۔ اب مجھے اس شکنجے سے رہائی مل گئی ہے۔ اب تمہاری باری آئی ہے۔ جب تک ذلت کی زندگی بسر کر سکتے ہو زندہ رہو اور ذلیل و خوار ہو کر قاہرہ چلو۔" محمد علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

محمد علی فتح و کامرانی کے جھنڈے اڑاتا ہوا قاہرہ کی سمت روانہ ہوا۔ دمیاط و رشید کے قلعوں پر ممالیک اور البانیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ترکوں کو شکست فاش نصیب ہوئی تھی اور بچے کھچے ترک راہ فرار اختیار کر کے سکندریہ کے حاکم خورشید پاشا کے پاس چلے گئے تھے۔

فوج قاہرہ میں بڑی شان و شوکت سے داخل ہوئی۔ چار ہزار ممالیک کے آگے عثمان بک بردیسی تھا اور البانوی وارمنی سپاہ کے آگے آگے محمد علی چل رہا تھا۔ محمد علی کے قریب ہی ایک شخص سنہری پوشاک میں ملبوس گدھے پر سوار تھا۔ اس کے زرد چہرے پر غصہ کے جذبات ناچ رہے تھے۔ پیشانی پر لکیریں ابھری ہوئی تھیں اور وہ بار بار اپنے ہونٹوں کو دانتوں سے چبا رہا تھا۔ یہ قاہرہ کا سابق گورنر خسرو پاشا تھا جو اس وقت مجبوری

کی منہ بولتی تصویر بنا ہوا تھا۔ لوگوں نے محمد علی اور اس کے قیدی کو دیکھ کر خوشی کے نعرے بلند کیے تو خسرو دانت پیس کر رہ گیا۔ محمد علی نے اس کی دلی کیفیات کا اندازہ کر کے کہا۔

"میرے پاشا! مجھے اس وقت تمہاری رفاقت سے بڑی خوشی ہو رہی ہے۔ تم نے رات کی سیاہی میں راہ فرار اختیار کی تھی اور تم پر کسی کی نظر نہ پڑی تھی۔ میں اب تمہیں عین دوپہر کے وقت تمہارے ہی قصر میں داخل کروں گا تاکہ تمہیں سب لوگ اچھی طرح دیکھ سکیں لیکن مجھے افسوس ہے اب تمہیں اپنے قصر کی صرف ایک کوٹھڑی میں بند رہنا پڑے گا۔"

"میں تمہاری صورت دیکھنے سے موت کی آغوش میں سمٹ جانے کو پسند کرتا ہوں۔"

"حالانکہ میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ میرے آقا ہیں۔ اب آپ میرے سوا کسی دوسرے کی صورت کبھی نہ دیکھ سکیں گے۔ خیر اب ہم قلعے کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں۔ آپ میرے آقا ہیں۔ اس لئے آگے آگے تشریف لے چلیں۔" محمد علی نے کہا اور اپنے گھوڑے کی باگ کھینچ کر ——— خسرو کے گدھے کو تلوار کی نوک چبھوئی۔ گدھا انتہائی تیز رفتاری سے قلعہ میں داخل ہو گیا۔ سپاہیوں نے یہ حرکت دیکھی تو فلک شگاف قہقہے بلند کیے۔ خسرو نے اس قدر بے عزتی محسوس کی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ محمد علی کے حکم سے سپاہیوں نے اسے گدھے سے اتار کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا اور چند سپاہی پاسبان بن کر کھڑے ہو گئے۔ خسرو کوٹھڑی میں داخل ہوتے ہی زمین پر بیٹھ کر گذشتہ واقعات کو یاد کرنے لگا۔ اس وقت جوہرہ کے قتل کا واقعہ اس کی نظروں کے سامنے آ گیا تھا۔ لشکر قاہرہ کے بازاروں سے گزر رہا تھا اور قاہرہ کے شہری خوشیاں منا رہے تھے۔ مراد بک کی بیوی نفیسہ جو شیخ السادات کے مکان سے اپنے قصر میں لوٹ آئی تھی۔ اپنے زرنگار کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی ہوئی لشکر کو قاہرہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اچانک اس کی نظروں کے سامنے اس کا دلدادہ غریب آ گیا جو اپنے سپاہیوں کی معیت میں چلا آ رہا تھا۔ نفیسہ کے سوئے ہوئے جذبات جاگ اٹھے۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور کھڑکی سے ہٹ کر مسند پر بیٹھ گئی اور اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہا۔ آہ! گو میں اسے پیار کرتی ہوں لیکن افسوس اس کے سامنے اپنی محبت کا اظہار نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس راز سے واقف ہوتے ہی عثمان بردیسی اس کا سر کاٹ لے گا،

اور الفی بھی اس کا جانی دشمن بن جائے۔ اے میرے بیتاب دل! اپنی کمزوری پر پردہ ڈال لے اور قوی بن جا۔ نفیسہ کو اپنے قصر کے گرد و پیش کی کوئی خبر نہ تھی۔ یوسف بک اپنے سپاہیوں کو قصر کے سامنے روک کر گھوڑے سے اترا اور نفیسہ کی اجازت سے کمرے میں داخل ہو کر اس کے سامنے جھک کر اس کی چادر کے دامن کو چوم کر بولا:

"میں آپ کی حسب منشا جنگ کے میدانوں سے ہو آیا ہوں اور اپنے فرض کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اب میری درخواست ہے کہ آپ مجھے دوبارہ اپنی خدمت میں رہنے کا موقع دیں۔"

"میں تمہیں اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں سمجھتی۔ تمہیں جلد ہی اس کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔ پھر ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی۔ تم ابھی اپنی فوج میں لوٹ جاؤ۔"

"مجھے صرف آپ کے قریب رہنے کی تمنا ہے۔ میں صرف آپ کو دیکھنے کی خواہش میں جی رہا ہوں اور ....."

نفیسہ کے حکم سے لونڈیاں قریب کے کمرے میں بیٹھی تھیں اور دروازہ کھلا تھا۔ نفیسہ بات کاٹ کر بولی:

"لونڈیاں قریب کے کمرے میں موجود ہیں اور مجھے ناپسند ہے کہ وہ ہماری گفتگو سنیں۔ اب ہماری ملاقات ختم ہونی چاہیئے۔ اب تم اپنے سپاہیوں میں چلے جاؤ۔"

"آپ مجھے تو بھیج رہی ہیں لیکن بردیسی اور الفی کو اپنی ملاقات کی اجازت دے دیتی ہیں۔ وہ دونوں آپ کی ملاقات سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن آپ مجھے اس مسرت سے بھی محروم کر رہی ہیں۔"

"میں خدا اور اپنی ....." نفیسہ کی زبان پر محبت کے الفاظ آئے لیکن وہ سنبھل کر بولی۔ "شرافت کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ ان دونوں کو بھی منع کر دوں گی کہ آئندہ کبھی میرے گھر پر نہ آئیں۔ میں خود بھی ان سے ملاقات نہ کروں گی۔"

"اگر ان کی روک تھام سے میرا آنا جانا بھی بند ہو جائے گا تو آپ انہیں منع نہ کیجئے۔ مجھے امید ہے آپ انہیں اپنے گھر آنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گی اور میں بھی ان

دونوں کی طرح آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہوں گا" یوسف نے کہا اور اس کی گفتگو میں رنج دالم اور گہری محبت کے جذبات کروٹیں لینے لگے جسے نفیسہ تاڑ گئی اور بولی:

"اب میں ان دونوں سے دور رہنے کی قسم کھا چکی ہوں۔ ہاں تم جب چاہو مناسب موقع پاکر آجایا کرو۔"

یہ سن کر یوسف نے خوشی سے بے تاب ہو کر نفیسہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نفیسہ نے ہولے سے اپنا ہاتھ کھینچ کر یوسف کو چلے جانے کا اشارہ کیا اور خود بھی اپنے کمرہ سے باہر نکل کر لونڈیوں کے کمرہ میں داخل ہو گئی۔ اسے یقین تھا کہ یوسف اس کی نشستگاہ کو ضرور چوم لے گا اور اس کا یہ خیال باطل بھی نہ تھا۔ یوسف واقعی اس جگہ کو چوم رہا تھا جہاں وہ بیٹھی رہی تھی۔ یوسف نے ہاتھ پھیلا کر اپنے ہونٹوں کو جنبش دی لیکن ہوا کے ٹھنڈے سے جو اس کے ہونٹوں کو چوم رہی تھی رک گیا اور کمرہ سے نکل کر اپنے سپاہیوں میں آ گیا۔ سپاہیوں نے یوسف کو دیکھا تو بڑے حیران ہوئے۔ کیونکہ وہ انہیں اس قدر خوش و خرم کبھی نظر نہ آیا تھا وہ فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے دستے کے آگے آگے چلتا ہوا لشکر میں شامل ہونے کے لئے قدم اٹھانے لگا۔ نفیسہ نے اس کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز کو سنا تو کمرے میں لوٹ کر زمین پر بیٹھ گئی اور ہاتھ پھیلا کر کہا کہ اے یوسف بک! مجھے تم سے محبت ہے تمہارے بغیر میری زندگی بیکار ہے۔ میں خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس کی مہربانی سے تجھے زندہ سلامت دیکھ رہی ہوں۔

نفیسہ نے یوسف بک سے درست کہا تھا کہ ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی۔ تازہ حالات نے نفیسہ کی بات کو سچ ثابت کر دکھایا۔ یوں تو قاہرہ کا حاکم امیر المالیک اسماعیل بک تھا مگر اصل صاحب اقتدار عثمان بک بردیسی اور محمد علی تھے۔

سکندریہ کے مقام سے کئی بار سکندریہ کے حاکم خورشید پاشا کی ترکی سپاہ نے قاہرہ کی طرف پیشقدمی کے ارادے باندھے لیکن محمد علی اور بردیسی نے اُن کی کوئی پیش نہ چلنے دی۔ دیکھنے سے تو معلوم ہوتا تھا کہ بردیسی صاحب اقتدار ہے لیکن اصل میں محمد علی کو پورے اختیارات حاصل تھے اور یہ بات پورے ملک میں مشہور ہو گئی تھی

بڑے بڑے تاجر، سرمایہ دار لوگ، انگلستان اور فرانس کے سفیر اور دوسرے معتبر لوگ محمد علی سے مشورہ لیتے تھے اور کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہوتی تھی۔ محمد علی بھی اصل واقعات سے کسی کو باخبر نہ کرتا تھا۔ بردیسی محمد علی کو قابل اعتماد سمجھتا تھا لیکن اسماعیل بک محمد علی کو ممالیک کا دشمن سمجھتا تھا۔ اسماعیل کی بردیسی سے ملاقات ہوتی تو وہ اسے خبردار رہنے کی نصیحت کرتا اور شک وشبہ میں مبتلا کر دیتا۔ بردیسی اسے بتاتا کہ محمد علی اس کا ایسا سچا دوست ہے کہ وہ اس سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ اسماعیل جواب دیتا کہ محمد علی، ممالیک کو تباہی و بربادی کے راستہ پر لا رہا ہے۔ وہ تمہارا دوست نہیں دشمن ہے۔ وقت آنے پر جب تم میری اس بات کو سچا پاؤ گے تو پچھتاؤ گے لیکن کچھ بھی نہ کر سکو گے الفی بک نے انگلستان کی سیر سے لوٹ کر چپ چاپ مصر میں قدم رکھا اور اپنے حامی ممالیک کو جمع کر کے ایک شہر پر قبضہ کرنے کے بعد یہیں رہائش اختیار کر لی۔ رعایا کے مال کو زبردستی اپنے قبضہ میں کرنا اس کے پسندیدہ مشغلے قرار پاتے۔

خورشید پاشا سکندریہ پر قابض تھا اور قاہرہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا تاکہ ممالیک کو شکست دے کر خسرو کو برسر اقتدار لائے۔ اب وہ باب عالی سے فوج کشی کی منظوری کا منتظر تھا۔ مصر میں حالات نازک صورت اختیار کر گئے تھے۔ خزانہ میں فوجیوں کو تنخواہ ادا کرنے کے لئے پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ اسماعیل بک اور عثمان بک بردیسی نے مال حاصل کرنے کے لئے تاجروں پر ٹیکس بڑھانے کی مہم شروع کر رکھی تھی اور ممالیک ہر طرف پھیل کر رعایا کو لوٹ کھسوٹ رہے تھے۔ رعایا ممالیک کے ظلم وستم سے چیخ اٹھی اور سرکشی پر آمادہ ہو گئی۔ عثمان بردیسی اس نازک صورت حال پر قابو پانے کے لئے محمد علی سے مشورہ کا طالب ہوا تو محمد علی نے اس مسئلہ پر غور و فکر کے لئے چند دنوں کی مہلت مانگی۔ فوجیں چاروں طرف سے اپنی تنخواہ وصول کرنے کے لئے چلی آرہی تھیں محمد علی کے ان فوجوں سے اچھے تعلقات تھے۔ اس لئے ہر فوج کے سپاہی محمد علی کے پاس پہنچ کر اپنی تنخواہ نہ ملنے کی شکایت کرتے اور مدد کے طلبگار ہوتے۔ محمد علی اظہار افسوس کر کے سب کو اسماعیل بک و عثمان بردیسی کے پاس بھیج دیتا۔ ایک روز نئی آمدہ فوج کے

سپاہیوں نے محمد علی کی باتیں سن کر اس کے مقصد کو سمجھ گیا اور سب سپاہی اکٹھے ہو کر عثمان بک بردیسی کے مکان پر پہنچ گئے اور شور مچا کر اپنی تنخواہ طلب کرنے لگے۔ بردیسی نے اپنے محل کی ایک کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو محل کے آس پاس کے گلی کوچوں اور بازاروں میں سپاہیوں کا ہجوم تھا۔ اس نے سپاہیوں کی آمد کا مقصد پوچھا تو سب ایک ساتھ چلا کر بولے کہ ہم بھوک سے مرے جا رہے ہیں۔ ہمیں ہماری تنخواہ ادا کی جائے۔ بردیسی نے دو روز بعد پوری تنخواہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے سپاہیوں کو اپنے اپنے ٹھکانوں پر جانے کا حکم دیا لیکن سپاہیوں نے تنخواہ لئے بغیر اپنے ٹھکانوں پر جانے سے صاف انکار کر دیا اور جوش و خروش سے محل کی طرف بڑھنے لگے تاکہ محل میں داخل ہو کر لوٹ مار مچائیں۔ عین اس وقت کسی نے کڑک کر کہا۔

"سپاہیو! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم کیا چاہتے ہو۔ کیوں اپنے سردار کے محل میں زبردستی داخل ہو رہے ہو؟"

یہ محمد علی کی آواز تھی جس کے چہرہ پر غصہ کے جذبات رقصاں تھے۔ اسے دیکھ کر سپاہی خاموشی سے محل کے دروازہ سے دور ہٹ گئے۔ عثمان بردیسی نے محمد علی کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ محمد علی محل میں داخل ہوا تو بردیسی نے اس کی پرخلوص مدد کا شکریہ ادا کیا۔ محمد علی بلند آواز سے تاکہ سپاہی بھی سن سکیں بردیسی سے مخاطب ہو کر بولا۔

"عثمان بک! بیچارے سپاہیوں نے مجبور ہو کر یہ گستاخانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ ہم انہیں رعایا سے مال چھیننے اور لوٹ مار سے باز رکھتے رہے ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ان کی تنخواہیں ادا کریں۔ میں ان کی زیادتی کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے امید ہے آپ ان کو اسی وقت ان کی تنخواہ ادا کریں گے۔"

سپاہی محمد علی کے یہ فقرے سن کر محمد علی زندہ باد کے نعرے بلند کرنے لگے۔ بردیسی نے محمد علی کو بتایا کہ اس وقت اس کے پاس مال نہیں ہے۔ پھر بردیسی نے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ وعدہ کرتا ہے کہ کل تمام فوج کی تنخواہ ادا کر دے گا۔ سپاہی اپنے ٹھکانوں پر لوٹ جائیں۔ سپاہیوں نے بردیسی کے وعدہ کو کوئی اہمیت نہ دی اور اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ یہ دیکھ کر محمد علی نے سپاہیوں سے کہا کہ وہ اپنے سردار بردیسی کے وعدہ

پھر اعتبار کریں اور اپنے اپنے ٹھکانے پر لوٹ جائیں۔ ان کا مطالبہ کل پورا کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر سپاہی فوراً چلے گئے تو عثمان بک نے پھر ایک بار محمد علی کا شکریہ ادا کیا اور کوئی ایسی تدبیر پوچھی جسے عملی جامہ پہنا کر وہ اپنے وعدہ کے مطابق کل سپاہیوں کی تنخواہ ادا کر سکے۔ محمد علی بولا کہ کل آنے پر سپاہیوں کو پھر کسی دن کے وعدہ ٹال دیا جائے۔ اس ٹال مٹول پر وہ بردیسی کی مدد کرتا رہے گا۔ پھر اس نے مال مہیا کرنے کی ایک پُرخطر تدبیر کا ذکر کیا جو یہ تھی کہ شہریوں کے ساتھ ساتھ اجنبیوں اور فرنگیوں پر بھی ٹیکس لگائے جائیں۔ کیونکہ یہ لوگ مصر پہنچ کر بڑی دولت کماتے تھے اور حکومت کو کچھ بھی نہ دیتے تھے۔ بردیسی پہلے تو اس تدبیر کو سُن کر بہت گھبرایا کیونکہ اس سے قبل غیر ملکیوں پر کبھی ٹیکس نہیں لگایا گیا تھا لیکن جب محمد علی نے اسے اس تدبیر کے سارے پہلو سمجھائے تو وہ مان گیا۔ اُس نے محاسب کو بلا کر اجنبیوں اور فرنگیوں سے ٹیکس وصول کرنے کا حکم دے دیا۔ محمد علی، عثمان بردیسی سے رخصت ہو کر اپنے گھر کی طرف چلا تو اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا کہ عثمان نے میرے مشورے کے مطابق عمل کیا تو وہ اور اس کی جماعت اس گڑھے میں جا گرے گی جو میں ان لوگوں کے لئے کھود چکا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ عثمان کو غیر ملکیوں پر ٹیکس لگانا بڑا مہنگا پڑے گا۔

اور محمد علی کی یہ چال بڑی کامیاب رہی۔ بردیسی کے حکم سے ٹیکس وصول کرنے والے نے ہر غیر ملکی سے پانچ سو درہم طلب کئے تو سب غیر ملکیوں نے متحد ہو کر اس مطالبہ کو پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ غیر ملکی سفیروں نے قلعہ میں پہنچ کر بردیسی سے ملاقات کی کوشش کی تو وعدہ کے پاس اور روپیہ کی شدید ضرورت سے بردیسی کی عقل پر اس قدر پتھر پڑ گئے تھے کہ اس نے ملاقات کی ضرورت بھی نہ سمجھی۔ سفیروں نے ان نازک حالات میں قاہرہ کو چھوڑ کر سکندریہ کی راہ لی۔ پیچھے غیر ملکیوں سے بردیسی کے آدمیوں نے زبردستی ٹیکس وصول کر لیا۔ فرانس کے سفیر نے قاہرہ چھوڑنے سے قبل کافی دیر تک محمد علی سے گفتگو کی اور ان دونوں کی گفتگو کا حال کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ محمد علی نے فرانسی سفیر کی زبانی خورشید پاشا کو پیغام دیا تھا کہ وہ اس کے لئے اچھے حالات پیدا کر رہا ہے اور سلطان کا سچا

خدمت گار ہے۔ گو لوگ اسے ممالیک کا حامی سمجھ رہے ہیں لیکن دراصل وہ سلطان کا ایسا حامی ہے جو مناسب موقع پر اس کے حق میں تلوار اٹھانے سے قطعی دریغ نہ کرے گا۔

دوسرے دن سپاہیوں نے بردیسی کے محل پر پہنچ کر اپنی تنخواہ مانگی تو بردیسی نے ٹیکس کے مال سے ہر سپاہی کو اس کی نصف تنخواہ کے برابر مال دے دیا۔ سپاہی نصف تنخواہ پاکر سخت ناراض ہوئے اور پوری تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ بردیسی نے سپاہیوں کو مشتعل دیکھا تو بغاوت کی آگ کو سرد کرنے کے لئے ٹیکس وصول کرنے والوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ شہریوں کے گھروں اور تجارتی ٹھکانوں میں گھس کر زبردستی مال وصول کریں۔ ان لوگوں نے شہریوں کے گھروں اور دوکانوں میں گھس کر زبردستی مال چھین لیا اور شہریوں کی آہ و زاری اور فریاد کی طرف سے اپنے کان بند رکھے۔ شہری اس ظلم وستم سے تنگ آکر جامع ازہر میں جمع ہوئے اور اس ظلم کا بدلہ لینے کی قسم کھائی۔ پورے شہر میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ حکومت کے حامی علماء نے لوگوں کے جوش و خروش کو فرو کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن لوگ نہ مانے اور مسلسل شور مچاتے رہے۔ اسی اثنا میں محمد علی نے اپنے چند سپاہیوں کی معیت میں لوگوں کے پاس آکر کہا کہ وہ عثمان بک سے مل کر آرہا ہے۔ اس نے عثمان بک کو مجبور کیا ہے کہ اس ظلم وستم کو بند کر دے۔ عثمان بک نے اس کی بات مان لی ہے اور جلد ہی ٹیکس وصول کرنے والوں کو اس ناجائز ٹیکس کی وصولی سے منع کرنے والا ہے۔ اب سب لوگوں کو اپنے اپنے گھر چلے جانا چاہیئے اور بڑے اطمینان سے اپنا کاروبار شروع کر دینا چاہیئے کیونکہ بردیسی اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا۔ لوگوں نے محمد علی کی مختصر تقریر سن کر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا اور محمد علی زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ پھر لوگوں نے آگے بڑھ بڑھ کر اس کے دامن کو بوسے دیئے۔ محمد علی کو پتہ چل گیا کہ اس نے ان لوگوں کے دلوں میں ممالیک اور ان کی حکومت کے خلاف جس قدر نفرت پیدا کی ہے اسی قدر اپنی محبت ان کے دلوں میں بیدار کر دی ہے۔ وہ جب کسی راہ سے گزرتا تو سب ادب سے کھڑے ہو کر اسے دعائیں دیتے۔

چند روز بعد ایک رات فرانسی سفیر اور خورشید پاشا کا وکیل بھیس بدل کر قاہرہ میں داخل ہوئے اور لوگوں کی نگاہوں سے چھپتے ہوئے محمد علی کے مکان پر پہنچ گئے۔ فرانسی سفیر اور

محمد علی رات بھر گفتگو میں معروف رہے۔ صبح کی آمد سے قبل ہی سفیر نے خورشید پاشا کا وکیل کو محمد علی کے پاس چھوڑا اور خود واپس چلا گیا۔ وکیل نے محمد علی کو چند دستاویز دیں اور بتایا کہ خورشید قاہرہ میں داخل ہو کر محمد علی کو اس کی کارگزاری کے بدلے میں پاشا کا خطاب دے گا۔ محمد علی نے دستاویز پڑھیں تو وکیل سے درخواست کی کہ خسرو کے بارے میں جو فرمان صادر ہوا ہے اس کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی زبان سے خسرو کو پڑھ کر سنائے۔ وکیل نے خوشی سے اس درخواست کو قبول کر لیا۔

دوسرے روز علی الصبح سپاہیوں کی ایک جماعت نے شہر میں ممالیک سرداروں کے محلات کو گھیرے میں لے لیا۔ اسماعیل بک اور عثمان بک قلعہ کی رہائش ترک کر کے شہر میں رہنے لگے تھے تاکہ شہریوں کو خوفزدہ کرتے رہیں اور شب و روز عیش و عشرت میں معروف رہیں۔ عثمان بردیسی، ست نفیسہ کی سرد مہری کو راگ رنگ میں غرق رہ کر فراموش کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور چرکسی گرجی لونڈیاں اپنے کمالات دکھا رہی تھیں کہ بندوق کے فائروں کی آوازیں گونجیں اور ایسا معلوم ہوا جیسے اسی کا مکان نشانہ بنایا گیا ہے۔ بردیسی نے اس معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے لئے فوراً کھڑکی میں کھڑے ہو کر دیکھا تو محل کو مسلح البانوی اور ارمنی سپاہیوں نے گھیر رکھا تھا اور محمد علی ان سپاہیوں کے ساتھ تھا۔ بردیسی کو بڑا تعجب ہوا اور وہ غم و غصہ سے بے تاب ہو کر مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس کے حکم سے اس کے اپنے آدمیوں اور خادموں نے محل کے دروازے بند کر لئے اور جب بردیسی نے ان چند سپاہیوں کو، جو اس کے محل پر رہتے تھے، بندوقیں چلانے کا حکم دیا تو سپاہیوں نے صاف انکار کر دیا۔ بردیسی نے سمجھ لیا کہ یہ سپاہی محمد علی کے ایماء پر ہمیں قتل کرنے آئے ہیں اور اب مقابلہ کرنا بے سُود ہے۔ اس نے بچے کھچے ممالیک کو حکم دیا کہ عورتوں، بچوں اور بیش قیمت چیزوں کو اپنے ہمراہ لے کر محل سے نکل جائیں اور جیزہ پہنچنے کی کوشش کریں۔ عثمان بک اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چور دروازے سے نکلا تو یوسف بک اس کے ہمراہ تھا۔ سپاہیوں نے مکان سے کچھ دور ممالیک کو جاتے ہوئے دیکھ کر حملہ کیا تو عثمان بک، یوسف بک اور بچے کھچے ممالیک نے عورتوں اور

بچوں کو آگے بھیج کر سپاہیوں سے جنگ شروع کردی۔ عثمان بک اور یوسف نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ یوسف بک مفروروں کے بچاؤ کی خاطر بڑی بے جگری سے لڑ رہا تھا۔ اچانک ایک سپاہی نے اسے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ یوسف بک نے دردناک آواز بلند کی اور گر کر تڑپنے لگا۔ اس دوران میں عورتوں اور بچوں کی گاڑیاں دور نکل گئی تھیں۔ بردیسی گاڑیوں کے تعاقب میں روانہ ہوا تو سپاہیوں نے اس کا تعاقب غیر ضروری سمجھا۔ بردیسی اپنے ہمراہیوں کو لے کر جنیزہ پہنچ گیا اور اپنی پس پشت شہر کو آنسو بہا کر حسرت ویاس کی نظر سے دیکھتے ہوئے محمد علی کے دھوکے اور زمانہ کے انقلاب پر افسوس کرنے لگا۔ سپاہیوں نے بردیسی کے مکانوں کو لوٹنے کے بعد اسماعیل بے کے محل کا رخ کیا۔ اسماعیل بے کو عثمان بک کی درگت کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس لئے وہ بھی فرار ہو چکا تھا۔ سپاہیوں نے اس کے خالی مکان کو بھی جی بھر کر لوٹا۔

دوسرے روز صبح ممالیک مایوسی کی زندہ تصویریں بن کر اپنے بہادر سردار عثمان بک بردیسی کے قریب بیٹھے مشورے کر رہے تھے اور اسی شب محمد علی اپنے محل میں بیٹھا ممالیک کی حکومت کے خاتمہ پر مسرت کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے علماء و روسا کو بلا کر سلطانی حکم سے مطلع کیا۔ خورشید پاشا کے وکیل نے سلطانی فرمان پڑھ کر سنایا کہ سلطان نے خورشید پاشا کو اپنے نائب کا عہدہ دیا ہے اور پورے مصر کا حاکم بنا کر بھیجا ہے۔ نیا حاکم کل قاہرہ پر قبضہ کرے گا۔ رعایا کو اس کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ وہ کل رعایا سے فرمانبرداری کا عہد لے گا۔ فرمان سنتے ہی علماء و صاحب اقتدار لوگوں نے اپنی اپنی وفاداری کا اظہار کر کے شہر کی مسجدوں کی راہ لی تاکہ دوسرے لوگوں کو سلطانی احکام سے مطلع کر کے اطاعت پر آمادہ کریں۔

محمد علی قلعہ میں پہنچ کر خسرو کی کوٹھڑی کے سامنے آیا اور اپنے قیدی خسرو کو جو سو رہا تھا بیدار کرنے کے لئے بولا:

"مصر کے نائب اٹھو۔"

"یہ کس کی آواز ہے۔ مجھے کون پکار رہا ہے؟" خسرو نے بیدار ہو کر کہا۔

"آپ کے غلام محمد علی نے آپ کو پکارنے کی جرأت کی ہے۔"

"مجھے علم ہے کہ تو مجھے قتل کرنے آیا ہے۔"

"اگر میں تمہیں قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تو ایک مدت پہلے اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنا چکا ہوتا۔ میں تمہیں وہ سلطانی فرمان سنانے کے لئے خود چل کر آیا ہوں جو تمہارے لئے جاری ہوا ہے۔" یہ کہہ کر محمد علی نے سلطانی فرمان پڑھنا شروع کر دیا۔

"خسرو پاشا نے دشمن کے خوف سے راہ فرار اختیار کی تھی اور اپنے فرض کو بہادروں کی طرح ادا نہیں کیا تھا۔ وہ اس شہر میں جس کا حاکم تھا ایک قیدی کی حیثیت سے گدھے پر سوار ہو کر داخل ہوا ہے اور اسی سے اس کی نااہلی ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ اس بڑے عہدے کے جو ہم نے اسے بخشا تھا قابل نہیں ہے۔ اس لئے ہم حکم دیتے ہیں کہ وہ کبھی ہماری سلطنت کے کسی شہر میں اپنا منحوس چہرہ نہ دکھائے۔ اُسے ہمیشہ روپوش رہنا چاہیئے۔ ہم اسے جلاوطن کرتے ہیں۔ آئندہ ہم کسی کی زبانی اس کا ذکر سننا پسند نہیں کریں گے۔ ہم اسے جزیرہ ایمبرو میں قید تنہائی کی سزا دیتے ہیں جہاں وہ تاحیات قید رہے گا۔"

محمد علی فرمان پڑھ کر خسرو پاشا سے مخاطب ہو کر بولا:

"خسرو! کیا تم ایمبرو سے واقف ہو۔ سنو! ایمبرو قوالہ کے عین بالمقابل واقع ہے اور ایک پہاڑی جزیرے کا نام ہے۔ خسرو! تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیئے کیونکہ میں نے ہی ایمبرو کو تمہاری رہائش کے لئے منتخب کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے قید خانہ کی کھڑکی سے قوالہ، اس کے سمندر اور لوسیفانوس پہاڑی کی مخصوص چوٹی کو دیکھ سکو۔ تم جب سمندر اور اس کا ساحل دیکھو گے تو وہ جگہ بھی دیکھو گے جہاں میں نے پوری رات انگاروں پر لوٹ کر کاٹی تھی۔ اس جگہ کو دیکھو گے جہاں تم نے جوہرہ کو زندہ درگور کیا تھا۔ ان ماضی کی یادگاروں کو دیکھ کر مجھے بھی یاد کر لینا کرنا اور زندگی بھر خوفناک عذاب میں مبتلا رہنا۔ تمہیں تو یاد ہی ہو گا کہ تم ایک قاتل ہو اور تم ہی ایک نیک فطرت جوان کو ظالم وحشی بھیڑیا بنانے کے ذمہ دار ہو۔ ایمبرو میں قیام سے خوف نہ کھاؤ۔ قید تنہائی کچھ ایسی بری شے نہیں ہے۔ کم از کم تم میری ترقی کی خبریں سنتے رہو گے تاکہ تمہیں

پتہ چلتا رہے کہ میں کس بلند مقام پر پہنچ گیا ہوں اور تم تعجب کرو کہ تم جس لڑکے کو گستاخ غلام اور فقیر کہا کرتے تھے۔ وہ کس بلند مقام پر پہنچ گیا ہے۔ تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ تمہار پروردہ تمہارے منصب پر پہنچ گیا ہے۔ ہاں تم میری طرف سے قوالہ، اس کے حسین ساحل اور جوہرہ کی سرد گہری نیلگوں قبر کو ضرور سلام پہنچا دینا۔ مجھے مزید کچھ نہیں کہنا۔ اب میرا مقرر کردہ افسر تمہیں سکندریہ لے جائے گا۔ پھر وہاں سے اپنے ہمراہ لے کر جہاز میں سوار ہو گا اور تجھے تیری دائمی رہائش گاہ ایمبرو میں چھوڑ آئے گا۔ اچھا، اب میں تجھ سے رخصت ہوتا ہوں" محمد علی نے کہا اور فوراً باہر آ گیا۔ خسرو محمد علی کی گفتگو سن کر بیہوش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد محمد علی کے مقرر کردہ افسر نے جھنجھوڑ کر اسے ہوشیار کیا اور کوٹھڑی سے باہر لا کر ایک گدھے پر سوار کر کے لے چلا۔ وہ دونوں سکندریہ پہنچے پھر ایک کشتی پر بیٹھ کر ایمبرو آ گئے اور خسرو پاشا کو ایمبرو کی اس کوٹھڑی میں قید کیا گیا جس کی واحد کھڑکی سمندر کی طرف کھلی رہتی تھی اور جس سے قوالہ اور صرف وہ مقام دیکھا جا سکتا تھا جہاں جوہرہ کو زندہ درگور کیا گیا تھا۔

عثمان بک بردیسی اور محمد علی کی جنگ کے بعد شہر میں سکون ہو گیا۔ لوگ اپنے گھروں سے نکل کر اس لڑائی کا تذکرہ کر رہے تھے کہ شہر کا قاضی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بازاروں میں گشت کرنے لگا۔ اس کے آگے آگے نقیب بآواز بلند پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ اب جنگ ختم ہو گئی ہے کل صبح نیا نائب شہر میں داخل ہو گا۔ لوگ استقبال کی تیاریاں کریں۔ گلی کوچوں سے خون کے نشان مٹا دیں۔ ممالیک عورتیں مقتولین کے کفن دفن کا انتظام کریں اور زخمیوں کو اپنے گھروں پر لے آئیں۔ ممالیک عورتیں بہت خوفزدہ تھیں۔

یہ اعلان سن کر اپنے اپنے مقتولوں اور زخمیوں کی تلاش میں نکلیں عثمان بک کے محل کے قریب خونریز جنگ ہوئی تھی۔ اس لئے عورتوں نے عثمان کے محل کو گھیر رکھا تھا اور اپنے آدمیوں کو تلاش کر رہی تھیں۔ سیدہ نفیسہ بھی ان عورتوں کے ہمراہ کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ اچانک وہ ایک زخمی کو دیکھ کر اچھل پڑی۔ یہ زخمی یوسف بک

تھا جس کا چہرہ بُری طرح مسخ ہو چکا تھا لیکن نفیسہ نے اسے اس حالت میں بھی پہچان لیا تھا کیونکہ محبت کی نگاہوں میں عام نگاہوں سے بہت زیادہ بصیرت ہوتی ہے۔ نفیسہ اپنی لونڈیوں کی مدد سے یوسف کو اپنے محل میں لے آئی۔ گو یوسف کا زندہ رہنا محال تھا لیکن نفیسہ کو اپنی تیمارداری اور محبت پر اس قدر بھروسہ تھا کہ وہ زخمی کی زندگی کے بارے میں مطمئن تھی۔ یوسف بیہوش تھا۔ نفیسہ آنسو بہاتے ہوئے اس پر جھکی اور اپنے سانسوں کی گرمی کو اس کے لبوں تک پہنچانے لگی جیسے وہ اپنی روح اس میں ڈال رہی ہو۔ سچی محبت نے مردہ جسم میں جان ڈال دی اور یوسف نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا اور ہولے سے پوچھا:

"کیا میرے قریب سچ مچ کی میری سیدہ نفیسہ ہے یا میں ایک پراگندہ خواب دیکھ رہا ہوں؟"

"تم خواب نہیں دیکھ رہے۔ تم زندہ ہو۔ میری محبت نے تمہارے مردہ جسم میں روح ڈال دی ہے۔"

"اگر یہ حقیقت ہے تو تمہارے خیالات کے اس تغیر کی کیا وجہ ہے۔ تمہیں تو مجھ سے نفرت تھی۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔ میں تمہیں ایک عرصہ سے چاہتی ہوں۔ میں روزِ اوّل سے تمہاری آنکھوں میں محبت کے جذبات دیکھ کر خود کو خوش قسمت سمجھا کرتی تھی۔ میری عمر تم سے زیادہ ہے۔ اگر میں تمہارے ساتھ شادی کر لیتی تو لوگ یہی کہتے کہ تم نے اپنے آقا کی دولت کے لالچ میں میرے ساتھ شادی کی ہے۔ لوگ یہ کبھی نہ کہتے کہ تم نے محض سچی محبت کی وجہ سے میرے ساتھ نکاح کیا ہے۔ مجھے تمہاری بدنامی کا خیال تھا۔ پھر عثمان بردیسی اور الفی بھی میری دولت کی وجہ سے مجھے چاہتے تھے۔ اگر دونوں کو یہ علم ہو جاتا کہ مجھے تمہارے ساتھ محبت ہے تو وہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ میں نے تمہیں بردیسی کے لشکر میں شامل ہونے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ ان کا شبہ دور کر سکوں۔ خیر اب ہم سب سخت مصیبت میں گرفتار ہیں۔ عثمان اور دوسرے ممالیک شہر چھوڑ چکے ہیں۔ اب صرف تم رہ گئے ہو۔ اب

مجھے کسی کا خوف نہیں۔ اس لئے میں اپنی محبت کا راز افشا کر رہی ہوں۔ لو اب تم جلد سے جلد تندرست ہو جاؤ تاکہ ہم اپنا نکاح کر کے پُر مسرت زندگی بسر کریں۔"

"مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہے۔ تمہاری محبت نے مجھے تندرست کر دیا ہے۔ میں بالکل تندرست ہوں۔ تم مجھے محبت کرتی ہو۔ تم میری ہو۔ میں .... میں ...." یوسف بک نے اپنا فقرہ مکمل کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن اس کی زبان نے ساتھ نہ دیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور جسم پر رعشہ نے قبضہ کر لیا۔ نفیسہ نے گھبرا کر کہا۔

"میرے یوسف! پیارے یوسف! خدا کے لئے مجھے تنہا چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

یوسف نے بڑی کوشش کے بعد آنکھیں کھولیں اور نفیسہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے ہولے ہولے کہا۔

"میری دلبر! میں تمہارا وفادار غلام ہوں۔ زندگی کے آخری سانس تک بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے ہمراہ رہوں گا کیونکہ سچی محبت کرنے والے ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔" پھر یوسف کی زبان رک گئی۔ وہ نفیسہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں زندگی کا نور دم توڑنے لگا اور پیشانی پر پسینہ کے قطرے ابھرنے لگے۔ اُس نے آخری بار لبوں کو حرکت میں لانا چاہا اور پوری قوت صرف کر کے کہا۔ "مجھے تم سے محبت ہے۔" اور زندگی سے منہ موڑ کر موت کی آغوش میں چلا گیا۔ نفیسہ نے جھک کر اس کے لبوں پر بوسہ دیا اور اپنے دوپٹہ کو سر سے اتار کر مرحوم کے چہرے پر ڈال دیا اور آہستہ آہستہ کہا۔

"پیارے یوسف! میرے دوپٹہ کو اوڑھے ہوئے سوتے رہو۔ تم اپنے ساتھ میری خوشی کو بھی لے گئے ہو۔ میرا پورا خزانہ وہیں دفن رہے گا جہاں تم نے اپنے ہاتھوں سے دفن کیا تھا۔ میرا خزانہ زمین کے نیچے تمہاری محبت کی نشانی رہے گا اور میں زمین کے اوپر تمہاری محبت کی یاد کا نمونہ بن کر رہوں گی۔ تمہارے ہاتھوں نے تو محض میرا خزانہ دفن کیا تھا۔ میرے ہاتھ خزانہ سے کہیں زیادہ بیش قیمت اور عزیز شئے کو دفن کریں گے۔ میرے یوسف! میں جب تک زندہ رہوں گی۔ لوگ مجھے ایک دنیا سے کنارہ کش

بدقسمت بیوہ کے نام سے یاد کریں گے۔ یوسف! اب تم آرام سے سوتے رہو۔ پھر جب تم جاگو گے تو مجھے اپنے قریب پاؤ گے اور ہماری وہ ملاقات ابدی ہوگی۔ پیارے! اس عارضی جدائی کا غم نہ کرنا۔ ہم جلد ہی ایک دوسرے سے ملیں گے۔" پھر نفیسہ نے یوسف کے چہرہ سے دوپٹہ سرکایا اور اس کی سرد پیشانی پر اپنے ایک گرم بوسہ کی مہر ثبت کی اور اپنے منہ کو ایک کپڑا اسے ڈھانپ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

خورشید پاشا مصر کے نئے نائب کی حیثیت سے قاہرہ پہنچا اور قلعہ میں داخل ہو کر اسی قصر میں جہاں اس سے قبل کئی نائب برسر اقتدار آئے تھے مسند حکومت پر بیٹھا۔ پھر اس نے باب عالی کی منظوری سے محمد علی کو پاشا کا خطاب دے کر اپنا وزیر بنایا۔ قاہرہ میں امن و امان کا دور دورہ شروع ہو گیا ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ خورشید پاشا بھی پہلے حاکموں کی طرح مشکلات میں گرفتار ہو گیا۔ فوج کی ضروریات کے لئے مال کی ضرورت تھی اور ہلکے ہلکے ٹیکس اور محصول اس ضرورت کو پورا نہ کر سکتے تھے۔ خورشید پاشا نے بھی اپنے پیشروؤں کی طرح لوگوں پر بھاری بھاری ٹیکس لگائے تو لوگ مشتعل ہو کر اس کے مخالف ہو گئے اور اپنی مشکلات کا قصہ سنانے کے لئے محمد علی پاشا کے پاس آنے جانے لگے۔ محمد علی پاشا لوگوں سے ہمدردی سے پیش آتا۔ ان کی باتوں کو غور سے سنتا اور ان کے مسائل کو حل کرنے کے لئے اکثر خورشید پاشا کی مخالفت کرتا۔ ان باتوں نے محمد علی پاشا کو بہت فائدہ پہنچایا۔ سب چھوٹے بڑے اس کے پیچھے حامی بن گئے۔ ہر شخص اس کی عزت کرتا اور خورشید پاشا کو برے الفاظ سے یاد کرتا۔ اب خورشید پاشا محمد علی کو حسد بھری نظروں سے دیکھنے لگا اور کسی مناسب موقع پر محمد علی پاشا کو نیچا دکھانے کا منتظر رہا۔ محمد علی کو خورشید پاشا کے حسد کی خبر ہو گئی اور اب دونوں میں کھلم کھلا دشمنی کی بنیاد پڑ گئی۔

ممالیک کو خورشید پاشا اور محمد علی چپقلش کا حال معلوم ہوا تو وہ قاہرہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے ارادے سے اپنی پراگندہ طاقت کو یکجا کر کے جیزہ کے میدان میں جمع ہو گئے وہ محمد علی پاشا سے انتقام لینے کے لئے بڑے بیتاب تھے۔ جب عثمانی بیڑہ مصریوں کو متاثر کرنے اور امن وامان قائم کرنے کے لئے سکندریہ پہنچا تو ممالیک سرداروں نے

امیرالبحر اور خورشید پاشا کو پیغام بھیجے کہ "وہ باب عالی کی خواہش کے مطابق ملک سے جنگ و جدل دور کرنے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لئے تیار ہیں اور محمد علی پاشا اور اس کے ساتھیوں کی دراز دستیوں سے ملک کو بچانے کے لئے اپنی خدمات پیش کرتے ہیں کیونکہ یہی لوگ ملک میں فتنہ فساد برپا کر رہے ہیں۔"

خورشید پاشا، محمد علی کو نیچا دکھانے کے لئے ممالیک کا پیغام سن کر بڑا خوش ہوا اور اس نے محمد علی کی کئی شکائتیں کر کے باب عالی کو یہ درخواست بھیج دی کہ محمد علی کو اپنے عہدہ سے معزول کیا جائے یا اسے مع اس کی فوج کے کسی دوسری جگہ تبدیل کر دیا جائے۔ پھر خورشید پاشا نے پوری فوج کو محمد علی کا حامی دیکھا تو اپنی حفاظت و خدمت کے لئے حبشیوں کی ایک نئی فوج ترتیب دی۔ حبشیوں کی یہ لوٹ مار کی عادی اور غیر منظم فوج پہلی بار مصر میں ظاہر ہوئی اور عوام کو تنگ کرنے لگی۔ خورشید پاشا ان کی دراز دستیوں پر ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ اس فوج کو کسی قریبی شہر یا قصبہ میں بھیج کر لوٹ مار کے ذریعہ مال اکٹھا کر لیتا۔ اس کی آخری کارروائی نے عوام کو اس قدر مشتعل کیا کہ ایک روز انہوں نے شہر کے قاضی اور بڑے بڑے علماء و فقہا کو خورشید پاشا کے پاس بھیجا تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے۔ قاضی اور دوسرے علماء خورشید پاشا سے ملے تو خورشید پاشا نے ان کی بے عزتی کی۔ قتل عام کی دھمکی دی۔ قاضی نے لوٹ کر لوگوں کو بتایا کہ نائب سے انصاف کی امید رکھنا بیکار ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ایسے نائب کو معزول کر کے کسی اچھے آدمی کو اپنا حاکم بنالیں۔ لوگوں نے واضح الفاظ میں قاضی کے خیال سے اتفاق کیا اور محمد علی پاشا کو نئے حاکم کی حیثیت سے آگے لانے کے لئے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اب قاضی کے ایماء پر لوگ محمد علی پاشا کے گھر کی طرف چلے تو راہ میں ہزاروں لوگ اپنے بھائیوں کے ساتھ ہو لئے۔ قاضی نے محمد علی کے مکان پر پہنچ کر لوگوں کو باہر چھوڑا اور خود مکان کے اندر آ کر محمد علی کو بتایا کہ آج سے قوم خورشید پاشا کو اپنا حاکم نہیں مانے گی بلکہ تمہیں اپنا حاکم تسلیم کرے گی کیونکہ تم قوم کے سچے ہمدرد ہو اور لوگوں کے دکھ دور کرنے کے لئے کئی بار اپنی جان لڑا چکے ہو۔ محمد علی نے اپنے

دل کی آواز کو چھپا کر کئی بار اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کیا لیکن قاضی کا اصرار بڑھتا گیا حتیٰ کہ باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے جوش و خروش سے "منصف مزاج حاکم محمد علی پاشا" کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

خورشید پاشا نے لوگوں کے نعرے سنے تو اپنے چند آدمیوں کو قوم کی طرف پیغام دے کر بھیجا کہ سلطان المعظم کے حکم کی رو سے مصر کا حاکم صرف میں ہوں۔ میں سرکش غاصب محمد علی کے بارے میں باب عالی کو لکھ چکا ہوں۔ جلد ہی اس سرکش کے بارے میں سلطانی احکام پہنچنے والے ہیں۔ میری سب سمجھ دار لوگوں کو یہی نصیحت ہے کہ باغیوں کا ساتھ چھوڑ کر میرے پاس آ جائیں تاکہ سلطانی عتاب سے بچ جائیں۔ کچھ لوگوں نے خوفزدہ ہو کر جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا تاکہ آستانہ کے احکام کا انتظار کر کے کسی کی حمایت کا فیصلہ کریں۔ محمد علی نے قاضی شہر اور قوم کے اصرار کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہی وہ مناسب موقع ہے جس کے خواب وہ بچپن سے دیکھتا آ رہا ہے اور جس کے انتظار میں اپنی زندگی کی بہترین کوشش کر چکا ہے۔ اُس نے فوراً اپنے البانوی سپاہیوں کو بلا بھیجا اور ان کی آمد کے فوراً بعد قلعہ کی طرف بڑھا۔ خورشید پاشا قلعہ کے دروازوں کو بند کروا کر اپنے سپاہیوں کو قلعہ کے اندر کھڑا کر چکا تھا۔ محمد علی نے قلعہ کو گھیر کر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ چار دن تک فریقین میں چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ حتیٰ کہ پانچویں دن شام کو باب عالی کا وکیل پہنچ گیا۔ یہ وکیل خورشید پاشا کی شکائتوں کا جواب لایا تھا۔ خورشید پاشا بڑی بے تابی سے اس کا منتظر تھا اور اس کی آمد میں جو تاخیر ہوئی تھی اس سے بڑا حیران تھا۔ صدر اعظم نے خورشید پاشا کی شکائتوں کی تصدیق یا تردید کے لیے ایک قبودجی باشی کو خفیہ طور پر مصر میں بھیجا تھا اور قبودجی باشی نے مصر پہنچ کر نہایت دیانتداری سے اپنے فرائض کو ادا کیا تھا اور آستانہ پہنچ کر اپنی بے لاگ رپورٹ پیش کر دی تھی۔ صدر اعظم نے اس رپورٹ کو سلطان کے حضور پیش کیا تھا اور پھر سلطانی فرمان جاری ہوا تھا۔ یہی وجہ کہ سلطانی وکیل کی آمد میں تاخیر ہوئی تھی۔

سلطانی وکیل کی آمد کے بعد فریقین نے جنگ سے ہاتھ اٹھا لیا۔ سلطانی وکیل نے

قاضی القضاۃ، امراء علماء و فقہا کو جمع کر کے شاہی مہر سے آراستہ شاہی فرمان کو پڑھا۔ فرمان میں محمد علی پاشا کو مصر میں سلطان کا نائب مقرر کیا گیا تھا اور خورشید پاشا کو معزول کر کے سکندریہ پہنچ کر شاہی احکام کا انتظار کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔

وکیل نے فرمان کی ایک نقل خورشید پاشا کو بھیج کر حکم دیا کہ قلعہ چھوڑ کر جلد سے جلد سکندریہ چلا جائے۔ خورشید پاشا نے قلعہ چھوڑنے میں پس و پیش کی اور وکیل کو تنہائی میں ملنا چاہا۔ وکیل نے اس کی درخواست نامنظور کر دی اور حکم دیا کہ سلطانی حکم کی فوراً تعمیل کی جائے۔ مجبوراً خورشید پاشا نے قلعہ کے دروازے کھلوا دیئے اپنے چند خاص آدمیوں کے ساتھ دوسرے دروازے سے نکل کر ساحل پر پہنچا اور اپنے انتظار میں کھڑی ہوئی ایک چھوٹی کشتی پر بیٹھ کر بولاق کی طرف چلا۔ پھر بولاق سے کشتی پر سوار ہو کر سکندریہ کو روانہ ہو گیا اور وہاں سلطانی احکام ملتے ہی آستانہ کی طرف چل پڑا۔ خورشید پاشا اپنے ساتھیوں کے ساتھ قلعہ کے پچھلے دروازے سے نکلا تو اسی وقت محمد علی پاشا اپنے سپاہیوں کے ساتھ قلعہ کے صدر دروازے سے داخل ہوا۔ قوم مسلسل مبارکباد کے نعرے بلند کر رہی تھی۔ وہ اس کمرہ میں داخل ہوا جہاں خسرو پاشا سے ملا تھا۔ اس نے کھڑکی کو کھول دیا اور اس کی نظریں قاہرہ کے شہر اور اس وسیع عریض میدان کا جائزہ لینے لگیں جس میں دریائے نیل بل کھا کھا کر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پھر اس نے میدان کے ایک طرف کھڑے ہوئے بلند اہرام دیکھے جو بڑی دور سے گردن اٹھا کر اپنے نئے بادشاہ کو مبارکباد پیش کر رہے تھے۔

محمد علی کے چہرے پر غیر معمولی رونق آ گئی۔ وہ یکسر بدل گیا جیسے اس کے قلب میں کسی نئی روح نے جنم لیا ہو۔ اس نے دل ہی دل میں کہا "میری آرزو پوری ہو گئی ہے میں مصر کا حاکم بن گیا ہوں۔ قوم مجھے مبارکباد کہہ رہی ہے۔ میری پیاری ماں! تم کہاں ہو۔ کیا تم آسمان سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی ہو۔ تم یقیناً خوش ہو رہی ہو گی کیونکہ تمہارا خواب حقیقت بن چکا ہے۔ اے محمد علی! تو عرصہ دراز سے رنگ بدل رہا ہے۔ خود کو حالات کے سانچے میں ڈھالتا رہا ہے۔ اب اپنی اصلی صورت میں

نظر آ۔ اپنی فطرت کے مطابق بن۔ تو معصوم اور نیک پیدا ہوا تھا۔ اب پھر معصوم اور نیک بن جا کہ احکام خداوندی کی تعمیل کر سکے۔ اے میرے پیارے مصر! تو زخمی ہے۔ میں تیرے زخموں کے لئے اکسیر بن جاؤں گا۔ میں تیری کھوئی ہوئی عزت واپس لاؤں گا۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تیری بزرگی، تیری برتری اور تیری بہتری کے لئے کام کروں گا۔ اے خدا! میری مدد کر! مجھے سیدھا راستہ دکھا" اور خدا نے محمد علی کی مدد کی۔ مصر میں امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ محمد علی نے مصریوں کی فلاح و بہبودی کے لئے بڑا کام کیا۔ اُس نے ان حبشیوں کو جو خسرو کے بعد کسی قدر باقی رہ گئے تھے اور لوٹ مار کے عادی تھے وسط افریقہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ ان سپاہیوں کو جو جنگ کے دوران میں بھاگ کر قزاق بن گئے تھے دوبارہ فوج میں شامل کر لیا۔ لوگوں پر ٹیکس کم کر دیئے۔ مجرموں کو کڑی سزائیں دیں۔

ممالیک بھی اس کے برسر اقتدار آتے ہی قاہرہ سے دُور مینا کی طرف چلے گئے تھے۔ محمد علی نے قلعہ کی مرمت کروائی اور قلعہ میں ایک حرم سرا بھی تعمیر کرایا۔ ایک نیا عظیم الشان قصر ازبکیہ میں بنوایا۔ کچھ لوگ ازبلیہ کے قصر کو دیکھ کر کہتے کہ ہمارا پاشا اپنی پہلی بیوی اور بچوں کو بلوا رہا ہے۔ کچھ لوگ کہتے کہ ایک بیوی کے لئے دو مکانوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے پاشا کی کتنی بیویاں ہیں۔ کیونکہ اس نے ایک حرم سرا قلعہ میں تعمیر کروایا ہے اور دوسرا ازبکیہ میں۔ محمد علی کی زندگی کے اس پہلو سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ وہ اپنے وزیر مال حسن کے سوا کسی دوسرے کو اپنے ذاتی معاملات میں دخل دینے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ حسن واقف تھا کہ قلعہ کے حرم سرا میں پاشا کی پہلی بیوی اور بچے قیام کریں گے لیکن ازبکیہ کے قصر میں کون رہائش اختیار کرے گا۔ یہ حسن کو بھی معلوم نہ تھا۔ محمد علی نے ازبکیہ کے قصر میں ایک خیمہ نصب کرایا تھا۔ یہ خیمہ کسی صحرائی بدو کے خیمہ کی طرح آراستہ و پیراستہ تھا اور اس خیمہ پر گمان ہوتا تھا کہ شاید یہ وہی خیمہ ہے جس میں بطیطہ نے محمد علی کو رکھا تھا۔ جب ازبکیہ کے قصر میں یہ صحرائی خیمہ مکمل ہو گیا تو اسے دیکھ کر محمد علی کو اس قدر خوشی ہوئی

جس قدر جوہرہ کے پاس آخری رات بسر کرنے سے ہوئی تھی اور پھر آج تک وہ اس خوشی کو حاصل کرنے کے لئے ترستا رہا تھا۔ اب اس خیمہ کو دیکھ کر وہ بڑا خوش ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا۔ خیمہ تیار ہے لیکن مکین نہیں آیا۔ اب مکین کو لانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ سوچ کر اسی دن شام کو محمد علی نے امرائے سلطنت سے کہا کہ وہ کام کی کثرت سے تھک گیا ہے۔ اس لئے نیل کے کنارے سلامک نام کی تعمیر کی ہوئی اپنی عمارت میں آرام کرنے کے لئے جا رہا ہے۔ پھر محمد علی نے اپنے غلام احمد کو ہمراہ لے کر سلامک میں پہنچا اور غلام کو تخلیہ میں کچھ سمجھا کر سونے کے لئے چلا گیا۔ احمد خچر پر سوار ہو کر رات کی تاریکی میں نظروں سے غائب ہو گیا۔ علی الصبح محمد علی نے بیدار ہو کر احمد کے انتظار میں کھڑکی کھول کر ریگستان میں نظریں جما دیں۔ تقریباً نصف دن گزرنے کے بعد احمد نے لوٹ کر کہا:

"آپ نے جس خچر کو شیخ عنان سے خریدا تھا۔ میں اس پر سوار ہو کر دو گھنٹہ بعد رات ہی کو شیخ عنان کے خیمہ پر پہنچ گیا تھا۔ صبح شیخ سے ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی کو کوئی غم کھائے جا رہا تھا۔ اس کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے اپنے عزیزوں کے پاس بدر شین گئی ہوئی تھی۔ اب کل اس کا پیغام آیا ہے کہ وہ واپس آ رہی ہے۔ شیخ صبح سے دروازے پر کھڑا ہوا اپنی بیٹی کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر میرے سامنے اس کی بیٹی بھی آ گئی اور میں آپ کو مطلع کرنے کے لئے لوٹ آیا۔"

"تم غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد شیخ سے خریدے ہوئے خچر کو میری سواری کے لئے اور ایک تیز رفتار گھوڑے کو اپنی سواری کے لئے لے کر تیار رہنا۔ ہم دونوں آج پھر شیخ کے خیمہ پر چلیں گے۔"

آج شام ہی کو شیخ عنان اپنے خیمہ میں سو گیا کیونکہ وہ صبح اپنے قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ بکریاں اور گھی بیچنے کے لئے طنطا جا رہا تھا۔ لطیفہ بھی اپنے باپ کے ساتھ طنطا کے بازار سے چند ضروری اشیاء خریدنے کے لئے جا رہی تھی اس لئے

وہ بھی اپنے بالوں کو سنوار کر ریشمی کپڑے پہن، ہاتھوں میں مہندی لگا سوئی ہوئی تھی۔ اب وہ بے پردہ نہ رہتی تھی۔ اس کے منہ پر ہر وقت نقاب پڑا رہتا تھا اور کوئی بھی اس کی صورت نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس کے باپ نے اس تبدیلی کا سبب پوچھا تھا۔ اس نے مسکرا کر ٹال دیا تھا۔ محمد علی سے ملاقات کے بعد اس کے دل میں محبت کا درد جاگ اٹھا تھا اور وہ لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے ڈرنے لگی تھی کہ کوئی اس کے جذبات و احساسات سے واقف نہ ہو جائے وہ قسم کھا چکی تھی کہ محمد علی کے سوا کسی مرد کے سامنے بے پردہ نہ آئے گی۔

شیخ عنان اور لطیبطہ گہری نیند کے مزے لے رہے تھے کہ نقاب پوش غلام احمد نے چپ چاپ خیمہ کے اگلے حصہ میں داخل ہو کر رسوں سے شیخ کے ہاتھ پاؤں باندھ لیے اور منہ کو بھی کپڑے سے کس کر باندھ دیا۔ شیخ اس وقت جاگا جب نہ منہ سے بول سکتا تھا اور نہ کوئی حرکت کر سکتا تھا۔ فوراً ہی محمد علی خیمہ کے پچھلے حصہ میں داخل ہوا۔ اس نے لطیبطہ کو ریشمی ڈوریوں سے باندھا اور اس کے منہ کو ریشمی رومال سے باندھ کر اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر آہستہ سے اس کے کان میں کہا "لطیبطہ! ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہاری جان محفوظ ہے۔" یہ کہتے ہی محمد علی نے محسوس کیا کہ لطیبطہ کا جسم پھڑک رہا ہے۔ پھر محمد علی نے لطیبطہ کو باہر لا کر اسی خچر پر سوار کیا جس پر بٹھا کر لطیبطہ محمد علی کو لائی تھی۔ محمد علی لطیبطہ کو اپنے آگے خچر پر بٹھا کر روانہ ہوا تو اس کا غلام احمد اپنے آقا کی حفاظت کے خیال سے ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر گھوڑے پر سوار ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ دونوں سوار برق رفتاری سے بڑھے چلے جاتے تھے۔ ابوالہول کے قریب پہنچ کر محمد علی اپنے قیدی سے بولا کہ ہم صحرا کی دیوی کے بالکل قریب ہیں۔ کیا تم اسے دیکھنا پسند کرو گی۔ مجھے تمہارا بڑا خیال ہے اور میری خواہش ہے کہ تمہاری آنکھیں اور منہ کھول دوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم انتقام کے جوش میں مجھے کاٹ نہ کھاؤ۔ کیا تم مجھے نہ کاٹنے کا وعدہ کرتی ہو۔ لطیبطہ کا جسم دوبارہ پھڑکنے لگا اور وہ اپنے سر کو ہلانے لگی۔ اب لطیبطہ کو صاف پتہ چل گیا تھا کہ وہ محمد علی کی قید میں ہے کیونکہ اس نے یہی باتیں محمد علی سے اُس وقت کہی تھیں جب وہ اسے اپنے خچر پر لاد کر لا رہی تھی۔ محمد علی نے کہا کہ میں تم پر اعتماد کر کے تمہارا منہ اور آنکھیں کھول دیتا ہوں۔ لطیبطہ نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو محمد علی کی صورت کو دیکھتے ہی سب رنج و الم

جدائی کے صدمے اور گلے شکوے بھول گئی۔ محمد علی مسکرا کر بولا۔ ذرا دیکھو تو ہمارے سروں کے سائے زمین پہ ایک دوسرے کو چوم رہے ہیں۔ کیوں نہ ہم بھی ایک دوسرے کو بوسہ دیں۔

لطیطہ محمد علی کے ان دوہرائے ہوئے کلمات کو سن کر بڑی خوش ہوئی اور سر ہلا کر بولی: "تمہیں میرا پہلا جواب یاد ہی ہوگا۔ میں نے کہا تھا کہ میں اپنے والد کے سامنے قسم کھا کر وعدہ کر چکی ہوں کہ مجھے صرف وہی آدمی چوم سکتا ہے جو مجھے اپنی بیوی بنا کر خیمہ میں لے جائے۔"

"کیا تم اب بھی اپنے وعدہ پہ قائم ہو؟"

"ہاں! یہی وجہ ہے کہ میں تمہیں اس سے منع کرتی ہوں کیونکہ شاید تم مجھے اپنی بیوی بنانے نہیں لے جا رہے بلکہ اپنی لونڈی بنانے کے لئے لے جا رہے ہو۔"

"تمہارا خیال درست ہے۔ میں تمہیں واقعی محبت کی لونڈی بنانا چاہتا ہوں کیونکہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔"

"میں نہ تو تمہیں محبت کرتی ہوں اور نہ تمہاری لونڈی بننا چاہتی ہوں۔ مجھے قبیلہ والے صحرا کی آزاد شہزادی کہتے ہیں۔ میں کبھی لونڈی نہ بنوں گی۔ تم مجھے میرے باپ کے خیمہ سے کیوں چرا لائے ہو؟" لطیطہ نے چیخ کر کہا اور رونے لگی۔ محمد علی بولا:

"تم نے اپنی گفتگو سے میرے دل کو زخمی کر دیا ہے۔ اگر تم نے پھر گفتگو کا یہی انداز اختیار کیا تو میں دوبارہ تمہاری آنکھیں اور منہ باندھ دوں گا۔"

"ہاں ہاں تم فوراً میری آنکھیں اور منہ باندھ دو۔"

"مناسب ہے۔" یہ کہہ کر محمد علی نے پھر لطیطہ کی آنکھوں اور منہ کو رومال سے بند کر دیا اور کہا:

"لطیطہ! میں تمہارے حکم کی اس لئے تعمیل کر رہا ہوں کہ ہوا مجھ سے قبل میری محبوبہ کے رخساروں کو نہ چوم لے اور چاند ستارے میری لطیطہ کا پیارا چہرہ دیکھنے میں میرے ساتھ شامل نہ ہوں۔ میں کسی کو بھی تمہاری صورت دیکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم اسی طرح میری لونڈی ہو جس طرح میں تمہارا غلام ہوں۔ تم سر ہلا کر انکار کر رہی ہو۔

تم خواہ کچھ بھی کرو۔ بہر حال ہم دونوں ایک دوسرے کے ہیں۔

دونوں سوار چلتے رہے حتیٰ کہ چاندنی زرد پڑ گئی اور ستارے راہ فرار اختیار کرنے لگے۔ طلوع آفتاب سے قبل ہی محمد علی ازبیکہ کے قصر کے قریب پہنچ کر ایک چور دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ غلام احمد نے جب اچھی طرح یقین کر لیا کہ اس کا آقا بخیر و عافیت پہنچ گیا ہے تو وہ لوٹ آیا۔ لطیطہ صحرا کی شہزادی تھی۔ اس لئے قصر کی شان و شوکت دیکھ کر بالکل متاثر نہ ہوئی۔ محمد علی اس کی فطرت سے واقف تھا۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اسی صحرا کے بدوی خیمہ میں لے گیا اور آزاد ہو کر بولا:

"لطیطہ! اٹھ کر دیکھو! نئی زندگی تمہیں مبارکباد کہہ رہی ہے۔ میں تمہیں اپنے خیمہ میں اپنی بیوی کی طرح داخل کر رہا ہوں۔ کیا اب میں تمہیں چُوم سکتا ہوں؟"

لطیطہ آزاد ہوتے ہی کھڑی ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس خیمہ میں اور اس کے باپ کے خیمہ میں کوئی فرق نہ تھا۔ اُس نے خوش ہو کر محمد علی کی طرف دیکھا۔ محمد علی نے اسے سینہ سے لگا لیا اور اپنے ہمراہ لے کر خیمہ کے پچھلے حصّہ کی طرف چل پڑا۔

❀

(۴۲)

آخری سلام

آج قاہرہ کو خوب سجایا گیا تھا۔ لاکھوں مرد اور عورتیں بولاق کی طرف چلے جا رہے تھے کیونکہ محمد علی پاشا کے بیوی بچے آ رہے تھے۔ اب لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا پاشا دو بیویوں کا شوہر ہے۔ دوسری بیوی ازبکیہ کے قصر میں موجود تھی اور پہلی بیوی اپنی اولاد کو لے کر ایک خاص کشتی میں آ رہی تھی۔

محمد علی پاشا بھی اپنے امراء، وزرا اور خادموں کے ساتھ قلعہ سے برآمد ہوا اور غریبوں و محتاجوں کو خیرات دیتا ہوا دریا پر آ گیا۔ لب دریا استقبال کے لئے دو مختلف جگہوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایک لڑکوں کے استقبال کے لئے تھی تو دوسری بیوی کے لئے جس کا خیر مقدم کرنے کے لئے قاہرہ کی ہر عورت آئی ہوئی تھی۔

کشتی ساحل پر پہنچی اور محمد علی کے تینوں بیٹے اترے تو محمد علی شفقت پدری سے بیتاب ہو کر اپنی شان و شوکت کو بھول گیا اور اس نے گھوڑے سے اتر کر ایک ساتھ تینوں بیٹوں کو اپنے سینہ سے چمٹا لیا۔ پھر محمد علی کے بیٹے اس کے ہمراہ گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعہ کی طرف چلے تو قلعہ سے سلامی دی گئی۔ آگے آگے محمد علی اور اس کے بیٹے تھے ان کے پیچھے فوجی بینڈ مسرت کے ترانے گاتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ پھر فوج کا ایک دستہ اور اس کے پیچھے لاکھوں آدمی قلعہ کی طرف چلے آ رہے تھے۔ کشتی شاہزادوں کو اتار کر دوسری جگہ پہنچی تو محمد علی کی بیوی عائدہ بھی اتر کر خشکی پر آ گئی۔ عورتوں کے ایک بڑے ہجوم نے اس کی درازئ عمر کے نعرے لگائے۔ عائدہ نے اپنے سر کو جھکا کر سب کا شکریہ ادا کیا اور لونڈیوں و خواصوں کے ساتھ حرم کے دروازے سے گزر کر قصر میں داخل ہوئی اور ایک تخت پر بیٹھ گئی۔ عورتوں نے نذر پیش کی۔ پھر دربار برخاست ہوا تو ایک

تخت پر بیٹھ گئی۔ عورتوں نے نذر پیش کی۔ پھر دربار برخاست ہوا تو ایک خواجہ سرا اسے اس مکان میں لے گیا جو اس کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ یہاں خواصوں نے اسے بیش قیمت لباس پہنایا اور صدر کمرے کی طرف جانے کے لئے کہا جو بادشاہ سے ملاقات کے لئے مخصوص تھا۔

عائدہ کمرے میں داخل ہوئی تو کمرہ خالی تھا۔ جلد ہی محمد علی نے سامنے کے دروازے سے کمرے میں داخل ہو کر عائدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہا۔ "عائدہ! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ تم میری پہلی بیوی اور میرے بیٹوں کی ماں ہو۔ میں تمہیں ہمیشہ سے پیار کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔"

عائدہ پہلی بیوی کے الفاظ کا مقصد سمجھ کر بولی۔ "میں ہمیشہ تمہاری فرمانبردار رہوں گی۔ تم میرے آقا اور محبوب ہو۔"

محمد علی کے تینوں بیٹے ماں سے ملنے کے لئے باپ کے ہمراہ آئے تھے اور دروازے پر کھڑے تھے۔ محمد علی نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو تینوں لڑکے ہاتھوں میں ایک ایک تھیلی لئے کھڑے تھے۔ محمد علی نے تینوں کو اپنے قریب بٹھا کر کہا۔ "فرزندو! یہ تمہارے ہاتھوں کی تھیلیوں میں کیا شے ہے؟"

بڑے لڑکے ابراہیم نے کہا۔ "ابا جان! میری تھیلی میں ایک تحفہ ہے جو میں قوالہ سے آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لایا ہوں۔ یونانیوں نے مجھے بتایا کہ آپ کو جہاز رانی اور شناوری پر پورا پورا عبور حاصل تھا۔ میں نے بھی موجوں سے کھیلنے، سمندر کے طوفان کو شکست دینے اور غوطہ زنی میں مشق کی اور بروستا کے سب ملاحوں کو شکست دے دی۔ میرا یہ تحفہ بھی گہرے سمندر کی تہہ سے نکالا ہوا ہے جسے میں اپنے دعوے کے ثبوت میں لایا ہوں۔ یہ ایک تھیلے میں کس کر بندھا ہوا تھا۔ میں اسے بڑی مشکل سے کنارہ پر لا سکا۔ پھر جب میں نے اسے کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس میں انسان کی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ تھا۔ یہ غوطہ زنی کے فن کا بہت بڑا اعزاز تھا اس

لئے میں آپ کے ملاحظہ کے لئے لایا ہوں۔"

محمد علی کے چہرے پر زردی چھا گئی اور وہ غمگین ہو کر بولا ۔" ابراہیم! کیا تم نے بروستا کے ساحل پر غوطہ لگایا تھا؟"

" جی درست ہے آپ کو تو علم ہی ہے کہ اس بلند ترین کنارہ کے قریب ایک بہت ہی گہرا کُنڈ ہے ۔ میں اس کنڈ میں غوطہ زنی میں مصروف تھا کہ یہ تھیلا ہاتھ آگیا۔ میں بڑی کوشش سے اسے تیر کر کنارے لا سکا۔ کھولنے پر اس سے آدمی کا ڈھانچہ نکلا۔ میرا تحفہ اس ڈھانچے کا ایک حصہ ہے۔"

" تھیلے میں کسی مرد کا ڈھانچہ تھا۔ تم اس کے کس حصہ کو لائے ہو؟" محمد علی نے کانپتے ہوئے پریشان ہو کر کہا۔

" تھیلے میں یقیناً کسی عورت کی لاش تھی ۔ میں لمبے لمبے گھنے سیاہ بالوں کا ایک گچھا لایا ہوں۔"

محمد علی کے ہاتھوں میں سکت نہ تھی کہ اس تھیلی کو بیٹے کے ہاتھ سے لے سکے ۔ ابراہیم نے مجبوراً تھیلی اس کے سامنے زمین پر رکھ دی۔ وہ اپنے باپ کی اس کیفیت پر بڑا متعجب ہوا ۔ عائشہ نے محمد علی کی اس حالت کو دیکھ کر ابراہیم کو آواز دی۔ ابراہیم اس کے پاس چلا گیا۔ محمد علی نے چونک کر دوسرے بیٹوں سے کہا ۔" اسماعیل اور طوسون تم دونوں کیا لائے ہو؟"

" میرے پاس بھی نوالہ کی یادگار ہے جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں ۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ دشوار گزار پہاڑیوں پر چڑھنے کے شائق ہیں اور بروستا کے قریب والی پہاڑی پر آپ کے سوا کوئی بھی نہیں چڑھ سکتا۔ میں نے آپ کی اس پہاڑی پر چڑھنے کی مشق کی اور اس میں خوب مہارت حاصل کر لی۔ ایک دن میں نے اس کی چوٹی پر ایک بڑا عجیب قسم کا غار دیکھا۔ میں اس کے لمبے تنگ سوراخ میں داخل ہوا۔ غار میں مجھے جو کچھ دکھائی دیا۔ آپ اس کا حال سن کر بڑے حیران ہوں گے ۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس غار میں چند برس قبل کچھ لوگ آباد تھے کیونکہ اس کھلے غار میں اس وقت بھی کئی برتن اور کئی کپڑے

بکھرے ہوئے تھے۔ میں اس غار کو پاکر بڑا خوش ہوا اور اکثر اسی غار میں اپنا قیمتی وقت صرف کرنے لگا۔ میں غار میں آخری بار داخل ہوا تو غار کی چیزوں میں سے یہ خوبصورت جام آپ کے لئے یادگار کے طور پر لیتا آیا۔" اسماعیل نے کہا اور جام محمد علی کے قدموں میں رکھ دیا۔

"میں آپ کے لئے ایک بیش قیمت شال لایا ہوں۔ ایسی نایاب مثال شاید ہی کسی کی نظروں سے گزری ہو۔ افسوس صرف یہ ہے کہ اس شال پر کچھ سیاہ دھبے پڑے ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ شال پر کسی کا خون گرا ہوا ہے۔" طوسون نے کہا اور شال بھی دوسری چیزوں کے ساتھ رکھ دی۔

محمد علی دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے خیالات میں کھویا رہا۔ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور وہ ایک پتھر کے مجسّمہ کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن اس کی زبان نے ساتھ نہ دیا۔ اس نے لڑکوں کو ہاتھ کے اشارے سے باہر چلے جانے کے لئے کہا۔ لڑکے باپ کا اشارہ سمجھ کر ڈر گئے اور فوراً ماں کے قریب جاکر کھڑے ہو گئے۔ عائدہ ان کو ہمراہ لے کر کمرہ سے باہر نکل گئی۔

محمد علی نے تنہائی میں ان تحفوں کو دیکھا تو دیوانوں کی طرح حرکتیں کرنے لگا۔ شاید محبت دیوانہ بنا دیتی ہے۔ اس نے ابراہیم کی تھیلی کھول کے دیکھی تو جوہرہ کے لمبے لمبے سیاہ گھنے حسین بال دیکھتے ہی اس کے دل سے ایک سرد آہ بلند ہوئی جو اس کی اولین محبت کی یاد میں رنج و الم کا ہدیہ تھا۔ وہ بالوں کو کئی بار بوسے دے کر اس وقت کو یاد کرنے لگا۔ جب یہ حسین بال زندہ جوہرہ کے سر کی زینت تھے اور وہ ان کے بوسے لیا کرتا تھا۔ پھر جب اس نے جام کو ہاتھ میں پکڑا تو اسے یاد آیا کہ اس جام میں جوہرہ کئی بار پانی پی چکی ہے۔ اس نے جام کے کنارے پر اپنی زبان رکھ دی، جیسے جوہرہ کے دہن کے ان نشانات کو چوس لینا چاہتا ہو جو کنارے پر باقی رہ گئے ہیں۔ پھر اس نے ریشمی شال کو ہاتھ میں لے کر دیکھا یہ اس کے دوست لیون سے خریدی ہوئی شال تھی جو جوہرہ اکثر اوقات اپنے کندھوں پر رکھتی تھی۔ اس آخری

رات بھی یہ شال جوہرہ کے کندھوں پر تھی۔ محمد علی کو شال پر خون کے دھبے دیکھتے ہی معلوم ہو گیا کہ اپنی گرفتاری سے قبل جوہرہ نے خسرو کے دونوں غلاموں سے بچنے کی بڑی کوشش کی ہو گی اور یہ خون اس کے کندھوں سے خنجر کی خراش سے نکلا ہو گا۔ شال کے کٹے ہوئے کنارہ کو دیکھتے ہی اسے پورا یقین ہو گیا کہ شال پر جوہرہ کا خون جما ہوا ہے جو وہ میرے لیے بہا چکی ہے۔ محمد علی نے اپنے جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر شال کے دھبوں کو کئی بار چوما اور ماضی کی ان سوگوار یادگاروں کو ہاتھ میں لے کر اپنے بچپن کے زمانہ اور زبروستا کی پہاڑیوں کی تنہائی میں چلا گیا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ماضی کے واقعات اور اپنے دوست عثمان بن حسان شوربجی کی تصویریں ناچنے لگیں۔ اس کے بیٹے بتا چکے تھے کہ عثمان وفات پا چکا ہے۔ وہ عثمان کو یاد کر کے بولا میرے عزیز دوست! موت نے تمہیں ان گنت تکلیفوں سے نجات دی ہے۔ میں نے بھی بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں لیکن اب میں قدرے آرام میں ہوں اور مستقبل میں زیادہ آرام پانے کی امید رکھتا ہوں کیونکہ زمانہ میرا ساتھ دے رہا ہے۔ ہاں اب میں ماضی سے رخصت ہو رہا ہوں کیونکہ مجھے مستقبل کے لیے تیار ہونا ہے۔ ہاں! ہاں اب مجھے ہوش میں آجانا چاہیئے ماضی اپنا کام کر چکا ہے۔ اب تو جوہرہ بھی میری اولاد کے ہاتھ اپنا آخری سلام بھیج چکی ہے۔ اب مجھے اپنی پیاری جوہرہ سے بھی آخری بار رخصت ہو جانا چاہیئے کیونکہ اب مجھے اپنی زندگی حال اور مستقبل کے ایک بادشاہ کی حیثیت سے گزارنی ہے۔

یہ کہتے ہی محمد علی نے خود کو سنبھالا۔ اپنے آنسو خشک کر کے دوسرے کمرہ میں اپنی بیوی اور بیٹوں کے پاس آگیا اور مسکرا کر کہا "میرے فرزندو! آؤ اپنے ملک کا دارالسلطنت قاہرہ دیکھو۔ یہ دنیا کا خوبصورت شہر ہے" محمد علی پاشا نے لڑکوں کو اپنے ہمراہ لیا اور قصر کی چھت پر آگیا۔ لڑکے وسیع قاہرہ کو دیکھنے لگے جس کے درمیان سے دریائے نیل بل کھاتا ہوا رواں دواں تھا جس پر چاندی کے ایک سمندر کا گمان ہو رہا تھا۔ ایک طرف سنہری رنگ کا بیابان عجب بہار دکھا رہا تھا جس کے اختتام پر جنیرہ کے بڑے بڑے اہرام تھے۔ لڑکے بے اختیار ہو کر بولے: "واہ واہ آبا جان!

ہماری آنکھوں کے سامنے کس قدر حسین منظر ہے۔

"فرزندو! مصر ایک عظیم تاریخی ملک ہے۔ اس وقت میں اس کا مالک ہوں میرے بعد یقیناً یہ تمہارے قبضہ میں آئے گا اور مجھے یقین ہے۔ میرے خاندان کے افراد یکے بعد دیگرے اس پر حکومت کرتے رہیں گے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنے پیشرد کی طرح اس تخت کو نہ چھوڑوں گا۔ تاریخ ذکر کرتی رہے گی کہ محمد علی پاشا کو مصر کے اس پہلے بادشاہ کی حیثیت حاصل ہے جس نے مصر کی حکومت اپنی اولاد اور اپنے خاندان کے ترکہ میں چھوڑی ۔ میرے فرزندو! میں تم سے وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ حاکم ہو کر انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑو گے اور ہمیشہ میرے نقشِ قدم پر چلتے رہو گے۔"

لڑکوں نے قسم کھا کر وعدہ کر لیا تو محمد علی نے خوش ہو کر دعا کے لئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"خداوند کریم! میری مدد فرما! مجھے اور میری اولاد کو اپنے وعدوں کی ایفا کی قوت دے۔ میں تیرے آخری پیغمبر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ناچیز بندہ ہوں۔ اے رب عزت! میں کسی بادشاہ یا سلطان کی ماتحتی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تو اپنی رحمت کے صدقہ میں مجھے اور میرے بعد میری اولاد کو آزاد و خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے سامنے لا۔ خداوند تعالیٰ مجھے طاقت بخش اور نیکی کا صاف راستہ دکھا۔ تو رحیم و کریم ہے۔

❀

(۴۲)

خودمختار بادشاہ محمد علی پاشا

۱۸۳۱ء میں مصر کے خدیو محمد علی پاشا نے سلطان ترکی کی سیادت کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کر دیا اور شام پر حملہ کر دیا۔ سلطان ترکی کی فوجوں کو شکست ہوگئی۔ محمد علی پاشا کے حوصلے بلند ہوگئے اور اُس نے ایشیائے کوچک کی راہ سے استنبول کی طرف پیش قدمی شروع کر دی لیکن زار روس درمیان آگیا اور اس کی مداخلت پر محمد علی پاشا کو اپنی پیش قدمی روک دینی پڑی۔ زار روس نے اپنی اس امداد کے صلہ میں سلطان ترکی سے بعض مراعات حاصل کریں۔ یورپ کی دول عظمیٰ کو یہ شبہ بھی تھا کہ فرانسیسی حکومت خفیہ طور پر محمد علی پاشا کی امداد بھی کر رہی ہے اور اس کے حوصلے بڑھا کر اس سے سلطان ترکی کی مملکت پر حملے بھی کرا رہی ہے۔

۱۸۲۱ء میں یونان کے باشندوں نے یورپ کے بادشاہوں کے بھڑکانے پر سلطان ترکی کے خلاف بغاوت کر دی تو سلطان ترکی نے مصر کے خدیو محمد علی پاشا سے جو سلطان کی رائے کے مطابق ترکی کی زیر حمایت ۱۸۱۱ء ہی سے نیم آزاد سی ریاست قائم کئے بیٹھا تھا امداد طلب کی۔

محمد علی نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو بحری بیڑا اور لشکر دے کر بھیجا۔ جس نے باغی یونانیوں کی سرکوبی کر کے شورش دبا دی۔ ۱۸۲۷ء میں روس، فرانس اور انگلستان نے ترکی سلطنت کے حصے بخرے کرنے کی اپنی سکیم میں ناکامی کے بعد بحری بیڑا بھیجا۔ جس کا ناوارینو کے مقام پر ترکی اور مصر کے بیڑے سے مقابلہ ہوا اور ترکی و مصر کے بحری بیڑے نے شکست کھائی۔

۱۸۳۹ء میں سلطان ترکی کے بحری بیڑے نے سکندریہ کی بندرگاہ پر حملہ کر دیا اور ایک سلطانی لشکر نے شام بھی چڑھائی کر دی۔ دونوں جگہ سلطان ترکی کی فوجوں نے شکست کھائی۔ محمد علی پاشا اور اس کے بیٹوں نے دونوں محاذوں پر ترکی سپاہ کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد خدیو محمد علی پاشا نے مطالبہ کر دیا کہ اب وہ شام کی سرزمین پر اپنا قبضہ رکھے گا۔ اس صورت حال کو دیکھنے کے بعد انگلستان، پرشیا، آسٹریا اور روس نے سلطان ترکی سے معاہدہ طے کر کے محمد علی پاشا کو شام پر دائمی قبضہ رکھنے سے روکنے کی کوشش کی اور انگریزی فوج نے شام میں اتر کر محمد علی پاشا کی فوجوں کو شکست دے دی۔ اس پر خدیو محمد علی پاشا نے شام سے اپنا قبضہ ختم کر دیا، لیکن ۱۸۴۰ء میں خدیو محمد علی پاشا نے سلطان کی سیادت سے آزاد ہو کر مصر کے خود مختار بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

مصر کا خدیو محمد علی پاشا عملی حیثیت سے ۱۸۴۰ء میں خود مختار ہو گیا تھا۔ اس طرح محمد علی پاشا کا وہ خواب پورا ہو گیا تھا جو اس نے مچھلیاں پکڑتے پکڑتے قوالہ میں دیکھا تھا۔ اس دور میں مصر پر سلطان ترکی کی برائے نام سیادت قائم تھی۔ ۱۸۷۰ء میں محمد علی پاشا کے ایک بیٹے خدیو اسماعیل پاشا نے سلطان ترکی سے اس مطلب کی اجازت بھی حاصل کر لی کہ مصر کے حکمران سلطان کی اجازت اور منظوری کے بغیر بیرونی طاقتوں سے معاہدات طے کر سکتے ہیں۔ اس آزادی کے نتیجے میں مصر کے خدیو انگریزوں کی سیاست کے ہاتھ میں کھیلنے لگے اور انگریز مصر کے اندرونی انتظامی معاملات میں مراعات حاصل کر کے اپنے اثر و رسوخ کو بڑھاتے رہے۔ ۱۸۸۲ء میں برطانوی حکومت نے ترکی کے سلطان سے جو کاغذات میں مصر کا شہنشاہ خیال کیا جاتا تھا مصر کے انتظامی معاملات میں دخیل ہونے کی سند بھی حاصل کر لی اور اس طرح انگریزوں کو مصر کے متولی بننے کا موقع مل گیا۔ معاہدوں کے کاغذات میں ابھی تک مصر پر سلطان ترکی کی سیادت کو تسلیم کیا جاتا تھا اور مصر کے برائے نام حکمران خدیو سمجھے جاتے تھے لیکن ملکی انتظام کی باگ ڈور

انگریزوں کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی تھی جو ہوتے ہوئے مصر کے اندر کئی قسم کی مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان مراعات میں تجارتی اجارہ داری، الگ بستیاں بسانے، غیر ملکیوں کے لئے مختلف امتیازی سہولتیں فراہم کرنے، فوج رکھنے وغیرہ شامل تھیں۔ یہ مراعات استعماری پیش رفت کے لئے ہراوّل دستوں کا کام دینے لگیں۔

مختصراً یوں سمجھئے کہ مصر کے خود مختار بادشاہ محمد علی پاشا کے جانشین خدیو اپنے حلیفوں یعنی انگریزوں کو اپنے مہمان بنا کر ان کے سامنے بے بس ہو چکے تھے۔

جنگ عظیم میں ترکی کی شمولیت پر برطانوی حکومت نے مصر کو اپنے زیرِ حمایت لینے کا اعلان کر دیا اور مصر کے خدیو عباس حلمی پاشا کو جو ترکی میں تھا معزول کر کے سلطان فواد کو مصر کا داخلی حکمران بنا دیا۔ جنگ کے خاتمے پر مصر میں آزادی خواہوں کی تحریک کی ابتدا ہوئی مصریوں نے وفد پارٹی کے نام سے ایک انجمن قائم کر لی۔ جس کے لیڈر سعد زغلول پاشا کو انگریزوں نے گرفتار کر کے جبرالٹر پہنچا دیا لیکن مصر میں تحریک شباب پر پہنچ گئی۔ نتیجہ میں ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کو برطانوی حکومت نے مصر کی آزادی کا اعلان کر دیا۔

❁

محمد علی پاشا کے فرزند

ابراہیم پاشا

ابراہیم پاشا۔ مصر جدید کے بانی محمد علی پاشا کا فرزند تھا۔ بڑا دانا اور بلند حوصلہ حکمران تھا۔ میدانِ جنگ اور میدان سیاست، دونوں کا شہسوار تھا۔ مصر میں خاندان غلاماں (مملوکوں) سے جنگ کی اور انہیں شکست دے دی۔ جزیرہ عرب میں بھی اپنے مخالفوں سے اپنا لوہا منوا لیا۔ مورہ میں یونانیوں کی خبر لی اور شام و اناطول میں ترکی خلافت کے جرنیلوں کو شکست دے دی۔ ان فتوحات اور کامیابیوں کے سبب اس کے سیاسی اثر و رسوخ میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔

۱۸۴۸ء میں اس کی وفات ہوئی۔

اسماعیل پاشا

اسماعیل پاشا خدیو مصر، اس کے عہد میں نہر سویز تعمیر ہوئی تھی۔ مصر میں ریلیں نکالی گئی تھیں۔ بنک قائم ہوئے تھے اور تجارت کو جدید طرز پر منظم کیا گیا تھا۔ اسماعیل پاشا نے بحری فوج پر بہت زیادہ دولت خرچ کر دی تھی، جس کے باعث اسے مغربی طاقتوں سے قرض لینا پڑا۔ مصر کی حیثیت ایک مقروض ملک کی تھی۔ جب برطانیہ نے دباؤ ڈال کر اپنے قرضہ کے عوض نہر سویز کے حصص خرید لئے۔ مغربی طاقتوں کی سازشوں سے ملک میں بے اطمینانی پھیل گئی۔ جس کے نتیجہ میں ۱۸۷۹ء میں اسماعیل پاشا کو معزول کر دیا گیا۔

فواد اوّل

فواد اوّل کا نام، احمد فواد پاشا تھا۔ وہ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۳۶ء میں وفات پا گیا تھا۔ مصر کے آخری معزول بادشاہ فاروق کا والد تھا۔ وہ قاہرہ میں پیدا ہوا تھا اور اُس نے یورپ میں تعلیم پائی تھی۔ وہ اپنے بھائی حسین کمال کی موت کے بعد ۱۹۱۷ء میں مصر کے تخت پر متمکن ہوا تھا اور اُس نے ۱۹۲۲ء میں سلطان کا لقب ترک کر کے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کی مدت حکومت انیس سال ہے۔

فاروق آخری شاہِ مصر

فاروق شاہ، مصر میں محمد علی پاشا کے خاندان کا آخری فرمانروا، فواد اوّل کا بیٹا ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۹۳۶ء میں تخت نشین ہوا اور مصر پر سولہ برس حکومت کرنے کے بعد جولائی ۱۹۵۲ء میں تخت و تاج سے محروم ہو گیا۔

مصری فوج کے افسروں کی ایک جماعت نے جنرل محمد نجیب کی قیادت میں فاروق کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا تھا۔ یہ فوجی انقلاب پُرامن تھا۔ اس کے بعد شاہ مصر کو تخت سے دستبردار کر کے جلاوطن کر دیا گیا اور وہ مصر کے شاہی بیڑے "محروسہ" پر بیٹھ کر جزیرہ کیپری (اٹلی) چلا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں اس کی حرکت قلب بند ہو گئی اور وہ انتقال کر گیا۔

شمشیر اسلام

آئندہ ناول

قمر تسکین